فہم القرآن سیریز نمبر 1

یعتذرون 11

www.KitaboSunnat.com

قرآنا عجبا

سوال وجواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

رکوع نمبر 1

﴿ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ(94) ﴾

’’جب تم ان کی طرف واپس آ ؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے، آپ کہہ دیں کہ عذر نہ کرو! ہم تم پر ہرگز یقین نہیں کریں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری کچھ خبریں بتادی ہیں اور عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھیں گے پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے تو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔‘‘(94)

سوال 1: ﴿ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ﴾ ’’جب تم ان کی طرف واپس آ ؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے ان منافقوں کے بارے میں آ گاہ کیا ہے جو دولت مند تھے اور جن کے پاس کوئی عذر نہ تھا کہ جب تم ان کی طرف واپس آ ؤ گے تو وہ تمہارے پاس معذرت پیش کریں گے۔ (2) بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت جد بن قیس، معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ ان کی مجموعی تعداد اسی (80) تھی اور سب کے سب منافق تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کر دو اور ان سے بات چیت بھی نہ کرو۔ مقاتل نے کہا: اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی بن خلف کے بارے میں ہوا جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا: اب آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ میں اس اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں (کسی جہاد میں) آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ (تفسیر مظہری:256/5)

سوال 2: ﴿ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ ﴾ ’’آپ کہہ دیں کہ عذر نہ کرو! ہم تم پر ہرگز یقین نہیں کریں گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ’’آپ کہہ دیں کہ عذر نہ کرو! ہم تم پر ہرگز یقین نہیں کریں گے‘‘، ہم آپ کی جھوٹی معذرتوں پر یقین نہیں کریں گے۔ (2) اس غزوے میں سارے کے سارے مومنین صادقین نے شرکت کی اور اس سے غیر حاضری نفاق کی علامت قرار پائی۔ چنانچہ کیفیت یہ تھی کہ اگر کوئی پیچھے رہ گیا تھا اور اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اسے چھوڑو۔ اگر اس میں خیر ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جلد ہی تمہارے پاس پہنچا دے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے راحت دے دی ہے۔ غرض اس غزوے سے یا تو وہ لوگ پیچھے رہے جو معذور تھے یا وہ لوگ جو منافق تھے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور اب ایمان کا جھوٹا عذر پیش کر کے غزوہ میں شریک نہ ہونے کی اجازت لے لی تھی اور پیچھے بیٹھ رہے تھے یا سرے سے اجازت لیے بغیر ہی بیٹھے رہ گئے

تھے۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ مدینہ داخل ہوئے تو حسب معمول سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لے گئے۔ وہاں دو رکعت نماز پڑھی پھر لوگوں کی خاطر بیٹھ گئے۔ ادھر منافقین نے جن کی تعداد اسی سے کچھ زیادہ تھی آ کر عذر پیش کرنے شروع کر دیے اور قسمیں کھانے لگے۔ (الرحیق المختوم:588،589)

سوال 3: ﴿قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری کچھ خبریں بتا دی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے جو اپنے قول میں سچا ہے، ہمیں تمہارے بارے میں آگاہ کر دیا ہے اس لیے اس معذرت پیش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ (2) غزوۂ تبوک اپنے مخصوص حالات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت آزمائش تھا جس سے اہل ایمان اور دوسرے لوگوں میں تمیز ہوگئی۔ اور اس قسم کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا دستور بھی یہی ہے۔ ارشاد ہے: **﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾** ''اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت میں نہ چھوڑے گا جس پر تم اب ہو جب تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے۔'' (سورۃ آل عمران:179) (3) اب ہم تمہاری تصدیق نہیں کر سکتے کیونکہ تمہارے اعمال کے پیچھے جو دلوں کی گندگی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے واضح کر دیا ہے۔

سوال 4: ﴿وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھیں گے پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھیں گے'' اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارے اعمال اس لیے دیکھیں گے کہ اعمال کے ذریعے سے سچ اور جھوٹ میں فرق پتہ چلتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اب دیکھیں گے کہ تم توبہ کر کے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرتے ہو یا اپنے کفر اور نفاق پر اصرار کرتے ہو۔ (ایسر التفاسیر:575) (3) اللہ تعالیٰ کا دیکھنا سادہ سی بات نہیں ہے اس سے نہ نیت چھپی ہوئی ہے اور نہ اعمال۔ تمہاری باتوں کو تمہاری نیتوں اور تمہارے اعمال کے حساب سے دیکھے گا۔ (4) سیدنا ابوعبداللہ طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کیا تو اس کا مال اور خون محفوظ (حرام) ہو گیا اور اس (کے باطن) کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔'' (صحیح مسلم:130) (5) سیدنا عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تو کچھ لوگوں کا مواخذہ وحی کے ذریعے ہو جاتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے (اور باطن کے احوال پر مواخذہ ممکن نہیں رہا) اس لیے اب تمہارا مواخذہ صرف تمہارے ان عملوں پر کریں گے جو ہمارے سامنے آئیں گے۔ پس ہمارے لیے جو بھلائی ظاہر کرے گا ہم اس کو امن دیں گے (یا اس پر اعتبار و اعتماد کریں گے) اور اس کو اپنے قریب کریں گے اور ہمیں اس کے اندرونی حالات سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کا حساب اللہ تعالیٰ ہی ان سے کرے گا اور جو ہمارے لیے برائی ظاہر کرے گا ہم اسے امن دیں گے (یا اس پر اعتبار کریں گے) اور نہ اس

کی تصدیق کریں گے اگر چہ وہ یہ کہے گا کہ اس کا اندرونی معاملہ (ارادہ) اچھا تھا۔ (صحیح بخاری:2641) (6) ان آیات کریمہ میں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ﴾ میں اللہ تعالیٰ کے افعال اختیاری کا اثبات بھی ہوتا ہے جو اس کی مشیت اور قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ان کے عمل کو اس کے واقع ہونے کے بعد دیکھے گا۔ ان آیات کریمہ میں نیکوکاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور فاسقین کے ساتھ ناراضی اور غصے کا اثبات ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1087/2) (7) ﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ''پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب کا جاننے والا ہے اور حاضر کا جاننے والا ہے'' اپنی موت کے بعد قیامت کے دن تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ (8) تم اللہ تعالیٰ کی طرف جزا کے لیے لوٹائے جاؤ گے۔ (9) شہادت سے مراد وہ جہان ہے جس کے بارے میں انسان جان سکتا ہے۔ غیب سے مراد وہ چھپے ہوئے حقائق ہیں جو انسان کے ذرائع علم سے چھپے ہوئے ہوں۔

سوال5: ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''تو وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''تو وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے'' جو اچھا برا تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ کر دے گا۔ (2) انسان جو عمل کرتا ہے بظاہر وہ اسے جانتا ہے لیکن اپنے عمل کے نہ تو سارے اسباب جانتا ہے اور نہ اس کے اثرات۔ اللہ تعالیٰ جب انسان کے سامنے اعمال کی حقیقت کھولیں گے تو حساب کتاب عمل میں آئے گا نہایت ہی سچا حساب کتاب۔ (3) اللہ تعالیٰ اپنے عدل اور فضل سے جزا دے گا اور کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ تو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال:7,8)

﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ(95)﴾

''جب تم ان کی طرف واپس آؤ گے عنقریب وہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے اعراض کرو سو تم ان سے اعراض ہی کرلو، یقیناً وہ گندے ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اس کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ہیں۔'' (95)

سوال1: ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ﴾ ''جب تم ان کی طرف واپس آؤ گے عنقریب وہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے اعراض کرو، سو تم ان سے اعراض ہی کرلو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے منافقوں کے لیے حکم دیا ہے کہ انہوں نے جو گناہ کیا اس کے بدلے میں نہ ان کو ڈانٹو، نہ مارو پیٹو نہ قتل کرو بلکہ ان سے درگذر کرو۔

سوال2: ﴿اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ''یقیناً وہ گندے ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اس کے بدلے

میں جو وہ کماتے رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ﴾'' یقیناً وہ گندے ہیں'' اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی روح گندی ہے۔ان کے جسم کو گندا کہہ کر ان کے اعمال کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ لوگ بظاہر خوشبوؤں میں بسے ہوئے ہیں مگر سراپا گندگی ہیں اس لحاظ سے قابل نفرت ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا شعور اوران کے تصورات گندے ہیں اوراس گندگی نے ان کی روح کو اس طرح گھیرا ڈال رکھا ہے کہ وہ مجسم گندگی بن گئے ہیں۔ (2)منافقوں سے اعراض کا حکم اس لیے دیا گیا کہ منافقوں کا شعور اوران کی سوچ گندی ہوتی ہے اورایک مچھلی پورے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے اوراسلام جن کو تیار کرتا ہے انہوں نے اسلام کی سر بلندی کے لئے عملی جدو جہد کرنی ہوتی ہے۔منافق اس عملی جدو جہد کے خلاف ہے اس لئے انہیں گندگی قرار دے کر ان سے اعراض کا حکم دیا گیا تا کہ سچے مسلمان بھی اس شعور کی گندگی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔(3) رسول اللہ ﷺ نے منافقوں کو قتل نہیں کروایا۔عبداللہ ابن ابی کے بیٹے نے جب باپ کی منافقانہ حرکت دیکھی تو اس کے خلاف کارروائی کرنا چاہی لیکن رسول اللہ ﷺ نے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی اور فرمایا '' انہیں چھوڑ دو جب تک یہ ہمارے درمیان ہیں ہم ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے''۔(طبقات ابن سعد)(4)**منافقوں** کو نمازیں پڑھنے اورروزے رکھنے کے باوجود جہنم کی وعید سنائی گئی اس لیے کہ منافق اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے ہیں ظاہری طور پر عبادات بھی کرتے ہیں مگر دل ان کے گندے ہیں ان کی سوچ گندی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ پیچھے رہ کر وہ آرام اور سلامتی میں ہیں اور مالی نقصان سے بھی بچ گئے ہیں۔یہ سوچ کی گندگی ہے جس نے ان کی نمازوں اورروزوں کو گھیر اڈال لیا ہے۔اب وہ اچھا عمل کرنے کی سوچ بھی نہیں سکتے جب کہ جنت ہر کسی کو اس کے ذاتی عمل کی وجہ سے ملتی ہے،کسی گروہ میں شامل ہونے سے نہیں ملتی۔اس لئے ان کی نمازوں اور روزوں کے باوجود جہنم کی وعید سنائی گئی۔(5)﴿ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ﴾'' اوران کا ٹھکانہ جہنم ہے'' رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴾ یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اورآپ ان کا ہرگز کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔(النساء:145)(6)﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾'' اس کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ہیں'' ان کو ان کے کفر،نفاق اور معاصی کی سزا دی گئی ہے۔(ایسر التفاسیر:575)(7)سیدنا عبداللہ بن کعب بن مالک نے بیان کیا کہ انہوں نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکنے کا واقعہ سنا۔انہوں نے بتلایا: خدا کی قسم ہدایت کے بعد اللہ نے مجھ پر اتنا بڑا اور کوئی انعام نہیں کیا جتنا رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولنے کے بعد ظاہر ہوا تھا کہ اس نے مجھے جھوٹ بولنے سے بچایا' ورنہ میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح دوسرے لوگ جھوٹی معذرتیں بیان کرنے والے ہلاک ہوئے تھے اوراللہ تعالی نے ان کے بارے میں وحی نازل کی تھی کہ '' عنقریب یہ لوگ تمہارے سامنے جب تم ان کے پاس جاؤ گے اللہ تعالی کی قسم کھا جائیں گے۔آخر آیت ﴿ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ تک۔''(بخاری:4673)

﴿ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ(96) ﴾

''وہ تمہارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہوجاؤ،سوتم ان سے راضی ہوبھی جاؤ تو یقیناً اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔''(96)

سوال1: ﴿ **يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ** ﴾ ''وہ تمہارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہوجاؤ'' منافق مسلمانوں کو کیوں راضی کرنا چاہتے تھے؟

جواب: (1) منافق یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی سختی سے بچ جائیں جواللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے: ﴿ **جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** ﴾ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان سے سختی کرو۔(التوبہ:73) (2) مسلمان ان سے اعراض نہ کریں اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ان کو راضی کرلیں تاکہ اسلامی معاشرے میں ان کو سچے مسلمان جیسا مقام ملا رہے گویا انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔(3) منافقوں کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بجائے اس کے بندوں کی رضا جوئی میں لگے رہتے ہیں۔(تفسیر ماجدی:397/2)

سوال 2: کیا منافقوں کے پاس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو راضی کرنے کا واقعی کوئی راستہ ہوسکتا ہے؟

جواب: منافقوں کے پاس واحد راستہ ہے کہ وہ توبہ کریں اور عملی طور پر جہاد میں شرکت کریں اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجائیں۔

سوال3: ﴿ **فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ** ﴾ ''سوتم ان سے راضی ہوبھی جاؤ تو یقیناً اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ** ﴾ ''سوتم ان سے راضی ہوبھی جاؤ'' یعنی اے مسلمانو! تمہیں زیب نہیں دیتا کہ تم ان لوگوں سے راضی ہوجاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نہیں ہے بلکہ تم پر واجب ہے کہ رب کی خوشی اور ناراضی میں اس کی موافقت کرو۔(2) ﴿ **فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ** ﴾ ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا'' اور یہ نہیں فرمایا: **فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنْهُمْ** تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہوکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اگر یہ یا کوئی اور جب بھی توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلیتا ہے اور ان پر راضی ہوجاتا ہے،لیکن جب تک وہ اپنے فسق پر جمے رہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہوتا،کیونکہ اس کی رضا کا مانع موجود ہے۔اور وہ ہے ان کا ان امور سے باہر نکلنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں مثلاً ایمان اور اطاعت اور ایسے امور میں داخل ہونا جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں مثلاً شرک،نفاق اور نافرمانی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ ذکر فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی عذر کے بغیر جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنے والے منافقین جب اہل ایمان کے سامنے عذر پیش کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے میں ان کے پاس عذر تھا تو وہ چاہتے ہیں کہ تم ان کے معاملے کو نظر انداز کرکے ان سے راضی رہو اور ان کا عذر قبول کرلو۔رہا ان کا عذر قبول کرنا اور ان سے راضی ہونا تو اس میں ان سے کوئی محبت نہیں اور نہ ان کی کوئی تکریم ہے۔رہا ان سے اعراض کرنا تو اہل ایمان ان سے اس طرح اعراض کیا کرتے تھے جس طرح ناپاک اور ردی امور سے اعراض کیا

جاتا ہے۔(تفسیر سعدی:1086,1087/2)

سوال4: اللہ تعالیٰ نے بغیر عذر کے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کے معاملات کو کیوں سب پر کھول دیا؟

جواب: (1)اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ منافق مسلمانوں سے دور ہوجائیں۔(2)اللہ تعالیٰ منافقوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔

﴿ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّ اَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ‌ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ(97) ﴾

''دیہاتی کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اسی لائق ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس کی حدود کو وہ نہ جانیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''(97)

سوال1: **﴿ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا ﴾** ''دیہاتی کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)**﴿ اَلۡاَعۡرَابُ ﴾** ''دیہاتی'' دیہاتی عرب مدینہ کے اردگرد رہائش پذیر تھے۔(2)ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام کے خلاف ہر کاروائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔(3)صحرائی لوگوں میں شہریوں کی نسبت کفر اور نفاق کا زیادہ مرض پایا جاتا ہے۔(4) بدوی سخت کافر اور انتہائی درجے کا منافق ہوتا ہے۔مشکل حالات ان کو سخت جان اور دین کے اصولوں سے ناواقف بنادیتے ہیں۔ان میں سے زیادہ افراد جاہل اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے لاعلم ہوتے ہیں۔دیہاتی اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے دور رہتے ہیں۔بدوی اعلیٰ اقدار اور اخلاقی اصولوں کے مقابلے میں مادی اشیاء کو اہمیت دیتے ہیں۔ (5)رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دیہات میں رہائش رکھتا ہے وہ خشک ہوجاتا ہے، جو شکار کا پیچھا کرتا ہے وہ غافل ہوجاتا ہے اور جو بادشاہوں کے ہاں جاتا ہے وہ فتنے میں پڑ جاتا ہے۔(مسند احمد) (6) درحقیقت دیہات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ طبیعت میں سختی آجاتی ہے اور علم سے دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے عمل سے بھی محروم رہتے ہیں۔(انوارالبیان: 635,636/2)(7)علماء کی مجالس سے دور ہونے کی وجہ سے قرآن وسنت کی تعلیمات سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔(تیسیر الرحمٰن:586)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بعض دیہاتی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لئے آئے تو انہوں نے کہا: کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو،؟ لوگوں نے کہا ''ہاں'' تو انہوں نے کہا: ''خدا کی قسم ہم اپنے بچوں کو بوسہ نہیں دیتے۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے شفقت نکال دی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں؟'' (بخاری:5998) (8) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول ﷺ کے ساتھ چلا جارہا تھا۔اور آپ کے اوپر ایک موٹے کنارے والی نجرانی چادر تھی۔راستے میں ایک دیہاتی آپ ﷺ کو ملا اور آپ ﷺ کی چادر کو سختی سے پکڑ کر کھینچا۔پس میں نے نبی ﷺ کے کندھے کی جانب دیکھا تو چادر کے کنارے سختی کے ساتھ کھینچنے کی وجہ سے اس میں نشان پڑ گئے تھے۔

پھر اس دیہاتی نے کہا اے محمد! تیرے پاس جو مال اللہ تعالیٰ کا ہے اس میں سے میرے لیے بھی حکم دے۔ آپ ﷺ اس کی بات کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکرائے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو دینے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری:5809)

سوال 2: ﴿ وَاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ﴾ ''اور اسی لائق ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس کی حدود کو وہ نہ جانیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور اسی لائق ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس کی حدود کو وہ نہ جانیں'' صحرائی اسی لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام شریعت سے ناواقف ہیں مثلاً ایمان کے اصول اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ اس کے برعکس شہری اللہ تعالیٰ کی حدود سے زیادہ واقف رہتے ہیں۔ (2) اگر چہ کافر اور منافق ہر جگہ پائے جاتے ہیں مگر صحرا اور دیہاتوں میں شہر کی نسبت کفر اور نفاق زیادہ شدید ہوتا ہے۔ (3) ﴿ حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا ہے اس کی حدود کو'' یعنی اسلامی شریعت۔ (4) ﴿ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ﴾ ''جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے'' سے مراد تمام فرائض، واجبات، سنن، مباحات، مکروہات اور ممنوعات شامل ہیں۔ (5) (i) یعنی جو احکام شریعت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں مثلاً اصول ایمان اور اوامر ونواہی وغیرہ۔ ان سے ناواقف ہوں۔ اس کے برعکس شہر میں رہنے والے لوگ اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان حدود سے واقف ہوں جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہیں اور اس علم کے سبب سے ان میں خوبصورت تصورات اور نیکی کے ارادے جنم لیتے ہیں جن کے بارے میں یہ شہری لوگ جانتے ہیں، ان کا علم نہیں رکھتے۔ (ii) شہریوں میں لطافت طبع پائی جاتی ہے اور ان میں داعی حق کی اطاعت کا جذبہ موجود ہوتا ہے جو بدویوں میں نہیں ہوتا۔ (iii) شہری بدویوں کی نسبت اہل ایمان کے ساتھ زیادہ اٹھتے بیٹھتے اور ان کے ساتھ زیادہ اختلاط رکھتے ہیں۔ بنا بریں وہ بدویوں کی نسبت بھلائی کے زیادہ اہل ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ کفار اور منافقین شہر اور دیہات دونوں جگہ پائے جاتے ہیں مگر دیہات میں شہر کی نسبت کفر ونفاق زیادہ شدید ہوتا ہے۔ (iv) بدوی مال ومتاع کے زیادہ حریص ہوتے ہیں اور مال کے بارے میں ان میں زیادہ بخل پایا جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1088/2)

سوال 3: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ اپنے بندوں کی صفات اور مزاج کا علم رکھتا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس نے مختلف لوگوں کو مختلف خصوصیات اور صفات سے نوازا ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس نے انسانوں کو مختلف حصوں، خاندانوں اور قبیلوں میں بانٹ رکھا ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے وہ بندوں کی نیت کو بھی جانتا ہے اور اخلاص کے ساتھ اور اس کے بغیر جو اعمال صادر ہوتے ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔

سوال 4: دیہات والے کفر اور نفاق میں سخت کیوں ہو جاتے ہیں؟

جواب: دیہات میں رہنے والے اپنی روزی کے لئے سخت محنت کرتے ہیں، یہ ذرائع معمولی ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کی طبیعت میں سختی اور سوچنے کا انداز سطحی ہو جاتا ہے ان میں گہرا شعور نہیں ہوتا کہ وہ دین کی حکمتوں کو سمجھیں اور قبول کریں۔

﴿وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ(98) ﴾

''دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں اور تم پر زمانے کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں۔ بری گردش ان ہی پر ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(98)

سوال1: ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا﴾ ''دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں'' دیہات والے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو اپنے اوپر چٹی کیوں سمجھتے ہیں؟

جواب:(1) ''دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں'' دیہات والے اپنے معاملات کا گہرا شعور نہیں رکھتے تھے اور اپنے ظاہری اعلان ایمان کی وجہ سے یہ لوگ زکوۃ ادا کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے کیونکہ اس کے بغیر وہ مسلمان معاشرے میں پر امن زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔(2) دیہات والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو زکوۃ اور فی سبیل اللہ خرچ کو تاوان یعنی خسارہ اور نقصان سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب نہیں چاہتے بلکہ ناگواری سے زکوۃ اور صدقات دیتے ہیں۔

سوال2: ﴿وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ﴾ ''اور تم پر زمانے کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں'' دیہات والے مسلمانوں کے حق میں گردش زمانہ کا انتظار کیوں کر رہے تھے؟

جواب:(1) مدینہ میں اسلامی حکومت کی وجہ سے ان لوگوں کو مالی مدد کرنی پڑتی تھی جسے یہ اپنے اوپر چٹی سمجھتے تھے ان کا دل یہ چاہتا تھا کہ مسلمان زندہ وسلامت واپس نہ لوٹیں تا کہ یہ اپنی مجبوریوں سے نکل آئیں۔(2) یعنی اہل ایمان کے ساتھ اپنے بغض اور عداوت کی بنا پر وہ تمہارے بارے میں گردش ایام مصائب زمانہ کے منتظر ہیں مگر یہ گردش ایام الٹا انہی کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔(تفسیر سعدی:1088/2)

سوال3: ﴿عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ﴾ ''بری گردش ان ہی پر ہے'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے منافقوں کو یہ کہا گیا کہ یہ بدی کے چکر میں ہیں۔ کیسے وضاحت کریں؟

جواب: منافقوں کی بدی نے انہیں گھیرے میں لے لیا ہے اب وہ بدی کے دائرے میں ہیں اس دائرے سے نکل نہیں سکتے۔ اہل ایمان کے لیے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی اور ان کا انجام اچھا ہے۔

سوال4: ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** ﴾''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کوقبول کرنے کے لیے سنتا ہے۔(2)﴿ **عَلِيْمٌ** ﴾ ''سب کچھ جاننے والا ہے'' وہ اپنے بندے کے حالات اور نیتوں کو جانتا ہے۔وہ ہر شخص کواس کی نیت کے مطابق ،اس کے عمل کی پوری پوری جزادے گا۔

﴿ **وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ**(99) ﴾

''اور دیہاتیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو بھی وہ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربتوں اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔سن لو!یقیناً وہ ان کے لیے قرب کا ذریعہ ہے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا ،نہایت رحم والا ہے۔''(99)

سوال1:﴿ **وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** ﴾''اور دیہاتیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)سارے دیہاتی قابل مذمت نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو کفر اور نفاق سے بچے ہوئے ہیں اور ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتے ہیں۔(2)ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت بنی مقرن کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جن کے بارے میں یہ آیت ﴿ **وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ** ﴾الخ نازل ہوئی تھی۔نیز عبدالرحمٰن بن معقل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ ہم بنی مقرن کے دس لوگ تھے، ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔(لباب النقول)

سوال2:﴿ **وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ** ﴾''اور جو بھی وہ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربتوں اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں''بدویوں میں سے کچھ لوگ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی قربت کیسے حاصل کر لیتے ہیں اور اسے رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ کیسے بنا لیتے ہیں؟

جواب:(1)﴿ **وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ** ﴾''اور جو بھی وہ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربتوں کا ذریعہ سمجھتے ہیں'' بدویوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے صدقے پر ثواب کی امید رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اس کے قرب کے قصد سے صدقہ دیتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1089/2)(2)جو لوگ انسانوں کے خوف کی بجائے اللہ تعالیٰ پر یقین اور آخرت کے دن اجر پانے کی امید سے خرچ کرتے ہیں وہ اس مال سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتے ہیں۔(3)﴿ **وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ** ﴾''اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ'' جو لوگ دنیا کا نفع ونقصان سامنے رکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشی کی خاطر خرچ کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعائیں کرتے

ہیں اور ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کر لیتے ہیں ۔(4) وہ صدقہ کو اپنے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں اور برکت کا وسیلہ بناتے ہیں ۔(5) سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی قوم اپنی زکوٰۃ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے ۔اے اللہ! آل فلاں کو خیر و برکت عطا فرما، میرے والد بھی اپنی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! آل ابی اوفیٰ کو خیر و برکت عطا فرما۔(صحیح بخاری:1497)(5) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ﴾اور آپ ان کے لیے دعا کریں۔(التوبہ:103)

سوال3: رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دعا کس چیز کی ضمانت ہے؟

جواب: رسول ﷺ کی طرف سے دعا بندے کے ایمان، رضائے الٰہی کی طلب اور خلوص کی گارنٹی ہے۔

سوال4: ﴿ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ﴾ ''سن لو! یقیناً وہ ان کے لیے قرب کا ذریعہ ہے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ﴾ ''سن لو! یقیناً وہ ان کے لیے قرب کا ذریعہ ہے'' یعنی یہ صدقات اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہیں۔ صدقات سے ان کا مال بڑھتا ہے اور اس میں برکت نازل ہوتی ہے۔(تفسیر سعدی:1089/2)(2)﴿ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ﴾ ''عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا'' ان کے لیے جنت میں داخلے کی خوش خبری ہے۔(ایسر التفاسیر:578)(3) رب العزت نے فرمایا:﴿ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴾ ان کا رب انہیں اپنی جانب سے رحمت اور رضا مندی اور جنتوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔(التوبہ:21)

سوال5: ﴿ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ خرچ بھی قبول کرتا ہے اور جو غلطیاں ہو جائیں انہیں معاف کرتا ہے۔(2) جو کوئی توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بڑے بڑے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ وہ اپنی رحمت کو اپنے بندوں پر عام کرتا ہے، اس کی بے پایاں رحمت ہر چیز پر سایہ کناں ہے۔ وہ اپنے مومن بندوں کو ایسی رحمت کے لئے مخصوص کرتا ہے جس کے تحت وہ ان کو نیکیوں کی توفیق عطا کرتا ہے اور انہیں اپنے احکام کی خلاف ورزی سے محفوظ رکھتا ہے اور انہیں مختلف انواع کے ثواب عطا کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:1089,1090/2)

سوال 2: اس آیت سے کیا اسباق ملتے ہیں؟

جواب: (1) اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ بدوی لوگ شہروں میں رہنے والے لوگوں کی مانند ہیں ان میں قابل ستائش لوگ بھی ہیں اور قابل مذمت بھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بدویوں کی محض اس بنا پر مذمت نہیں فرمائی کہ وہ صحراؤں میں رہنے والے ہیں، بلکہ ان کی مذمت اس سبب کی بنا پر کی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کر دیا اور اوامر و منہیات کی عدم تعمیل کی ان سے زیادہ توقع ہوتی ہے۔

(2) کفر اور نفاق کم یا زیادہ اور حسب احوال سخت یا نرم ہوتا رہتا ہے۔(3) یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ علم کو فضیلت حاصل ہے۔علم سے محروم شخص، اس شخص کی نسبت شر کے زیادہ قریب ہے جو علم رکھتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اعراب کی مذمت کرتے ہوئے آگاہ فرمایا کہ وہ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر بھی کیا ہے جو اس درشتی کا موجب ہے۔ان سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ان حدود سے ناواقف ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہیں۔(4) علم نافع، جو سب سے زیادہ نفع مند علم ہے، دین کے اصول وفروع کی حدود کی معرفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہیں، مثلاً حدود ایمان، حدود اسلام، حدود احسان، تقویٰ، فلاح، اطاعت، نیکی، صلہ رحمی، بھلائی، کفر، نفاق، فسق وفجور، نافرمانی، زنا، شراب نوشی اور سود خوری وغیرہ کی حدود۔ان حدود کی معرفت کے بعد ہی عارف ان حدود پر عمل پیرا ہوسکتا ہے جن پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا حرام ہونے کی صورت میں ترک کرنے پر قادر ہوسکتا ہے۔(5) بندہ مومن کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ شرح صدر اور اطمینان قلب کے ساتھ ان حقوق کو ادا کرے جو اس کے ذمے عائد کیے گئے ہیں اور ہمیشہ فائدہ حاصل کرنے میں کوشاں رہے اور نقصان سے بچتا رہے۔(تفسیر سعدی:1089,1090/2)

رکوع نمبر:2

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ(100)﴾

’’اور مہاجرین اور انصار میں سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے حسن وخوبی سے ان کی اتباع کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘(100)

سوال1: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ ’’اور مہاجرین اور انصار میں سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے حسن وخوبی سے ان کی اتباع کی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾ ’’اور سب سے پہلے سبقت کرنے والے‘‘ سابقون اولین سے مراد غزوۂ بدر تک کے مسلمان ہیں۔(تیسیر القرآن:249/2)(2) اس سے مراد اس امت کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایمان، ہجرت، جہاد اور اقامت دین میں سبقت کی۔(تفسیر سعدی:1090/2)(3) ﴿مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ یعنی وہ لوگ جن کو ان کے گھروں اور مال متاع سے بے دخل کرکے نکال دیا گیا، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رضا کی تلاش میں رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔یہی درحقیقت سچے لوگ ہیں۔(تفسیر سعدی:1090/2)(4) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی زمین، اپنا مال، اپنا گھر بار، اپنا سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لئے دارالاسلام میں

آجائیں ۔(5)﴿ وَالْاَنْصَارِ ﴾ابو منصور بغدادی کا قول ہے کہ ہمارے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ سب سے افضل خلفائے اربعہ ہیں ۔پھر غزوہ بدر میں شریک ہونے والے، پھر احد میں شریک ہونے والے پھر مقام حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے جسے ''بیعت الرضوان'' کہا جاتا ہے۔اور''جو لوگ ان کے بعد آئے'' سے مراد تمام متاخرین صحابہ، تابعین اور وہ تمام لوگ ہیں جو قیامت تک اقوال وافعال میں سابقین اولین کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔(تیسیر الرحمٰن:588/1)اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مہاجرین سے پہلے، ہجرت کے گھر (یعنی مدینہ منورہ)اور ایمان میں جگہ پکڑی، جو کوئی ہجرت کر کے ان کے پاس جاتا ہے، یہ اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو عطا کیا گیا ہے وہ اس کے متعلق دل میں کوئی خلش نہیں پاتے اور مہاجرین کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی کیوں نہ ہو۔(تفسیر سعدی:1090/2)(6)جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑنے والوں کے مددگار بن جائیں انہیں انصار کہتے ہیں ۔(7)﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ﴾ جنہوں نے عقائد، اقوال اور اعمال میں ان مہاجرین وانصار کی پیروی کی، یہی وہ لوگ ہیں جو مذمت سے بچے ہوئے ہیں، جنہیں مدح کا بلند ترین درجہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرامت کا افضل ترین مقام حاصل ہے۔(تفسیر سعدی:1090/2)

سوال 2: مدینہ مین کون سے طبقات تھے جو دعوت اسلامی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے؟

جواب:(1)سابقون الاولون مہاجرین۔(2)سابقون الاولون انصار۔(3)وہ لوگ جو خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے تھے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے لئے مہاجر کیسے بنا جا سکتا ہے؟

جواب: مومن جب ایک اللہ تعالیٰ کے لئے یکسو ہو جاتا ہے تو دنیا کے سہارے چھوٹ جاتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ کے لئے یکسوئی انسان کو ہر چیز سے بے نیاز کر دیتی ہے اس کے لئے کچھ بھی چھوڑنا مشکل نہیں رہ جاتا۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کے لئے مددگار (انصار) کیسے بنا جا سکتا ہے؟

جواب: جب انسان کے پاس وسائل ہوں اور وہ اپنے وسائل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے لئے محروم ہونے والوں کی محرومی کو دور کر دے۔ان کے لئے معاشی اور معاشرتی سہارا بن جائے تو اللہ تعالیٰ کے لئے مددگار بن جاتا ہے۔

سوال 5: تعمیر اسلام اور اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں مہاجرین اور انصار میں سے سابقون الاولون نے کیا کردار ادا کیا تھا؟

جواب: سابقون الاولون مضبوط کردار کے لوگ تھے۔ان کی وجہ سے مدینہ کے معاشرے کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ان کی وجہ سے اتحاد اور اتفاق پیدا ہوا۔ان کی وجہ سے انتشار پر قابو پالیا جاتا تھا۔سابقون کی وجہ سے نئے افراد ان کے نقش قدم پر چلنا شروع ہو گئے۔

سوال 6: ﴿ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے ہیں'' کسی مومن کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیسے ملتی ہے؟

جواب: (1)﴿ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ ﴾ اللہ تعالیٰ ان سب کے ایمان اور اعمال صالح کی وجہ سے ان سے راضی ہوگیا۔(ایسر التفاسیر:577)(2)اللہ تعالیٰ کی رضا جنت کی نعمتوں سے بھی بڑی ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا مندی سب سے بڑی ہے۔(التوبہ:72)(3)مومن کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی یا تو مہاجر بن کر ملتی ہے یا مہاجروں کے لئے مدد گار بن کر یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر کے۔(4) سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائے گا: اے جنت والو! جنتی عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں اور نیک بختی اور بھلائی تیرے ہی قبضے میں ہے۔پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں ان نعمتوں سے بھی بڑھ کر اور نعمت عطا نہ کروں۔جنتی عرض کریں گے: اے پروردگار! ان نعمتوں سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی؟ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم سے اپنی رضا اور خوشی کا اعلان کرتا ہوں اب اس کے بعد سے میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔''
(مسلم:6549)(5)﴿ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ﴾ اللہ تعالیٰ کے انعام وتکریم کو پا کر وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔(ایسر التفاسیر:577)

سوال7: اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو محروم کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کو محرومی سے بچاتے ہیں، کیوں اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)اللہ تعالیٰ کچھ انسانوں کو اس لئے محروم کرتے ہیں تا کہ ان کے اندر رجوع الی اللہ کا جذبہ ابھرے۔(2)اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو محرومی سے اس لئے بچاتا ہے تا کہ وہ ان لوگوں کی مدد کریں جنہیں اللہ تعالیٰ محروم کر دیتا ہے۔

سوال8: اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے راضی ہوتا ہے؟

جواب: (1)اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مطمئن ہو جاتے ہیں، جو اس کے فیصلوں پر راضی ہوتے ہیں، جو اس کے فیصلوں کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں، جو آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں۔(2)اللہ تعالیٰ کی رضا کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کی طرف سے اجر اور ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بڑا انعام ہے۔(3)اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے۔

سوال9: مومن اللہ تعالیٰ سے کیسے راضی ہوتے ہیں؟

جواب: (1)اللہ تعالیٰ مومن کو جن حالات میں رکھے اس کو وہ سب کچھ چھوڑ کر بھی دین اختیار کرنا پڑے تو وہ ثابت قدم رہے۔(2)جب مومن سے دین کا تقاضا یہ ہو کہ وہ اپنے مال اور اثاثے میں اپنے دینی ساتھیوں کو شریک کرے تو وہ اس پر راضی ہو جائے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتے ہیں اور جنت کے باغوں میں جگہ پاتے ہیں۔

سوال10: ﴿ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی

ہیں'' اللہ تعالیٰ نے ایمان، ہجرت، جہاد اور اقامت دین میں سبقت لے جانے والوں کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جو جنت کے باغات کو سیراب کرتی ہیں۔(2) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ '' وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں''یعنی وہ جنت سے کسی اور مقام پر نہ جانا چاہیں گے نہ اس کو بدلنا چاہیں گے کیونکہ جنت میں جو چاہیں گے پائیں گے۔

سوال 11: ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ '' یہی بہت بڑی کامیابی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) جہاں انہیں ان کے نفس کی ہر محبوب چیز، روح کی لذت، دلوں کی نعمت، اور بدن کی شہوت حاصل ہوگی اور بچنے کے قابل ہر چیز کو ان سے دور رکھا جائے گا۔(تفسیر سعدی:1091/2) (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں ایک ایسی تجارت کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو، اگر تم جانتے ہو تو تمہارے لیے یہ بہت بہتر ہے۔ وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ابدی جنت کے پاکیزہ گھروں میں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور دوسری جو تم پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح ہے اور مومنوں کو خوش خبری دے دو۔ (الصف:13-10) (3) ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَيِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ چنانچہ ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کردیئے گئے تو یقیناً میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور یقیناً میں ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین بدلہ ہے۔(آل عمران:195)

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ړ وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِيْنَةِ ڀ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُھُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ ۭ سَنُعَذِّبُھُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ (101)﴾

'' اور تمہارے گرد وپیش دیہاتیوں میں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں سے نفاق پر جم گئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے ہم ہی انہیں جانتے ہیں، عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کے لئے واپس لائے جائیں گے۔'' (101)

سوال 1: ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِيْنَةِ ڀ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ﴾ '' اور تمہارے گرد وپیش دیہاتیوں میں سے کچھ

منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں سے نفاق پر جم گئے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اور تمہارے گردو پیش دیہاتیوں میں سے کچھ منافق ہیں یعنی مدینہ اور اس کے اردگرد منافق موجود ہیں۔(2) منافق وہ شخص ہے جو اپنے اسلام کا زبان سے دعویٰ کرے مگر جب ہجرت اور محروم ہونے والوں کی مدد کر کے دین داری کا ثبوت دینا پڑے تو اس کے لئے خود کو راضی نہ کر سکے۔(3)﴿ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ﴾ جو نفاق پر جم گئے ہیں اور اس میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

سوال 2: مدینہ میں رہنے اور نبی ﷺ کی مجالس میں شرکت کرنے کے باوجود وہ نفاق پر کیسے جمے رہے؟

جواب: ابن زید کہتے ہیں کہ وہ لوگ جم گئے تھے یعنی اس پر قائم تھے۔ وہ نفاق کو پہچان کر اس پر قائم تھے انہوں نے دوسروں کی طرح توبہ نہ کی۔

سوال 2:﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ﴾'' آپ ان کو نہیں جانتے ہم ہی انہیں جانتے ہیں عنقریب ہم انہیں دومرتبہ عذاب دیں گے'' اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو نفاق سے بچانے کے لئے کیا تنبیہ کی؟

جواب:(1)﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ ﴾'' آپ ان کو نہیں جانتے'' آپ ﷺ ان کے نفاق کو نہیں جانتے کہ آپ ﷺ انہیں سزا دے سکیں۔(2) ﴿ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾'' ہم ہی انہیں جانتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کے رازوں سے واقف نہیں کیونکہ وہ نفاق میں مہارت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے باطن میں کفر چھپانے کا شدت سے اہتمام کرتے ہیں اور اخلاص کا اظہار کرتے ہیں۔(تفسیر قاسمی:304/8)(3) منافق اللہ تعالیٰ سے بچ نہیں سکتے، ان کی مکاریاں اور شاطرانہ چالیں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کارگر نہیں ہو سکیں گے۔(4) رب العزت نے فرمایا:﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴾ یا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ خیال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کینوں کو ہرگز باہر نہیں نکالے گا؟ اور اگر ہم چاہیں تو ضرور آپ کو وہ سب دکھادیں پھر ان کے چہرے کی علامات سے آپ انہیں ضرور پہچان لیتے اور آپ انہی کے انداز کلام سے ضرور انہیں پہچان جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو جانتا ہے۔(محمد:29,30)(5)﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ﴾'' عنقریب ہم انہیں دومرتبہ عذاب دیں گے'' دنیا میں اہل ایمان کی فتح ونصرت سے ان کو جو غم وہموم اور سخت ناگواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ دنیا کا عذاب ہے اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ہم ان کو نہایت سخت عذاب دیں گے، ان کو دوگنا عذاب دیں گے اور بار بار عذاب دیں گے۔(تفسیر سعدی:1091/2)

سوال 3:﴿ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴾'' پھر وہ بڑے عذاب کے لئے واپس لائے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)'' پھر وہ بڑے عذاب کے لئے واپس لائے جائیں گے'' یعنی جہنم کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ بڑا ہے۔(تفسیر سمرقندی: 87/2)(2) پھر انہیں آگ کے سب سے نچلے درجے میں عذاب دیا جائے گا۔(غرائب القرآن:525/3)

﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (102) ﴾

”اور کچھ دوسرے بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے اور انہوں نے کچھ اچھے اور دوسرے کچھ برے عمل ملا دیے ہیں، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہو جائے یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ (102)

سوال1: یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؟

جواب: یہ آیت غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہیں اپنے رویے پر سخت شرمندگی ہوئی کہ وہ سکون سے رہے اور رسول اللہ ﷺ نے جہاد کی تکالیف برداشت کیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھا کہ ہم اس وقت تک خود کو نہیں کھولیں گے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ نہ کھولیں اور ہمارا عذر قبول نہ کریں یہ ابولبابہ اور ان کے ساتھی تھے۔

سوال 2: ﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ﴾ ”اور کچھ دوسرے بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے اور انہوں نے کچھ اچھے اور دوسرے کچھ برے عمل ملا دیے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاٰخَرُوْنَ ﴾ ”اور دوسرے لوگ“ یعنی مدینہ اور اس کے اردگرد کے نہیں، دوسرے لوگ۔ (2) ﴿ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ ”جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے“ وہ لوگ جنہیں اپنے گناہوں پر ندامت ہوئی پھر انہوں نے توبہ کی اور گناہوں سے پاک ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ (3) ﴿ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ﴾ ”اور انہوں نے کچھ اچھے اور دوسرے کچھ برے عمل ملا دیے ہیں“ انہوں نے حرام کاموں کا ارتکاب کیا یا واجبات میں کمی کی تو نیک اعمال کے ساتھ اپنی ان برائیوں کو ملا لیا۔ (4) سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: رات (خواب میں) میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھے اٹھا کر ایک شہر میں لے گئے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ وہاں ہمیں ایسے لوگ ملے جن کا آدھا بدن نہایت خوب صورت، اتنا کہ کسی دیکھنے والے نے ایسا حسن نہ دیکھا ہوگا اور بدن کا دوسرا آدھا حصہ نہایت بدصورت تھا، اتنا کسی نے بھی ایسی بدصورتی نہیں دیکھی ہوگی، دونوں فرشتوں نے ان لوگوں سے کہا جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔ وہ گئے اور نہر میں غوطہ لگا آئے۔ جب وہ ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور اب وہ نہایت خوب صورت نظر آتے تھے پھر فرشتوں نے مجھ سے کہا کہ یہ ”جنت عدن“ ہے اور آپ کا مکان یہیں ہے۔ جن لوگوں کو ابھی آپ ﷺ نے دیکھا کہ جسم کا آدھا حصہ خوب صورت تھا اور آدھا بدصورت، تو یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا میں اچھے اور برے سب کام کیے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔ (بخاری: 4674)

سوال3: کون لوگ اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیتے ہیں؟

جواب: (1) جن کی طبیعت میں بدی نہیں ہوتی۔ وہ عام طور پر نیک اعمال کرتے رہتے ہیں لیکن جب ان کے سامنے دین کا کوئی ایسا مطالبہ آتا ہے جس میں اپنے بنے بنائے طریقہ زندگی کو چھوڑ کر دین دار بننے کی ضرورت ہو تو وہ اپنا وقت، اپنی زندگی اور اپنا مال دین کے لیے اس طرح نہیں لگا سکتے جس طرح انہیں دینا چاہیے۔ (2) دنیا میں مشغولیت اور قوت فیصلہ کی کمزوری دین کے راستے میں اپنا حصہ ڈالنے کے راستے میں

رکاوٹ بن جاتی ہے۔(3)ایسے لوگ یاددہانی کے بعد اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے ہیں اوراحساس ندامت کے ساتھ دین کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

سوال4: گناہ کرنے کے بعد انسان کس پوزیشن میں آجاتا ہے؟

جواب: انسان کے پاس گناہ کے بعد دوراستے ہوتے ہیں۔(1)یا تو گناہ کا اعتراف کرلے۔(2)یا ڈھٹائی کا مظاہرہ کرے۔

سوال5: اعتراف گناہ کس چیز کا پتہ دیتا ہے؟

جواب: (1)دل کی زندگی کا۔(2)ایمان کے احساس کا۔

سوال6: انسان گناہ کے بعد ڈھٹائی کا مظاہرہ کیسے کرتا ہے؟

جواب: انسان گناہ کر کے تاویلیں ڈھونڈنے لگ جاتا ہے اور برباد ہوجاتا ہے۔

سوال7: گناہ کا اعتراف کرنے والے کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

جواب: (1) گناہ کا اعتراف کرنے والا اپنی اصلاح کرلیتا ہے۔(2) گناہ کا اعتراف کر کے انسان کے اندر تواضع پیدا ہوتی ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔وہ اپنی اصلاح کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔یوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک معافی کے قابل بن جاتا ہے۔

سوال8: اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی اصل برائی کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل برائی گناہ نہیں، گناہ پر اصرار کرنا ہے۔

سوال9: گناہ پر ڈھٹائی کا طریقہ اختیار کرنے سے انسان کو کیا نقصان ہوتا ہے؟

جواب: (1) گناہ پر ڈھٹائی سے انسان اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔(2)انسان اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے جھوٹی تاویلیں گھڑتا ہے۔(3)انسان ایک گناہ کو نبھانے کے لیے بہت سے گناہ کرتا ہے۔(4)وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔(5)وہ جھوٹا بن جاتا ہے، جھوٹ پر مطمئن ہوجاتا ہے اور منافق بن جاتا ہے۔

سوال10: ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ ’’ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوجائے یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1)﴿ عَسَى اللّٰهُ ﴾ کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کام لازماً ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ امیدوں کو پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔(2)﴿ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ﴾ ’’کہ اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوجائے‘‘ اللہ تعالیٰ بندے کو توبہ کی توفیق دیتا ہے پھر توبہ قبول کرتا ہے۔(3)﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی وجہ سے جہان قائم ہیں۔کوئی مخلوق اس کی مغفرت اور رحمت سے باہر نہیں۔(4)سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے

فرمایا' رات (خواب میں) میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھے اٹھا کر ایک شہر میں لے گئے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ وہاں ہمیں ایسے لوگ ملے جن کا آدھا بدن نہایت خوبصورت' اتنا کہ کسی دیکھنے والے نے ایسا حسن نہ دیکھا ہوگا اور بدن کا دوسرا آدھا حصہ نہایت بدصورت تھا' اتنا کسی نے بھی ایسی بدصورتی نہیں دیکھی ہوگی' دونوں فرشتوں نے ان لوگوں سے کہا جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔ وہ گئے اور نہر میں غوطہ لگا آئے۔ جب وہ ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور اب وہ نہایت خوبصورت نظر آتے تھے پھر فرشتوں نے مجھ سے کہا کہ یہ ''جنت عدن'' ہے اور آپ کا مکان یہیں ہے۔ جن لوگوں کو ابھی آپ نے دیکھا کہ جسم کا آدھا حصہ خوبصورت تھا اور آدھا بدصورت' تو یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا میں اچھے اور برے سب کام کئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کردیا تھا۔ (بخاری:4674) (5) اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑ لے تو زمین پر کوئی جان دار نہیں بچے گا لیکن اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ دونوں ٹل نہ جائیں اور اگر وہ دونوں ٹل جائیں تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سوا ان دونوں کو کوئی تھام نہیں سکتا، یقیناً وہ ہمیشہ سے نہایت بردبار، بے حد بخشنے والا ہے۔ (فاطر:41) (6) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جس بندے کی نیکیاں اور گناہ ملے جلے ہوں، وہ اپنے گناہوں کا معترف اور ان پر نادم ہو اور اس نے خالص توبہ کی ہو، وہ خوف و رجاء کے مابین ہوتا ہے وہ سلامتی کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور وہ بندہ جس کی نیکیاں اور گناہ خلط ملط ہوں مگر وہ اپنے گناہوں کا معترف ہو نہ ان پر نادم ہو بلکہ وہ ان گناہوں کے ارتکاب پر مصر ہو، تو اس کے بارے میں سخت خوف ہے۔ (تفسیر سعدی:1093/2)

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (103) ﴾

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے لیں اس کے ساتھ آپ انہیں صاف کریں گے اور ان کو پاک کریں گے اور آپ ان کے لیے دعا کریں، یقیناً آپ کی دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (103)

سوال 1: ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ﴾ ''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے لیں۔ اس کے ساتھ آپ انہیں صاف کریں گے اور ان کو پاک کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ﴾ ''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے لیں'' اس سے مراد فرض زکوٰۃ ہے۔ (تفسیر سعدی: 1093/2) (2) آیت عام ہے اور رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے کہ آپ ﷺ ان کے مال کی زکوٰۃ لے کر انہیں پاک صاف فرمائیں اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائیں۔ (3) ﴿ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ﴾ ''اس کے ساتھ آپ انہیں صاف کریں گے اور ان کو پاک کریں گے'' ﴿ تُطَهِّرُهُمْ ﴾ اس کے ساتھ آپ انہیں صاف کریں گے'' آپ ﷺ انہیں گناہوں سے اور برے اخلاق سے پاک کریں۔ رسول اللہ

ﷺ کوتلقین کی گئی کہ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے کرانہیں پاک کرو۔ان کے دل کا بوجھ ہلکا کرواوران کا نفسیاتی سہارا بن جاؤ۔ (4)﴿ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ﴾''اوراس کے ساتھ ان کو پاک کریں گے''یعنی ان کے نیک اعمال،اچھے اخلاق اورثواب میں اضافہ کریں۔(5) روحانی پاکیزگی کے لیے مالی صدقہ اہم کرداراداکرتا ہے۔(6)اس آیت میں دلیل ہے کہ انسان اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیے بغیر پاک نہیں ہو سکتا کیونکہ زکوٰۃ تطہیراور پاکیزگی ہے۔

سوال 2:﴿ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ﴾''اورآپ ﷺ ان کے لیے دعا کریں۔یقیناً آپ کی دعاان کے لیے وجہ تسکین ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ﴾''اورآپ ان کے لیے دعا کریں''اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کوحکم دیا کہ آپ ﷺ ان کے لیے دعا کریں۔ (2)جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس زکوٰۃ لے کرآتے تو آپ ﷺ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے۔(3)ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس ابواوفیٰ رضی اللہ عنہ زکوٰۃ لائے آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ!ابواوفیٰ کے گھر والوں پر رحمت بھیج۔(مختصرابن کثیر:756/1)(4)نبی ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص صدقہ(فرض زکوٰۃ یا نفلی صدقہ)لے کرحاضر ہوتا تواس کے لئے دعا فرماتے،اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ فُلَانٍ کہ اے اللہ!فلاں کے گھر والوں پراپنی رحمت نازل فرما۔(بخاری ومسلم)(5)﴿ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ﴾''یقیناً آپ کی دعاان کے لیے وجہ تسکین ہے''آپ کی دعائیں ایمان والوں کے لیے رحمت اور برکت ہیں۔آپ ﷺ کی دعائیں ایمان والوں کے لیے باعث اطمینان ہیں۔(6)اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام یااس کے نائب کا زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے برکت کی دعا کرنا مستحب ہے اور مناسب یہ ہے کہ امام بآواز بلند دعا کرے،تا کہ اس سے زکوٰۃ ادا کرنے والے کوسکون قلب حاصل ہو۔(تفسیر سعدی:1094,1093/2)

سوال3:﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾''اوراللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا،سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ ﴾''اوراللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہے''اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی دعاؤں کو سننے والا ہے۔(2)﴿ عَلِيْمٌ ﴾اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آپ ﷺ کی دعاؤں کا حق دار کون ہے۔

﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ(104) ﴾

''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اوروہی صدقات قبول کرتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا،نہایت رحم والا ہے۔''(104)

سوال1:﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ﴾''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اوروہی صدقات قبول کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا** ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی وسیع رحمت کے بارے میں سوال کیا ہے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو نہیں جانتے ۔(2)﴿ **اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ** ﴾'' کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے اوراس سے خوش ہوتا ہے۔یقیناً توبہ قبول کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔(3)رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿ **وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ** ﴾ اور وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتا ہے۔(الشوریٰ:25)(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے روایت کی کہ ایک بندہ گناہ کر بیٹھا تو کہا کہ اے اللہ! میرا گناہ بخش دے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا، پھر اس نے جان لیا کہ اس کا ایک مالک ہے، جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے۔پھر اس نے گناہ کیا اور کہا کہ اے میرے مالک میرا گناہ بخش دے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے ایک گناہ کیا اور اس نے جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے، جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے۔پھر اس نے گناہ کیا اور کہا کہ اے میرے پالنے والے! میرا گناہ بخش دے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا اور اس نے یہ جان لیا کہ اس کا ایک اللہ ہے، جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے۔اے بندے! اب تو جو چاہے عمل کر، میں نے تجھے بخش دیا۔(حدیث کے راوی)عبدالاعلیٰ نے کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ یہ'' اب جو چاہے عمل کر'' تیسری بار فرمایا یا چوتھی بار۔(بخاری: 7507)(5)﴿ **وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ** ﴾'' اور وہی صدقات قبول کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے صدقات قبول کرتا ہے اور ان کو دائیں ہاتھ سے لیتا ہے اور ان کے صدقات کو اس طرح بڑھاتا رہتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بچھیرے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ صدقہ میں دیا گیا کھجور کا ایک دانہ بڑے پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے اور اس صدقہ کا کیا حال ہوگا جو کھجور کے دانے سے بہت بڑا، تعداد میں بہت زیادہ ہو۔(تفسیر سعدی:1094/2)(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال کمائی کے صدقہ کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے، پھر صدقہ کرنے والے کے فائدے کے لیے اس کو بڑھاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی اپنے جانور کے بچے کو کھلا پلا کر بڑھاتا ہے یہاں تک کہ اس کا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔''(بخاری:1410)

سوال 2:﴿ **وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ** ﴾'' اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ** ﴾'' اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے'' یعنی وہ توبہ کرنے والوں کی بہت کثرت سے توبہ قبول کرتا ہے۔جو کوئی بھی توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے خواہ وہ بار بار گناہ کا ارتکاب کیوں نہ کرتا ہو۔اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے سے اس وقت تک تنگ نہیں آتا جب تک کہ بندے توبہ کرنے سے تنگ نہ آ جائیں اور اس کے دروازے سے بھاگ کر اس کے دشمن کو دوست نہ بنا لیں۔(2)﴿ **الرَّحِیْمُ** ﴾ جس کی بے پایاں رحمت ہر چیز پر سایہ کناں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے

حقیقی بندوں کے لیے لکھ دیا ہے جو زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:1094/2) (3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴾ اور بلاشبہ جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پھر سیدھی راہ پر چلا، تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں۔ (طٰہٰ:82) (4) ﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ وہ ایسے لوگ ہیں جب کوئی برائی کربیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کربیٹھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کرسکتا ہے؟ اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔ (آل عمران:135)

﴿ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (105) ﴾

''اور آپ کہہ دیں تم عمل کرو پھر عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور تمام اہل ایمان تمہارا عمل دیکھیں گے اور تم جلد ہی اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے، چنانچہ وہ تمہیں بتا دے گا جو تم عمل کیا کرتے تھے۔'' (105)

سوال1: ﴿ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ ''اور آپ کہہ دیں تم عمل کرو پھر عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور تمام اہل ایمان تمہارا عمل دیکھیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقُلِ ﴾ ''اور آپ کہہ دیں'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ منافقوں سے کہہ دو۔ (2) ﴿ اعْمَلُوا ﴾ ''تم عمل کرو'' جو اعمال تم کرنا چاہتے ہو کرو لیکن یہ نہ سمجھنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کچھ چھپا سکو گے۔ (3) ﴿ فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ﴾ ''پھر عنقریب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور تمام اہل ایمان تمہارا عمل دیکھیں گے'' اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور مومن تمہارے اعمال دیکھیں گے یعنی تمہارے اعمال ظاہر ہو کر رہیں گے۔ (4) اس آیت میں وعید اور ڈراوا ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں کے سامنے لامحالہ قیامت کے دن پیش ہوں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴾ اس دن تم پیش کیے جاؤ گے، تم سے کوئی چھپی ہوئی چیز چھپی نہ رہ جائے گی۔ (الحاقۃ:18) (تفسیر منیر:32/6) (5) آخرت کے فیصلے صرف ظاہری عمل کی بنیاد پر نہیں ہوں گے۔ انسان کی نیت اور ارادے کے ساتھ اس کے اعمال دیکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو اعمال دیکھتا ہے اسی لیے تو وہ آزمائش میں مبتلا کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے؟ (الملک:2) (6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ (مسلم) (7) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے

رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: ”بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر کسی کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے نیت کی۔ پھر جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہوئی کہ اسے حاصل کرے، یا عورت سے نکاح کے لیے، پھر اس کی ہجرت اسی طرف ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔“ (بخاری:1)(8)ام المومنین ام عبداللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک لشکر خانہ کعبہ پر چڑھائی کی غرض سے نکلے گا جب وہ بیداء (کسی چٹیل میدان) میں پہنچے گا تو اس کے اول و آخر سب دھنسا دیئے جائیں گے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ ان کے اول و آخر سب کو کیسے دھنسا دیا جائے گا جب کہ ان میں بازاری لوگ ہوں گے (یعنی حکام کے علاوہ عام افراد یا اہل سواق مراد ہیں یعنی منڈی کے لوگ اور مطلب ہے کہ وہ جنگ جو نہیں ہوں گے) اور وہ بھی ہوں گے جو ان میں سے نہیں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے اول و آخر سب دھنسا دیے جائیں گے پھر وہ اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔ (یعنی قیامت والے دن ان سے معاملہ ان کی نیتوں کے مطابق کیا جائے گا) (بخاری:2118)(9)﴿**وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ**﴾ ”اور تم جلد ہی اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ غیب وہ ہے جو وہ اپنے اعمال میں سے چھپاتے ہیں اور شہادہ وہ ہے جو اپنے اعمال میں سے وہ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿**یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ**﴾ وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ (البقرہ:77)(10)اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لیے وعید ہے جو اپنے باطل، سرکشی اور گمراہی پر مصر ہے۔ (تفسیر سعدی:1095/2)(11)﴿**فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴾ ”چنانچہ وہ تمہیں بتادے گا جو تم عمل کیا کرتے تھے“ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ تمہارے اچھے، برے سارے اعمال کو جانتا ہے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ہر شخص کے دن کے عمل رات سے پہلے اور رات کے عمل دن سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ملاحظہ میں ملائکہ پہنچا دیتے ہیں۔ (مسلم:99/1)اس عمل کے بارے میں وہ اپنے رسول اور مومنوں کو بھی بتا دے گا خواہ اسے کتنا ہی چھپایا گیا ہو۔

﴿**وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ**(106)﴾

”اور کچھ دوسرے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے لئے انتظار میں رکھے گئے ہیں، یا وہ انہیں عذاب دے گا یا وہ ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“(106)

سوال 1: ﴿**وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ**﴾ ”اور کچھ دوسرے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے لئے انتظار میں رکھے گئے ہیں یا وہ انہیں عذاب دے گا یا وہ ان کی توبہ قبول کرے گا“ کن لوگوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر ٹھہرا ہوا تھا؟

جواب: (1)﴿**وَاٰخَرُوْنَ**﴾ اور کچھ دوسرے لوگ سے مراد، غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والے لوگ ہیں جنہوں نے اس آیت کے نازل ہونے تک اپنے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد تھا۔ انہیں اپنے انجام کا خود بھی پتہ نہ تھا لوگوں کو بھی ان کے انجام کے

بارے میں کچھ پتہ نہ تھا۔(2)﴿ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ ﴾"جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے لئے انتظار میں رکھے گئے ہیں" جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ وابستہ ہے۔(3)﴿ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ﴾"یا وہ انہیں عذاب دے گا یا وہ ان کی توبہ قبول کرے گا" اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کرنے اور اپنے عمل پر نادم ہونے کی ترغیب دی ہے۔(تفسیر سعدی)(4) رب العزت کا فرمان ہے:﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جس کو وہ چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے وہ چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے بے حد بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔(الفتح:14)

سوال 2:﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾"اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا، اپنی ساری مخلوق کا علم رکھتا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ وہ تمام اشیاء کو ان کے لائق مقام پر رکھتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ وہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دے اور ان کو توبہ کی توفیق نہ دے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:1095/2)

﴿ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ(107) ﴾

"اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی ہے نقصان پہنچانے اور کفر کرنے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ پھیلانے کے لیے اور اس شخص کے لیے گھات کی جگہ بنانے کے لیے جس نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی اور بلاشبہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا کچھ ارادہ نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہی یقیناً جھوٹے ہیں۔"(107)

سوال 1:﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ﴾"اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی ہے نقصان پہنچانے اور کفر کرنے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ پھیلانے کے لیے اور اس شخص کے لیے گھات کی جگہ بنانے کے لیے جس نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ﴾"اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی ہے نقصان پہنچانے کے لیے" منافقوں نے مسجد قبا کے قریب ایک مسجد بنائی جس کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور ان کے درمیان پھوٹ ڈالنا تھا اور ضرورت پڑنے پر رسول اللہ ﷺ کے مخالفوں کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ مہیا کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ راز فاش کر دیا۔(2) تبوک سے واپسی پر جب مدینہ کی مسافت ایک دن کی رہ گئی تو سیدنا جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر تشریف لائے۔(3) آپ ﷺ نے مدینہ آنے سے پہلے مسجد کو گرانے کا حکم دے دیا۔(4) رب العزت نے اس آیت میں واضح فرمایا کہ کچھ لوگوں نے ایک مسجد بنائی ہے اہل ایمان اور اس مسجد(قبا) کو نقصان پہنچانے کے لیے جس میں

مسلمان جمع ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔(5)﴿ كُفْرًا ﴾''اور کفر کرنے کے لیے''اس مسجد کی تعمیر کا مقصد کفر تھا جب کہ مسجدیں ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر تعمیر کی جاتی ہیں۔(6)﴿ وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾''اور مومنوں کے درمیان تفرقہ پھیلانے کے لیے''اس مسجد کی تعمیر کا تیسرا مقصد اہل اسلام کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرنا تھا تا کہ وہ آپس میں تفرقے اور اختلاف کا شکار ہو جائیں۔(7)﴿ وَاِرْصَادًا ﴾''اور گھات کی جگہ بنانے کے لیے''مسجد ضرار کی تعمیر کا چوتھا مقصد گھات تیار کرنا تھا۔(8)﴿ لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ﴾''اس شخص کے لیے جس نے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی''یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والوں کی مدد کے لیے،جن کی جنگ پہلے سے جاری تھی اور دشمنی شدید تھی۔ان ہی میں ابو عامر راہب بھی تھا جس کی سازشیں اور دشمنی بڑی سخت تھی۔(9)ابوعامر راہب نے جاہلیت کے دور میں عیسائیت قبول کر لی تھی۔یہ اہل کتاب کے علوم سے واقف تھا۔اپنے قبیلے میں اس کی بڑی عزت تھی۔جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے آئے اور لوگ آپ ﷺ کے گرد اکھٹے ہو گئے اور بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب کر دیا تو ابو عامر حسد کی آگ میں جلنے لگا۔تب اس نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی دشمنی کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور مدینہ سے بھاگ کر قریش کے پاس پناہ لی اور قریش کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ پر آمادہ کرنے لگا۔چنانچہ انہوں نے احد کے دن عرب کے دوسرے قبائل کی مدد سے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ابو عامر نے دونوں لشکروں کے درمیان خفیہ خندقیں کھدائی تھیں جن میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے تھے۔ابو عامر نے جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ اس کے ساتھ مل جائیں۔جب انہوں نے اسے پہچان لیا تو کہا اے فاسق!اللہ تیرا بھلا نہ کرے تم اللہ تعالیٰ کے دشمن ہو۔اس پر اس نے کہا:افسوس!میرے بعد میری قوم اس بری طرح بدل گئی ہے۔ابو عامر کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی قرآن پڑھ کر سنایا تھا مگر اس نے انکار کر دیا نبی ﷺ نے اس کے مدینہ بھاگ جانے پر بددعا دی کہ یہ شخص پناہ گزیں کے طور پر غربت کی موت مرے اور اسے یہ بددعا لگ گئی۔جب لوگ احد کے صدمے سے فارغ ہوئے تو یہ ہرقل کے دربار میں جا پہنچا۔اس سے مدد طلب کی اس نے مدد دینے کا وعدہ کیا تو اس نے اپنی قوم کے منافقوں سے خط و کتابت شروع کر دی۔اس نے یقین دلایا کہ وہ جلد ہی بڑا لشکر لے کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف اٹھے گا اور یقیناً اس جنگ میں غالب رہے گا۔اس نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ اس کے لیے ایک مرکز بنالیں تا کہ میرے نمائندے اس مرکز میں رابطہ رکھیں پیغام لائیں اور لے جائیں اور جب وہ خود آئے تو یہ مرکز اس کے لیے پناہ گاہ ہو چنانچہ ان لوگوں نے مسجد قباء کے پاس ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔جب نبی ﷺ تبوک کے لیے نکلے تو لوگ یہ مسجد تیار کر چکے تھے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ مسجد کا افتتاح کریں۔ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی امامت سے اس مسجد کے لیے ایک ثبوت لے لیں۔ان کی مسجد بنانے کی دلیل یہ تھی کہ ہم میں سے مریض اور کمزور لوگوں کے لیے خصوصاً سردیوں کی راتوں میں مسجد نبوی میں جانا مشکل ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مسجد میں نماز پڑھنے سے بچا لیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اب میں سفر پر جا رہا ہوں واپسی پر ان شاء اللہ نماز پڑھوں گا۔جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آئے اور

سفر ایک دوروز کا رہ گیا تو سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو اس مسجد کے بارے میں بتایا کہ اس مسجد کی بنیاد کس جذبے پر رکھی گئی ہے، اس کی بنیاد کفر اور مسلمانوں میں تفرقے کے مقصد پر رکھی گئی ہے اور اس مسجد کے خلاف سازش ہے جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بھیجا کہ میرے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس مسجد کو ڈھا دیا جائے۔رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اس میں ہرگز نہ کھڑے ہوں۔اس مسجد کو جلا دیا گیا اور اس کی جگہ کوڑا ڈالنے کی جگہ بن گئی۔

سوال 2: کیا آج بھی اسلام کے دشمن مسجد ضرار بناتے ہیں؟

جواب: آج بھی اسلام کے دشمن جدید وسائل اور طور طریقوں کے مطابق مسجد ضرار جیسی تنظیمیں بناتے رہتے ہیں۔بظاہر کوئی فرد خالصتاً اسلام کے لیے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً یا تو وہ اسلام کی جڑیں کاٹنے کا کام کرتا ہے یا اسلام کی شکل بدلنے اور اسے لچک دار بنانے کا کام کرتا ہے۔ان مساجد ضرار پر دین کی خدمت کا بورڈ لگایا جاتا ہے۔یہ مختلف NGOS، جماعتوں،تحقیقاتی اداروں،کلبوں اور ایسی تنظیموں کی شکل میں ہوتی ہے جن سے لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کیے جاتے ہیں۔دین کی خدمت کی آڑ میں، دین کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔یہ لوگ کمزور ایمان کے لوگوں کو اپنا شکار بناتے ہیں جو آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ اسلام کا خاتمہ کیا جارہا ہے لیکن انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال3: ﴿ **وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّا الْحُسْنٰى** ﴾ ''اور بلاشبہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا کچھ ارادہ نہیں کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اس مسجد کی تعمیر کے برے مقاصد جن کو چھپایا گیا تھا ان کو واضح کرتے ہوئے رب العزت نے فرمایا ﴿ **وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَآ** ﴾ اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ انہوں نے ارادہ نہیں کیا یعنی مسجد ضرار تعمیر کرنے کا۔(2) ﴿ **إِلَّا الْحُسْنٰى** ﴾ مگر بھلائی کا یعنی نابینا، بزرگ اور کمزور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا ارادہ ہے۔

سوال4: ﴿ **وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہی یقیناً جھوٹے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف گواہی دی ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہوسکتا ہے! اور کس کی گواہی معتبر ہوسکتی ہے؟

﴿ لَا تَقُمْ فِيْهِ أَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (108) ﴾

''آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہونا، یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے مرد ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ بہت پاک رہیں، اور اللہ تعالیٰ بہت پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (108)

سوال 1: ﴿ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ﴾ ''آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہونا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ ﴿ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ﴾ ''آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہونا'' اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھیں جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے بنائی گئی ہے۔

سوال 2: ﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ﴾ ''یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں'' قبا میں اسی مسجد سے اسلام ظاہر ہوا، اس سے مراد مسجد قبا ہے جس کی بنیاد پہلے ہی دن تقویٰ، دین میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص، اس کے ذکر کی اقامت اور اس کے شعائر پر رکھی گئی ہے۔ یہ قدیم اور معروف مسجد تھی۔ (تفسیر سعدی: 1097/2) (2) ﴿ مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ ﴾ ''پہلے ہی دن سے'' یعنی اس دن سے جب آپ ﷺ دار الہجرت میں تشریف لائے اور وہ مسجد قبا ہے جیسا کہ بخاری کی روایت ہے۔ (تفسیر منیر: 42/6) (3) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے اس بات میں جھگڑا کیا کہ وہ کون سی مسجد ہے جس کی پہلے دن سے تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی تھی۔ ایک نے کہا وہ مسجد قبا ہے اور دوسرے نے کہا وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ یہی میری مسجد ہے۔'' (ترمذی: ابواب التفسیر) (4) ﴿ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ﴾ ''وہی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں'' مسجد قبا اس بات کا زیادہ حق رکھتی ہے کہ آپ ﷺ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کا ذکر کریں۔ (5) اسی حکم کی رو سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مسجد قبا میں نماز کا ثواب عمرے کے برابر ہے۔ (حدیث)

سوال 3: ﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ﴾ ''اس میں ایسے مرد ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ بہت پاک رہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) فِيْهِ رِجَالٌ اس میں ایسے لوگ ہیں اور وہ بنو عمرو بن عوف تھے۔ (ایسر التفاسیر: 580) (2) ﴿ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ﴾ ''جو پسند کرتے ہیں کہ وہ بہت پاک رہیں'' اہل قبا کی ثنا ہے کہ اس میں ایسے لوگ ہیں جو حسی اور معنوی نجاست سے پاک رہنا پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے استنجا میں پتھر اور پانی کو جمع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ثنا بیان فرمائی۔ (ایسر التفاسیر: 581) (3) یعنی گناہوں سے، میل کچیل، نجاستوں اور ناپاکی سے پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ جو کوئی کسی چیز کو پسند کرتا ہے وہ اس کے حصول کی سعی اور جدوجہد کرتا ہے، اس لئے یہ لابدی ہے کہ اہل قبا گناہ، میل کچیل اور حدث سے پاک رہنے کے بہت حریص تھے۔ اس لئے وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی، جو نماز قائم کرنے والے، رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کی حفاظت کرنے والے، اقامت دین کی کوشش کرنے والے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت سے بچنے والے تھے۔ جب اہل قبا کی مدح میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طہارت کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے عرض کی کہ وہ استنجا کرتے وقت پتھر کے بعد پانی استعمال

کرتے ہیں،تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر ان کی تعریف فرمائی۔(تفسیر سعدی:1098,1097/2:2)

سوال 4: ﴿ **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ** ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہت پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ بہت پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے''اللہ تعالیٰ حسی طہارت یعنی نجاست سے پاکیزگی اور معنوی طہارت یعنی برے اخلاق اور شرک سے باز رہنے کو پسند کرتا ہے۔

﴿ **اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ**(109) ﴾

''تو کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے خوف پر اور اس کی رضا پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی کھوکھلے تودے کے کنارے پر رکھی جو گرنے والا تھا چنانچہ وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر گیا اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''(109)

سوال 1: ﴿ **اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ** ﴾ ''تو کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے خوف پر اور اس کی رضا پر رکھی ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تو کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے خوف پر اور اس کی رضا پر رکھی ہو''اللہ رب العزت نے اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کی دیگر مساجد میں نماز پڑھنے والوں پر فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جو اپنے عمل میں اخلاص یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقصد اور اتباع یعنی نبی ﷺ کی پیروی کو جمع کرتا ہے۔(2)﴿ **عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ** ﴾''اللہ تعالیٰ کے خوف پر''یعنی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید اور عذاب کے خوف سے اس کی عبادت کرنا۔(3)﴿ **وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ** ﴾اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی زیادہ بہتر ہے۔(4)رب العزت نے فرمایا: ﴿ **وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا** ﴾اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں،اور امید میں بھی زیادہ اچھی ہیں۔(الکھف:46)

سوال 2: ﴿ **اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ** ﴾ ''یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی کھوکھلے تودے کے کنارے پر رکھی جو گرنے والا تھا چنانچہ وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کھوکھلے تودے کے کنارے پر رکھی جو گرنے والا تھا۔الشفا کہتے ہیں شفیر کو یعنی کنارہ اور الجرف زمین کو جو ندی نالوں کے بہاؤ سے کھد جاتی ہے۔ہار''گرنے والی''اسی سے ہے۔(بخاری کتاب التفسیر)(2)یعنی ایسے کنارے پر انہوں نے مسجد تعمیر کی جو منہدم ہونے والا ہے۔(3)﴿ **فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ** ﴾''چنانچہ وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر گیا''اگرچہ بظاہر تو وہ مسجد تعمیر کی جس کے عوض اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بناتے ہیں لیکن مسجد ضرار بنانے کے مقاصد ایسے ہیں جن کے ساتھ وہ جہنم میں جا گری۔(4)اس

آیت کریمہ میں مومن اور منافق کی نیت اور عمل میں جو بنیادی فرق ہے اسے بیان کیا گیا ہے۔مومن جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو اس کی نیت اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصول جنت ہوتی ہے،اس کے برعکس منافق کی نیت میں کھوٹ ہوتا ہے،اس لیے اس کی مثال اس آدمی کی ہوتی ہے جو مٹی کے کسی ایسے تودے پر مکان تعمیر کرے،جس کے نیچے سے وادی کا پانی گزرتا ہے،جس پر کوئی عمارت تعمیر کرلی جائے تو وہ فوراً گر پڑے گی۔ان منافقین کا مسجد بنانے کا عمل بھی ایسا ہی ہے جو انہیں جہنم میں ساتھ لے گرے گا۔(دعوۃ القرآن:2/631)

سوال3: اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے کی بنیاد پر جو شخص اپنی زندگی کی تعمیر کرتا ہے اس کی زندگی کیسی ہو جاتی ہے؟

جواب: (1) جو اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی رضا کی بنیاد پر زندگی کی تعمیر کرتا ہے اس کی ساری سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی رضا کے تحت چلتی ہیں۔(2) ایسا شخص ہر قول اور فعل کے بارے میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہ سمجھتا ہے۔(3) وہ اللہ تعالیٰ کو کھلے اور چھپے سے باخبر سمجھتا ہے اور اپنی تنہائیوں کو بھی ہر غلط کام کے سائے تک سے پاک رکھنے کی کوشش کرتا ہے ایسا شخص مضبوط چٹان پر اپنی عمارت کو تعمیر کرتا ہے۔

سوال4: جو شخص ظلم کی بنیاد پر اپنی زندگی کی تعمیر کرتا ہے اس کی زندگی کیسی ہو جاتی ہے؟

جواب: (1) جو شخص ظلم کی بنیاد پر زندگی تعمیر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو کھلے اور چھپے سے باخبر نہیں سمجھتا اور اس سے نہیں ڈرتا۔(2) وہ اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا کا خیال اپنے ذہن میں رکھ کر کام نہیں کرتا۔(3) ایسا شخص بے قید زندگی گزارتا ہے۔(4) ایسا شخص کوئی پابندی قبول نہیں کرتا جو چاہتا ہے بولتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔(5) ایسے شخص کی زندگی کی ڈور شیطان کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔اس کی مثال اس عمارت کی طرح ہے جو ایسی کھائی کے کنارے اٹھائی گئی ہو جو گرنے والی ہوا چانک کسی دن اس کی عمارت رہنے والوں سمیت کفر میں گر جاتی ہے۔

سوال5: ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں پر ہدایت حرام کردی ہے اس لیے انہوں نے دنیا اور آخرت کا خسارہ پایا ہے۔(ایسر التفاسیر:581)

﴿ لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ (110) ﴾

''ان کی عمارت جو انہوں نے بنائی ان کے دلوں میں ہمیشہ بے چینی کا باعث بنی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا،کمال حکمت والا ہے۔''(110)

سوال1: ﴿ لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ''ان کی عمارت جو انہوں نے بنائی ان کے دلوں میں ہمیشہ بے چینی کا باعث بنی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''ان کی عمارت جو انہوں نے بنائی ان کے دلوں میں ہمیشہ بے چینی کا باعث بنی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے

ہو جائیں‘‘یعنی ان کے نفوس میں شک اور اضطراب رہے گا۔(ایسر التفاسیر:581)(2)ریب سے مراد نفاق ہے۔(تفسیر کبیر)(3)﴿ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ﴾’’مگر یہ کہ ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں‘‘ سوائے اس کے کہ انتہائی ندامت کی بنا پر ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، وہ اپنے رب کی طرف توبہ کے ساتھ رجوع کریں اور اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈریں، تب اس بنا پر اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا۔ ورنہ یہ مسجد جو انہوں نے بنائی ہے ان کے شک و ریب اور نفاق میں اضافہ کرتی چلی جائے گی۔(تفسیر سعدی:1098/2)

سوال 2: ظلم کی بنیاد پر اٹھائی جانے والی عمارت دلوں میں بے یقینی کی جڑ کیسے بنتی رہتی ہے؟

جواب: (1)ظلم کی عمارت کی بنیاد کھوکھلی اور بے ثبات کگر پر ہوتی ہے اگرچہ یہ دین کے نام پر ہوتی ہے مگر اصل میں اپنی قیادت کے لیے دعوت حق کی مخلافت پر ہوتی ہے یوں ان کی اپنی کوئی بنیاد نہیں ہوتی سوائے مخالفت کے اور یہی کھوکھلی بنیاد ہے۔(2)جو لوگ حق کی مخالفت کرتے ہیں وہ حق کے خلاف محاذ بناتے ہیں، تخریبی کاروائیاں کرتے ہیں یہ کاروائیاں مسلمانوں کو ٹکڑوں اور گروہوں میں بانٹ دیتی ہیں۔ وہ بے یقینی جو ایک دل سے چلتی ہے پورے معاشرے میں پھیل جاتی ہے اور دلوں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گرتی ہوئی دیواروں کے معمار ہمیشہ اضطراب اور بے یقینی کا شکار رہتے ہیں۔

سوال 3: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾’’اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ ﴾اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے یعنی ان کی نیتوں اور ارادوں کو جانتا ہے۔(2)وہ تمام اشیاء کے ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے۔(3)وہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جسے لوگ ظاہر کرتے ہیں یا چھپاتے ہیں۔(4)﴿ حَكِيْمٌ ﴾وہ جو کام کرتا ہے یا کسی چیز کو تخلیق کرتا ہے یا حکم دیتا ہے یا روکتا ہے تو اس میں حکمت ہوتی ہے یا حکمت اس کا تقاضا کرتی ہے۔

رکوع نمبر:3

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (111) ﴾

’’یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں کہ یقیناً اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، چنانچہ وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ذمے پکا وعدہ ہے، اور کون اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے؟ تو اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے اللہ تعالیٰ سے سودا کیا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘(111)

سوال 1: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں کہ یقیناً اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لیے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک عظیم بیع کی بشارت دی ہے اور ایک بڑے معاوضے کا وعدہ کیا ہے۔ (2) ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ ﴾ مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال یعنی مومنوں کی جانوں اور اموال کو اللہ تعالیٰ نے خرید لیا۔ ان کی جانوں اور اموال کی قیمت لگ گئی۔ مومن اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بک گئے۔ (3) ﴿ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے یعنی جنت کے عوض ان کی جانیں اور اموال اللہ تعالیٰ نے خرید لیے ہیں۔ (4) اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے جو چیزیں بندوں کو دے رکھی ہیں جن کا وہ مالک ہے، ان ہی کے عوض جنت عطا فرمائی ہے۔ (5) جنت ایسا مقام ہے جہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی انسان خواہش کریں گے، جہاں کسی کی جوانی کو بڑھاپا نہیں آئے گا، کسی کی خوشیوں کو غم نہیں ڈسیں گے، کسی کی زندگی کو موت نہیں آئے گی، ہمیشہ کی خوشیاں اور لازوال بادشاہت ہوگی۔

سوال 2: جب انسان اللہ تعالیٰ کے دین کو حوالگی اور سپردگی کے درجے میں اختیار کرتا ہے تو دین کے ساتھ اس کا کیسا تعلق وجود میں آتا ہے؟

جواب: (1) جب انسان اپنے آپ کو، اپنی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے تو اس کے لیے دین کا معاملہ کوئی علیحدہ معاملہ نہیں رہتا۔ دین اس کے لیے ذاتی معاملہ بن جاتا ہے۔ (2) ایسے انسان کے لیے دین دلچسپیوں اور اندیشوں کا مرکز بن جاتا ہے۔ (3) اس تعلق میں دین اگر مال کا مطالبہ کرے تو مال نچھاور کر دیتا ہے حتیٰ کہ اگر دین کا مطالبہ ہو کہ مال دار بے مال ہو جائے تو بھی دریغ نہیں۔ (4) دین اگر وقت اور صلاحیت کا مطالبہ کرے تو وقت اور صلاحیتیں وقف کر دیتا ہے۔ (5) دین اگر مطالبہ کرے کہ اپنا وجود مٹا دو تو خون کا آخری قطرہ بہا کر بھی دین کو زندہ رکھنے سے گریز نہیں کرتا۔

سوال 3: ﴿ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، چنانچہ وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں'' اللہ تعالیٰ سے سودا کرنے والے اس کی راہ میں کیوں لڑتے، مارتے اور مرتے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارتی معاہدے کی یہ خصوصیت ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس کے دین کو غالب کرنے کے لیے اپنی جانیں اور اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ سے سودا کرنے والے اس لیے اس کی راہ میں لڑتے مارتے اور مرتے ہیں تاکہ اس کا دین غالب ہو۔ (3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں ایک ایسی تجارت کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو، اگر تم جانتے ہو تو تمہارے لیے یہ بہت بہتر ہے۔ (الصّف:10,11) (4) ﴿ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

﴿اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، چنانچہ وہ قتل کرتے ہیں''وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں مشرکوں سے قتال کرتے ہیں وَ یُقۡتَلُوۡنَ ''اور قتل کیے بھی جاتے ہیں''یعنی قتال کے معرکے میں جان دے دیتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:582)(5)سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے احد کے روز ان سے کہا، کیا تم ادھر نہیں آتے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں؟ چنانچہ یہ دونوں باقی مجاہدین سے ذرا الگ ہوگئے۔سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی اور کہنے لگے، اے میرے رب! جب دشمن سے معرکہ آرائی ہو تو میری رزم آرائی کسی ایسے شخص سے ہو جو لڑائی میں زبردست ماہر ہو اور غضب میں شدید ہو، میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے، پھر مجھے اس پر غلبہ عطا فرمادے کہ میں اسے قتل کرڈالوں اور اس کی لڑائی کا سامان لے لوں۔سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آمین کہا۔اب سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا کی، اے میرے اللہ! میرا سامنا بھی کسی ایسے ہی دشمن سے ہو جو لڑائی میں سخت غصے والا اور جنگ لڑنے میں شدید ہو، میں اس سے محض تیری خاطر لڑائی کروں، وہ مجھے قتل کردے، پھر میری ناک اور کان کاٹ ڈالے۔پس جب میں کل کو آپ سے ملاقات کروں تو آپ مجھ سے پوچھیں، (عبداللہ!) یہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹ ڈالے گئے؟ تو میں جواب دوں، اے اللہ! تیری خاطر اور تیرے رسول کی خاطر۔پھر تو مجھ سے کہے، (اے عبداللہ!) تو نے سچ کہا۔سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو یہ واقعہ سناتے ہوئے بتاتے ہیں، بیٹا! عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی، معرکے کے دن میں نے آخر پر یہ منظر دیکھا کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی ناک اور کان دھاگے میں پروئے ہوئے لٹک رہے تھے۔(مستدرک حاکم:2409)(6)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! اگر ان لوگوں کا خیال نہ ہوتا جو (جنگ میں) مجھ سے پیچھے رہ جانے کو (سخت) ناپسند کرتے ہیں (مگر ان کے پاس سواریاں نہیں ہیں) اور میرے پاس بھی (اتنے وسائل) نہیں ہیں کہ میں انہیں سواریاں دے سکوں، تو میں کبھی (کسی جنگ میں شریک ہونے سے) پیچھے نہ رہتا۔میری تو یہ خواہش ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کردیا جاؤں۔''(بخاری:7226)(7)سیدنا مسور بن مخرمہ اور سیدنا مروان رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان (کافروں) سے اس دین کی خاطر ضرور لڑوں گا، حتیٰ کہ میری گردن کٹ جائے اور اللہ تعالیٰ ضرور بضرور اپنے دین کو نافذ کرے گا۔''(بخاری:2731)(8)سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میدان بدر کی طرف چلے، یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے اور مشرک بھی آگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جب تک میں آگے نہ بڑھوں تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کی طرف آگے نہ بڑھے۔''جب مشرکین نزدیک آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس جنت کی طرف لپکو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔''(آپ کی یہ بات سن کر) سیدنا عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیا ایسی جنت (کی طرف) جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''ہاں!''تو انہوں نے جواب میں کہا:''بہت خوب! بہت خوب!''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تم بہت خوب، بہت خوب کیوں کہہ رہے ہو؟

''انہوں نے کہا: '' اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ﷺ! کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ مجھے توقع ہے میں بھی اس جنت والوں میں سے ہوں گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: '' تم بھی اسی جنت والوں میں سے ہو۔'' اس کے بعد وہ اپنے توشہ دان سے کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر بولے، '' اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ اپنی یہ کھجوریں کھالوں تو یہ زندگی لمبی ہو جائے گی'' چنانچہ ان کے پاس جو کھجوریں تھیں انہوں نے انہیں پھینک دیا، پھر مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (مسلم:4915)(9) ابوبکر بن ابوموسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو فرماتے ہوئے سنا، اس حال میں کہ وہ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے، وہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں تلے ہیں۔'' یہ سن کر ایک پراگندہ حال شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ اے ابوموسیٰ! کیا یہ بات تو نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے خود سنی ہے؟ جواب دیا: ہاں! تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹا اور انہیں الوداعی سلام کہا، پھر اپنی تلوار کی نیام کو توڑ کر پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمن کی طرف بڑھا اور شہید ہو گیا۔ (مسلم:4916)(10) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں حاضر نہ ہو سکے اس لیے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں پہلی لڑائی ہی سے غائب رہا جو آپ نے مشرکین کے خلاف لڑی لیکن اب اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کے خلاف کسی لڑائی میں حاضری کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں پھر جب احد کی لڑائی کا موقع آیا اور مسلمان بھاگ نکلے تو سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! جو کچھ مسلمانوں نے کیا میں اس سے معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ ان مشرکین نے کیا ہے میں اس سے بے زار ہوں پھر وہ آگے (مشرکین کی طرف) بڑھے تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سامنا ہوا۔ ان سے سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ! میں تو جنت میں جانا چاہتا ہوں اور نضر (ان کے باپ) کے رب کی قسم! میں جنت کی خوشبو احد پہاڑ کے قریب پاتا ہوں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! جو انہوں نے کر دکھایا اس کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس کے بعد جب انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو ہم نے پایا تو تلوار نیزے اور تیر کے تقریباً اسی زخم ان کے جسم پر تھے، وہ شہید ہو چکے تھے۔ مشرکوں نے ان کے اعضاء کاٹ دیے تھے اور کوئی شخص انہیں پہچان نہ سکا تھا صرف ان کی بہن انگلیوں سے انہیں پہچان سکی تھیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم سمجھتے ہیں (یا آپ نے نریٰ کے بجائے نظن کہا مطلب ایک ہی ہے) کہ یہ آیت ان کے اور ان جیسے مومنین کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ '' مومنوں میں کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اس وعدے کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا'' آخر آیت تک۔ (بخاری:2805)(11) عمرو بن دینار نے سیدنا جابر بن انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے بیان کیا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے غزوۂ احد کے موقع پر پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں قتل کر دیا گیا تو میں کہاں جاؤں گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: '' جنت میں''۔ انہوں نے کھجور پھینک دی جو ان کے ہاتھ میں تھی لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (بخاری:4046) (12) سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیلۃ العقبہ میں بیعت کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے جو چاہیں شرط منوالیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے رب کے لئے تم سے یہ شرط قبول کراتا ہوں کہ جس طرح اپنی جان و مال کی حفاظت کرتے ہو میری بھی

حفاظت کرنا۔سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: جب ہم یونہی کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت!'' یہ سنتے ہی خوشی سے کہنے لگے: واللہ! اس سودے میں تو ہم بہت ہی نفع میں رہیں گے، بس اب پختہ بات ہے نہ ہم اسے توڑیں گے نہ تڑوانے کی بات کریں گے۔پس یہ آیت نازل ہوئی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں نہ اس کی پرواہ ہوتی ہے کہ ہم مارے جائیں گے نہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر وار کرنے میں انہیں تامل ہوتا ہے، مرتے ہیں اور مارتے ہیں، ایسوں کے لئے یقیناً جنت ہے۔(تفسیر ابن کثیر:400/2)

سوال 4: ﴿وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقّٗا فِي ٱلتَّوۡرَىٰةِ وَٱلۡإِنجِيلِ وَٱلۡقُرۡءَانِ﴾ ''یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ذمے پکا وعدہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ساری کتابیں اس سچے وعدے پر اتفاق رکھتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں بھیجیں افضل اور کامل ہیں۔

سوال 5: ﴿وَمَنۡ أَوۡفَىٰ بِعَهۡدِهِۦ مِنَ ٱللَّهِ﴾ ''اور کون اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور کون اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے؟'' اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔(2) رب العزت کا فرمان ہے: وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثٗا اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات میں سچا اور کون ہے؟(النساء:87) (3) ﴿وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ قِيلٗا﴾ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون بات میں سچا ہے؟(النساء:122) (4) بندے کی جانب سے اپنا نفس اور مال سپرد کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب عطا کرنا ہے۔(تفسیر منیر:58/6)

سوال 6: ﴿فَٱسۡتَبۡشِرُواْ بِبَيۡعِكُمُ ٱلَّذِي بَايَعۡتُم بِهِۦۚ وَذَٰلِكَ هُوَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ﴾ ''تو اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے اللہ تعالیٰ سے سودا کیا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَٱسۡتَبۡشِرُواْ﴾ ''تو خوشیاں مناؤ'' یعنی تاکہ تم راضی اور خوش ہوجاؤ۔(2) ﴿بِبَيۡعِكُمُ ٱلَّذِي بَايَعۡتُم بِهِۦ﴾ ''اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ تعالیٰ سے سودا کیا ہے'' اس سودے پر جو تم نے اللہ تعالیٰ سے سودا کیا ہے ایک دوسرے کو خوش خبریاں دو کہ تم اللہ تعالیٰ کے وعدے پر قائم ہو۔(3) بشارت سے مراد خوشی کا اظہار ہے جو چہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔(فتح القدیر:510/2) (4) اس سودے میں خریدار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اس کا معاوضہ سب سے عظیم نعمت جنت ہے۔اس کی قیمت انسان کی جان اور مال ہے جو انسان کے لیے سب سے زیادہ محبوب ہے اور جن کے ہاتھوں پر یہ معاہدہ ہوا وہ سب سے زیادہ عزت اور شرف والی ہستیاں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جن کتابوں میں یہ معاہدہ تحریر کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم کتابیں ہیں۔اس معاہدے کی گواہی تورات، انجیل اور قرآن مجید میں ہے۔یہ تمام کتابیں اس سچے معاہدے پر متفق ہیں۔

سوال 7: مومن اللہ تعالیٰ سے سودے پر کیسے خوشیاں منا سکتا ہے؟

جواب: (1) مومن اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بک جانے پر، دین کو اپنا ذاتی معاملہ بنا کر، مال لگا کر خوشیاں منا سکتا ہے۔(2) دین کے لئے وقت

لگا کر خوشیاں حاصل کرسکتا ہے۔(3) دین کے لئے صلاحیتیں لگا کر خوشیاں منا سکتا ہے۔(4) دین کی حفاظت کے لئے اپنی جان دے کر خوشیاں منا سکتا ہے۔

سوال 8: ﴿ **وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴾ ''اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: تھوڑی سی محنت سے ہمیشہ کی خوشیاں، دائمی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا سے بڑی کامیابی اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

﴿ اَلتَّآىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (112) ﴾

''وہ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، بھلائی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور مومنوں کو خوش خبری دے دیں۔''(112)

سوال 1: ﴿ **اَلتَّآىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ** ﴾ ''وہ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، بھلائی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ مومن جن کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جنت میں داخلے کی بشارت ہے اس آیت میں ان کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں جن میں سے پہلی خصوصیت ہے:(1) ﴿ **اَلتَّآىِٕبُوْنَ** ﴾ توبہ کرنے والے جو ہر وقت اپنے اعمال کے لیے فکرمند رہتے ہیں، گناہوں پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں پر ہمیشہ توبہ کرنے والے ہیں۔سیدنا اغر بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ (رجوع) کرو۔ میں بارگاہ الٰہی میں روزانہ سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔(مسلم:6859)(2) ﴿ **الْعٰبِدُوْنَ** ﴾ عبادت کرنے والے جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں۔وہ واجبات بھی ادا کرتے ہیں اور مستحبات بھی۔جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت، تعظیم، دلی جھکاؤ اور خشوع کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:582) جو اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں۔(تفسیر منیر:57/6) جو ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہیں اور اس کی حرص رکھتے ہیں۔(تفسیر قاسمی:334/8)(3) ﴿ **الْحٰمِدُوْنَ** ﴾ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے یعنی ایسے لوگ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں۔(الدر المنثور:503/3) یعنی غم اور خوشی میں، تنگ دستی اور خوش حالی میں۔حسن کا قول ہے جو اسلام کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں۔(تفسیر ابن ابی حاتم:1889/6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے سبحان اللہ وبحمدہ دن میں سو مرتبہ کہا اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔(بخاری:6405)(4) ﴿ **السَّآىِٕحُوْنَ** ﴾ روزہ

رکھنے والے۔سیاحت کی تفسیر روزوں سے کی گئی ہے، یا طلب علم کے لئے سفر کرنے سے کی گئی ہے اور سیاحت کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت اور اس کی طرف دائمی انابت میں قلب کی سیاحت سے کی گئی ہے مگر اس کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ سیاحت سے مراد اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے حج، عمرہ، جہاد، طلب علم اور اقارب سے ملنے کے لئے سفر کرنا ہے۔(تفسیر سعدی:1101,1102/2) سیاحت سے مراد یہ نہیں ہے کہ آدمی دنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت کی نیت سے پہاڑوں، غاروں اور صحراؤں میں چلا جائے۔اس لیے کہ یہ رہبانیت ہے، جس کی اللہ تعالیٰ کے رسول نے ممانعت فرمائی ہے۔(تیسیر الرحمٰن:594/1) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سیر وسیاحت کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا:''بے شک میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''(ابوداؤد:2846) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا خواہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ جہاد کرے یا اسی جگہ پڑا رہے جہاں پیدا ہوا تھا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! کیا ہم لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ''جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں، ان کے دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں ہے۔اس لیے جب اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا سب سے درمیانی درجہ ہے اور جنت کے سب سے بلند درجے پر ہے۔'' یحییٰ بن صالح نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں، یوں کہا کہ''اس کے اوپر پروردگار کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔''محمد بن فلیح نے اپنے والد سے وفوقہ عرش الرحمن ہی کی روایت کی ہے۔(بخاری:2790)(5)﴿الرّٰكِعُوْنَ﴾ رکوع کرنے والے یعنی نمازوں میں۔(6)﴿السّٰجِدُوْنَ﴾ سجدے کرنے والے یعنی کثرت سے نماز قائم کرنے والے جو رکوع اور سجدوں پر مشتمل ہے۔نوافل کی کثرت کرنے والے گویا کہ وہ ہمیشہ رکوع اور سجدوں میں رہتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:582) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نوافل ادا کرتا ہے، اپنی بیوی کو بھی جگاتا ہے اور وہ بھی نفل ادا کرتی ہے، اگر وہ بیدار ہونے سے انکار کرتی ہے تو وہ اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر بھی رحم کرے جو رات کو اٹھتی ہے، نماز پڑھتی ہے اور اپنے خاوند کو بھی بیدار کرتی ہے اور وہ بھی تہجد ادا کرتا ہے، اگر وہ انکار کرتا ہے تو وہ اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتی ہے۔''(سنن نسائی:1611) سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس رہا کرتا تھا اور آپ ﷺ کے لیے وضو اور قضائے حاجت کے لیے پانی مہیا کیا کرتا تھا، ایک موقع پر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: مانگو۔میں نے کہا: میں آپ ﷺ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔فرمایا:''اس کے علاوہ کچھ اور؟''میں نے پھر عرض کی کہ بس یہی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تو اپنے معاملے میں کثرت سجود سے میری مدد کرو۔''(مسلم:1094)(7)﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ بھلائی کا حکم دینے والے یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی توحید اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دینے والے۔(ایسر التفاسیر:583) معروف

میں تمام واجبات اور مستحبات شامل ہیں۔(تفسیر سعدی:1102/2:2)(8)﴿وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ برائی سے روکنے والے یعنی ان تمام کاموں سے روکنے والے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے روکا ہے۔شرک اور معاصی سے روکنے والے۔(ایسر التفاسیر:583)سعید بن جبیر کا قول ہے شرک سے روکنے والے۔(تفسیر ابن ابی حاتم:1891/6)کفر اور بدعت اور معصیت سے روکنے والے۔(تفسیر منیر:59/6)(9)﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر جو حدود نازل فرمائی ہیں،یعنی اوامر ونواہی اور احکام میں کیا چیز داخل ہے اور کیا چیز داخل نہیں ہے،ان کا علم حاصل کر کے ان حدود کی حفاظت کرتے ہیں اور ترکاً اور فعلاً ان کا التزام کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1102/2:2)تمام اعمال میں حدود کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔(انوار البیان:651/2)

سوال 2:﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور مومنوں کو خوش خبری دے دیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)یہاں اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا کہ اہل ایمان کے لیے کس چیز کی خوش خبری ہے تاکہ دین ودنیا اور آخرت کے ثواب کو شامل ہو جو ایمان پر مترتب ہوتا ہے۔یہ خوش خبری ہر مومن کے لیے ہے۔رہی اس خوش خبری کی مقدار اور اس کا وصف تو اہل ایمان کے احوال،ان کے ایمان کی قوت،ضعف اور اس کے تقاضے پر عمل کے مطابق ہوتی ہے۔(تفسیر سعدی:1102/2:2)(2)یہ خوش خبری جنت دار السلام کی ہے۔(ایسر التفاسیر:582)

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (113)﴾

''نبی کو اور جو لوگ ایمان لائے کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ رشتہ دار ہوں اس کے بعد کہ ان کے لیے واضح ہو چکا کہ یقیناً وہ دوزخ والے ہیں۔''(113)

سوال 1:﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ ''نبی کو اور جو لوگ ایمان لائے کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ رشتہ دار ہوں'' اللہ تعالیٰ نے سودا کرنے والوں پر یہ شرط کیوں عائد کی ہے کہ ان کے لیے مغفرت کی دعا نہیں کریں گے جنہوں نے سودا نہیں کیا اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں؟

جواب:(1)﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ ''نبی کو اور جو لوگ ایمان لائے کبھی جائز نہیں''،یعنی نبی ﷺ اور اہل ایمان کے لائق نہیں ہے۔(2)﴿اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں'' جو لوگ شرک کی حالت میں وفات پا جائیں ان کے لیے بخشش کی دعا کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ان کے لیے دعائے مغفرت مفید نہیں۔(3)جب وہ شرک کی حالت میں وفات پا گئے تو ان کے لیے عذاب اور جہنم میں ہمیشہ رہنا واجب ہو گیا۔(4)﴿وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ ''خواہ وہ رشتہ دار ہوں'' سعید بن مسیّب نے اپنے والد مسیّب

بن حزن سے روایت کیا کہ جب ابو طالب کے انتقال کا وقت ہوا تو نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے' اس وقت وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: (آپ ایک بار زبان سے کلمہ) **لا الہ الا اللہ** کہہ دیجئے۔ میں اسی کو (آپ کی نجات کے لیے وسیلہ بنا کر) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرلوں گا۔ اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ کہنے لگے: ابو طالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ آپ ﷺ نے کہا کہ اب میں آپ کے لئے برابر مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روک نہ دیا جائے' تو یہ آیت نازل ہوئی ''نبی اور ایمان والوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ (مشرکین) رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب ان پر یہ ظاہر ہو چکے کہ وہ (یقیناً) اہل دوزخ سے ہیں۔'' (بخاری کتاب التفسیر:4675) (5) کسی رشتہ دار کو قرابت کام آئے گی نہ شفاعت اور نہ بخشش کے لیے دعائے مغفرت۔ (6) اس میں تصریح ہے کہ بدون ایمان کے محض برکات کام نہیں آتے دیکھو نبی ﷺ کی قرابت سے بڑھ کر کون سی برکت ہوگی پھر بھی یہ حکم دیا گیا۔ (بیان القرآن:144/4) (7) نبی ﷺ اور اہل ایمان پر واجب ہے کہ اپنے رب کی رضا اور ناراضی کے بارے میں اس کی موافقت کریں جس کو اللہ تعالیٰ نے دوست بنایا ہے اس سے موالات رکھیں اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دشمن قرار دیا ہے اس سے عداوت رکھیں اور جس شخص کے بارے میں یہ واضح ہو چکا ہو کہ وہ جہنمی ہے اس کے لیے استغفار کرنا اس کے منافی اور متناقص ہے۔ (تفسیر سعدی:1103/2)

سوال 2: ﴿مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمۡ أَنَّهُمۡ أَصۡحَٰبُ ٱلۡجَحِیمِ﴾ ''اس کے بعد کہ ان کے لیے واضح ہو چکا کہ یقیناً وہ دوزخ والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: نبی اور مومنوں کی یہ شان نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں جب کہ یہ واضح ہو جائے کہ وہ دوزخ والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا یَغۡفِرُ أَن یُشۡرَكَ بِهِۦ وَیَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن یَشَآءُ﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا وہ بخش دے گا۔ (النساء:116)

﴿وَمَا كَانَ ٱسۡتِغۡفَارُ إِبۡرَٰهِیمَ لِأَبِیهِ إِلَّا عَن مَّوۡعِدَةٖ وَعَدَهَآ إِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهُۥٓ أَنَّهُۥ عَدُوّٞ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنۡهُۚ إِنَّ إِبۡرَٰهِیمَ لَأَوَّٰهٌ حَلِیمٞ (114)﴾

''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا صرف اس وعدے کے سبب تھا جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا چنانچہ جب اس کے لیے واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گیا، بے شک ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل، بڑا بردبار تھا۔'' (114)

سوال 1: ﴿وَمَا كَانَ ٱسۡتِغۡفَارُ إِبۡرَٰهِیمَ لِأَبِیهِ إِلَّا عَن مَّوۡعِدَةٖ وَعَدَهَآ إِیَّاهُ﴾ ''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا صرف اس وعدے کے سبب تھا جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے بخشش کی دعا کرنا ایک وعدے کے مطابق تھا جو انہوں نے اپنے والد سے ان الفاظ میں کیا تھا۔﴿ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ﴾ ''میں ضرور ہی اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی دعا کروں گا۔'' (مریم:47)

سوال 2: ﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ﴾ ''چنانچہ جب اس کے لیے واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے مغفرت کی دعا اس وقت کی تھی جب انہیں اپنے والد کے انجام کے بارے میں خبر نہیں تھی۔ (2) جب ان پر واضح ہو گیا کہ ان کے والد کو اللہ تعالیٰ کی دشمنی میں کفر پر موت آئی ہے تو انہوں نے اس سے اظہار بے زاری کیا اور اپنے رب کی موافقت کی۔ (3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آذر سے قیامت کے دن جب ملیں گے تو ان کے والد کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہو گا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کہیں گے کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میری مخالفت نہ کیجیے؟ وہ کہیں گے کہ میں آج آپ کی مخالفت نہیں کرتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے رب! تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا، آج اس رسوائی سے بڑھ کر اور کون سی رسوائی ہو گی کہ میرے والد تیری رحمت سے سب سے زیادہ دور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام قرار دی ہے۔ پھر کہا جائے گا کہ اے ابراہیم! تمہارے قدموں کے نیچے کیا چیز ہے؟ وہ دیکھیں گے تو ایک ذبح کیا ہوا جانور خون میں لتھڑا ہوا وہاں پڑا ہو گا اور پھر اس کے پاؤں پکڑ کر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (بخاری:3350)

سوال 3: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴾ ''بے شک ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل، بڑا بردبار تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴾ ''بے شک ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل تھا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے، کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے، اپنے رب کی طرف پلٹنے والے اور استغفار کرنے والے تھے۔ (2) ﴿ حَلِيْمٌ ﴾ بڑے بردبار تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر انتہائی مہربان تھے۔ لوگوں کی جہالت انہیں آپے سے باہر نہیں کرتی تھی۔ وہ لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کرنے والے تھے۔

﴿ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (115) ﴾

''اور کبھی ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے بعد کہ وہ انہیں ہدایت دے چکا ہو یہاں تک کہ وہ ان کے لیے وہ چیز واضح کر دے جن سے وہ بچیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' (115)

سوال 1: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ﴾ ''اور کبھی ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے

بعد کہ وہ انہیں ہدایت دے چکا ہو یہاں تک کہ وہ ان کے لیے وہ چیز واضح کر دے جن سے وہ بچیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ ﴾ ''اور کبھی ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے بعد کہ وہ انہیں ہدایت دے چکا ہو'' جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہدایت دیتا ہے یعنی نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق دیتا ہے اور انہیں صراط مستقیم پر چلنے کا حکم دیتا ہے تو ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہوئے ان تمام امور کو واضح فرما دیتا ہے جن کے وہ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین کے بارے میں گمراہ اور جاہل نہیں رہنے دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کی دلیل ہے۔ (2) ﴿ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ﴾ ''یہاں تک کہ وہ ان کے لیے وہ چیز واضح کر دے جن سے وہ بچیں'' اللہ تعالیٰ اپنی شریعت کے ذریعے بندوں کی وہ ضروریات پوری کر دیتے ہیں جن کے وہ اپنے دین کی کلیات اور جزویات میں اصول و فروع میں محتاج ہوتے ہیں۔ (3) یہاں تک کہ شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو ان پر واضح نہ کر دے جن سے بچنا ان کے لیے واجب ہے۔ (فتح القدیر) (4) جب اللہ تعالیٰ حق واضح فرما دیتا ہے لیکن لوگ عمل پیرا نہیں ہوتے اور جن چیزوں سے بچنا واجب ہے ان سے نہیں بچتے تو انہیں گمراہی کا مستحق قرار دیتا ہے۔

سوال 2: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے۔ اس نے ان تمام معاملات کی تعلیم دی ہے جنہیں لوگ نہیں جانتے اور ہر چیز کی حقیقت واضح کر دی ہے جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (116) ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔'' (116)

سوال 1: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا خالق اور مالک ہے، وہ ہر چیز میں تصرف کرتا ہے، جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (ایسر التفاسیر:584) (2) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بادشاہت ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ ہر موجود چیز کا مالک ہے اور اس کے امور کا متولی ہے۔ وہ کامل غلبہ رکھتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں تمام معاملات کی تدبیر ہے۔ (تفسیر منیر:65/6) (3) ﴿ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ ''وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے'' جس کے لیے چاہتا ہے جلدی کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے مؤخر کر دیتا ہے، ان کی اجل پر قدرت رکھنے کی وجہ سے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:1898/6) (4) ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول ﷺ اپنے اصحاب کے مجمع میں بیٹھے

فرمانے لگے: کیا جو میں سنتا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے کانوں میں تو کوئی آواز نہیں آئی! آپ ﷺ نے فرمایا: میں آسمانوں کا چر چرانا سن رہا ہوں اور حقیقت میں ان کا چر چرانا ٹھیک ہی ہے۔ ان میں ایک بالشت بھی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں اور قیام میں نہ ہو۔ کعب احبار فرماتے ہیں: ساری زمین میں سوئی کے ناکے کے برابر کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ مقرر نہ ہو جو یہاں کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف نہ پہنچاتا ہو! (ابن کثیر: 405/2) (5) ﴿ یُحۡیٖ ﴾ وہ ایمان کے ذریعے زندگی دیتا ہے اور کفر کے ذریعے موت دیتا ہے، وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں کو موت سے ہم کنار کرتا ہے اپنی کامل قدرت اور اپنی عظیم سلطنت کی وجہ سے۔ (ایسر التفاسیر: 584) ﴿6﴾ یعنی وہ زمین و آسمان کا مالک ہے وہ زندگی اور موت اور مختلف انواع کی تدابیر کے ذریعے سے اپنے بندوں کی تدبیر کرتا ہے جب اس کی تدبیر کونی وقدری میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا تو تدبیر دینی میں، جو اس کی الوہیت سے متعلق ہے، کیوں کر خلل واقع ہوسکتا ہے، وہ اپنے بندوں کو کیوں کر بے کار اور مہمل یا جاہل اور گمراہ چھوڑ سکتا ہے، حالانکہ وہ اپنے بندوں کا سب سے بڑا سرپرست ہے؟ (تفسیر سعدی: 1104,1105/2)

سوال 2: ﴿ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی بندے اس کے علاوہ کسی کو اپنا سرپرست نہ بنائیں کہ ان کی سرپرستی کریں اور نہ مددگار کہ ان کی مدد کریں۔ (فتح القدیر: 516,517/2) (2) ﴿ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے'' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی نہیں جو تمہیں ہر طرح کی منفعت پہنچائے اور تمہاری سرپرستی کرے۔ ﴿ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴾ ''اور نہ کوئی مددگار'' اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نصیر مددگار نہیں جو نقصان دور کرکے مدد فرمائے۔

﴿ لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ وَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَ الۡاَنۡصَارِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ (117) ﴾

''بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی پر بھی اور مہاجرین وانصار پر بھی مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی جو تنگی کے وقت میں نبی کے ساتھ رہے، اس کے بعد بھی کہ قریب تھا ان میں سے ایک گروہ کے دل ہی ٹیڑھے ہو جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی، یقیناً وہ ان پر بہت ہی شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (117)

سوال 1: ﴿ لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ ﴾ ''بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی پر بھی اور مہاجرین وانصار پر بھی مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس نے اپنے لطف وکرم سے اور خصوصی احسان سے نبی ﷺ پر مہربانی فرمائی اور مہاجرین اور انصار

پر کہ ان کی تمام لغزشیں معاف فرمادیں اور انہیں بلند درجات عطا فرمائے کیونکہ انہوں نے مشقت اٹھائی اور مشکل امور کو سرانجام دیا۔

سوال 2: ﴿ **الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ** ﴾ ''جو تنگی کے وقت میں نبی کے ساتھ رہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی وہ غزوہ تبوک میں دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے آپ کے ساتھ نکلے، سخت گرمی کا موسم تھا، سامان سفر اور سواریوں وغیرہ کی قلت اور دشمن کی افرادی تعداد زیادہ تھی۔ یہ ایسے حالات تھے جو لوگوں کے پیچھے رہنے کا باعث بنتے ہیں۔ پس اس سورت میں وہ اللہ تعالیٰ سے مدد کے طلب گار ہوئے اور اس پر قائم رہے۔ (تفسیر سعدی:2/1106) (2) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سختی کی وہ گھڑی کیا تھی جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا۔ ایک منزل پر اترے تو ہمیں سخت پیاس لگی۔ پیاس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری گردنیں بھی کٹ کر گر پڑیں گی۔ اگر کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے بھی جاتا تھا تو واپس آنے میں پیاس کی شدت کی وجہ سے یہ سمجھ لیتا تھا کہ میری گردن کٹ کر گر جانے والی ہے۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے بعض اشخاص نے یہاں تک کیا کہ اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پیا اور ترائی حاصل کرنے کے لیے اسے اپنے پیٹ میں رکھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دعا کرنے کا عمل عطا فرمایا ہے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ ابھی آپ ﷺ نے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ بارش ہونی شروع ہوگئی اور خوب بارش ہوئی۔ جس سے حاضرین نے اپنے سارے برتن بھر لیے۔ پھر ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ بارش کہاں تک ہے تو معلوم ہوا کہ وہ لشکر کے حدود سے آگے نہیں بڑھی۔ (ہیثمی، مجمع الزوائد:6/194) (3) غزوہ تبوک کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نکلنے کو اللہ تعالیٰ نے تنگی کی گھڑی میں نبی ﷺ کے ساتھ نکلنا قرار دیا جس میں پکی ہوئی فصلوں کو چھوڑ کر تبوک کا سفر اختیار کرنا، سخت گرمی میں طویل سفر طے کر کے دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا مقابلہ کرنا، سامان کی کمی کی وجہ سے ایک ایک اونٹ پر کئی لوگوں کا باری باری سوار ہونا، کھانے کا اتنا کم ہونا کہ بعض اوقات ایک کھجور حصے میں آتی تھی۔

سوال 2: ﴿ **مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ** ﴾ ''اس کے بعد بھی کہ قریب تھا ان میں سے ایک گروہ کے دل ہی ٹیڑھے ہو جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اس کے بعد بھی کہ قریب تھا ان میں سے ایک گروہ کے دل ہی ٹیڑھے ہو جائیں''، یعنی اس تنگی کی گھڑی میں ان کے دل آرام اور راحت کی جانب مائل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدمی عطا فرمائی، ان کو قوت سے نوازا، ان کی مدد فرمائی۔ (2) زیغ قلب دل پھر جانے سے مراد ہے دل کا سیدھے راستے سے ہٹ جانا یعنی قریب تھا کہ ان کے دل نبی ﷺ کی اتباع سے پیچھے رہ جانے کی طرف پھر جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدمی عطا فرمائی۔

سوال 3: ﴿ **ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی یقیناً وہ ان پر بہت ہی شفقت کرنے والا،

نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ﴾'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی''، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔(2)﴿ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾'' یقیناً وہ ان پر بہت ہی شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے'' یہ اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت ہے کہ اس نے انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔

﴿ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ(118) ﴾

'' اور ان تینوں پر بھی اس نے توجہ فرمائی جو پیچھے رکھے گئے یہاں تک کہ جب زمین ان پر تنگ ہوگئی باوجود اس کے کہ وسیع تھی اور ان پر ان کی جانیں تنگ ہوگئیں اور انہوں نے یقین کرلیا کہ اللہ تعالیٰ سے خود اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کریں، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''(118)

سوال 1:﴿ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ﴾'' اور ان تینوں پر بھی اس نے توجہ فرمائی جو پیچھے رکھے گئے یہاں تک کہ جب زمین ان پر تنگ ہوگئی باوجود اس کے کہ وسیع تھی اور ان پر ان کی جانیں تنگ ہوگئیں اور انہوں نے یقین کرلیا کہ اللہ تعالیٰ سے خود اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کریں'' ان کی توبہ کیسے قبول ہوئی؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے ان تین لوگوں کی توبہ قبول فرمالی جو غزوہ تبوک میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں جا سکے تھے۔ یہ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم تھے۔(2) عبدالرحمٰن بن کعب سے روایت ہے جب سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نابینا ہوگئے تو ان کے لڑکوں میں وہی کعب کو راستے میں پکڑ کر چلاتے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے کعب رضی اللہ عنہ سے ان کے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہو سکنے کا واقعہ سنا۔ انہوں نے بتایا کہ غزوہ تبوک کے سوا اور کسی غزوہ میں ایسا نہیں ہوا تھا کہ میں رسول ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں البتہ غزوہ بدر میں بھی شریک نہیں ہوا تھا۔ لیکن جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، ان کے متعلق رسول ﷺ نے کسی قسم کی خفگی کا اظہار نہیں فرمایا تھا کیوں کہ آپ ﷺ اس موقع پر صرف قریش کے قافلے کی تلاش میں نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی پہلی تیاری کے بغیر آپ ﷺ کی دشمنوں سے ٹکر ہوگئی اور میں لیلہ عقبہ میں رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ وہی رات ہے جس میں ہم نے اسلام کے لیے عہد کیا تھا اور مجھے یہ غزوہ بدر سے بھی زیادہ عزیز ہے اگرچہ بدر کا لوگوں کی زبانوں پر چرچا زیادہ ہے۔ میرا واقعہ یہ ہے کہ میں کبھی اپنی زندگی میں اتنا قوی اور اتنا صاحب مال نہیں ہوا تھا جتنا اس موقع پر تھا۔ جب کہ میں رسول ﷺ کے ساتھ تبوک کے غزوے میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔ خدا

کی قسم! اس سے پہلے کبھی بھی میرے پاس دو اونٹ جمع نہیں ہوئے تھے۔لیکن اس موقع پر میرے پاس دو اونٹ موجود تھے۔رسول ﷺ جب کبھی کسی غزوے میں تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ اس کے لیے ذو معنی الفاظ استعمال کیا کرتے تھے لیکن اس غزوے کا جب موقع آیا تو گرمی بڑی سخت تھی۔سفر بھی بہت لمبا تھا۔بیابانی راستہ اور دشمن کی فوج کی کثرت تعداد! تمام مشکلات سامنے تھیں۔اس لیے رسول ﷺ نے مسلمانوں سے اس غزوے کے متعلق بہت تفصیل کے ساتھ بتا دیا تھا تا کہ اس کے متعلق پوری طرح سے تیاری کر لیں۔آپ ﷺ نے اس سمت کی بھی نشان دہی کر دی جہاں سے آپ کا جانے کا ارادہ تھا۔مسلمان بھی آپ ﷺ کے ساتھ بہت تھے۔اتنے کہ کسی رجسٹر میں سب مسلمانوں کا نام لکھنا بہت مشکل تھا۔کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کوئی بھی شخص اگر اس غزوے میں شریک نہ ہونا چاہتا تو وہ یہ خیال کر سکتا تھا کہ اس کی غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔سوائے اس کے کہ اس کے متعلق وحی نازل ہو۔رسول ﷺ جب اس غزوے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو پھل پکنے کا زمانہ تھا اور سایہ میں بیٹھ کر لوگ آرام کر رہے تھے۔رسول ﷺ بھی تیاریوں میں مصروف تھے اور آپ کے ساتھ مسلمان بھی! لیکن روزانہ سوچا کرتا تھا کہ کل سے میں بھی تیاری کروں گا اور اس طرح ہر روز اسے ٹالتا رہا۔مجھے اس کا یقین تھا کہ میں تیاری کر لوں گا، مجھے آسانیاں میسر ہیں۔یوں ہی وقت گزرتا رہا اور آخر لوگوں نے اپنی تیاریاں مکمل بھی کر لیں اور رسول ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ بھی ہو گئے۔اس وقت تک میں نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔اس وقت بھی میں نے اپنے دل کو یہی کہہ کر سمجھا لیا تھا کہ کل یا پرسوں تک تیاری کر لوں گا اور پھر لشکر سے جا ملوں گا۔کوچ کے بعد دوسرے دن میں نے تیاری کے لیے سوچا لیکن اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی۔یوں ہی وقت گزر گیا اور اسلامی لشکر بہت آگے بڑھ گیا۔غزوے میں شرکت میرے لیے بہت دور کی بات ہو گئی اور میں یہی ارادہ کرتا رہا کہ یہاں سے چل کر انہیں پا لوں گا۔کاش! میں نے ایسا کر لیا ہوتا۔لیکن یہ میرے نصیب میں نہیں تھا۔رسول ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں باہر نکلتا تو مجھے بڑا رنج ہوتا کیوں کہ یا تو وہ لوگ نظر آتے جن کے چہروں سے نفاق ٹپکتا تھا یا پھر وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور اور ضعیف قرار دے دیا تھا۔رسول ﷺ نے میرے بارے میں کسی سے کچھ نہیں پوچھا تھا لیکن جب آپ تبوک پہنچ گئے تو وہیں ایک مجلس میں آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کعب نے کیا کیا؟ بنوسلمہ کے ایک صاحب نے کہا کہ یا رسول ﷺ اس کے غرور نے اسے آنے نہیں دیا۔(وہ حسن و جمال اور لباس میں اترا کر رہ گیا) اس پر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے بری بات کہی۔یا رسول ﷺ خدا کی قسم! ہمیں ان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ معلوم نہیں! رسول ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں تو اب مجھ پر فکر سوار ہوئی اور میرا ذہن کوئی ایسا جھوٹا بہانہ تلاش کرنے لگا جس سے میں کل رسول ﷺ کی خفگی سے بچ سکوں۔اپنے گھر کے ہر عقل مند آدمی سے اس کے متعلق میں نے مشورہ لیا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ مدینہ سے بالکل قریب آ چکے ہیں تو غلط خیالات میرے ذہن سے نکل گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس معاملہ میں جھوٹ بول کر میں اپنے آپ کو کسی طرح محفوظ نہیں کر سکتا۔چنانچہ میں نے پختہ بات کہنے کا ارادہ کر لیا۔صبح کے وقت رسول ﷺ تشریف لائے جب آپ

کسی سفر سے تشریف لاتے تو یہ آپ کی عادت تھی کہ پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے پھر لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھتے جب آپ اس عمل سے فارغ ہو چکے تو آپ کی خدمت میں لوگ آنے لگے۔ جو غزوے میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور قسم کھا کھا کر اپنے عذر بیان کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کی تعداد اسی کے قریب تھی۔ رسول ﷺ نے ان کے ظاہر کو قبول فرما لیا، ان سے عہد لیا، ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اس کے بعد میں حاضر ہوا میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ مسکرائے آپ کی مسکراہٹ میں خفگی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آؤ۔ میں چند قدم چل کر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا؟ تم غزوہ میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ کیا تم نے کوئی سواری نہیں خریدی تھی؟ میں نے عرض کیا: میرے پاس سواری موجود تھی۔ خدا کی قسم! اگر میں آپ کے سوا کسی دنیا دار شخص کے سامنے بیٹھا ہوا ہوتا تو کوئی نہ کوئی عذر گڑھ کر اس کی خفگی سے بچ سکتا تھا۔ مجھے خوب صورتی کے ساتھ گفتگو کا سلیقہ معلوم ہے لیکن خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپ ﷺ کے سامنے جھوٹا عذر بیان کر کے آپ ﷺ کو راضی کر لوں تو بہت جلد اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اس کی بجائے اگر میں آپ ﷺ سے سچی بات بیان کر دوں تو یقیناً آپ ﷺ کو میری طرف سے خفگی ہو گی لیکن اللہ تعالیٰ سے مجھے معافی کی پوری امید ہے۔ نہیں اللہ کی قسم! مجھے کوئی عذر نہیں تھا۔ خدا کی قسم! اس وقت سے پہلے کبھی میں اتنا فارغ البال نہیں تھا اور پھر بھی میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکا۔ رسول ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے سچی بات فرما دی۔ اچھا اب جاؤ! یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خود کوئی فیصلہ کر دے۔ میں اٹھ گیا اور میرے پیچھے بنو سلمہ کے کچھ لوگ بھی دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ خدا کی قسم! ہمیں تمہارے متعلق یہ معلوم نہیں تھا کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہے؟ اور تم نے بڑی کوتاہی کی۔ رسول ﷺ کے سامنے کوئی عذر نہیں بیان کیا جیسا دوسرے نہ شریک ہونے والوں نے بیان کر دیا تھا۔ تمہارے گناہ کے لیے رسول ﷺ کا استغفار ہی کافی ہو جاتا۔ خدا کی قسم! ان لوگوں نے مجھے اس پر اتنی ملامت کی کہ مجھے خیال آیا کہ واپس جا کر رسول ﷺ سے کوئی جھوٹا عذر کر آؤں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا: کیا میرے علاوہ کسی اور نے بھی مجھ جیسا عذر بیان کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں! دو حضرات نے اسی طرح معذرت کی جس طرح تم نے کی ہے اور انہیں جواب بھی وہی ملا ہے جو تمہیں ملا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ان کے نام کیا ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارا بن ربیع امری اور ہلال بن امیہ واقفی۔ ان دو ایسے صحابہ کا نام انہوں نے لے دیا تھا جو صالح تھے اور بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا طرز عمل میرے لیے نمونہ بن گیا۔ چنانچہ جب انہوں نے ان بزرگوں کا نام لیا تو میں اپنے گھر چلا آیا اور رسول ﷺ نے لوگوں کو ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی۔ بہت سے لوگ جو غزوے میں شریک نہیں ہوئے تھے ان میں سے صرف ہم تین تھے۔ لوگ ہم سے الگ رہنے لگے اور سب لوگ بدل گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ ہم سے ساری دنیا بدل گئی ہے۔ ہمارا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ پچاس دن تک ہم اس طرح رہے۔ میرے دو ساتھیوں نے تو اپنے گھروں سے نکلنا ہی چھوڑ دیا بس روتے رہتے تھے لیکن میرے اندر ہمت تھی کہ میں باہر نکلتا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھوما کرتا تھا لیکن مجھ سے

بولتا کوئی نہ تھا۔ میں رسول ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کو سلام کرتا تھا۔ جب آپ ﷺ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھتے میں اس کی جستجو میں لگا رہتا تھا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں رسول ﷺ کے مبارک ہونٹ ملے یا نہیں؟ پھر آپ ﷺ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا اور آپ کو کن انکھیوں سے دیکھتا رہتا۔ جب میں اپنی نماز میں مشغول ہو جاتا تو رسول ﷺ میری طرف دیکھتے لیکن جوں ہی میں آپ کی طرف دیکھتا آپ اپنا رخ پھیر لیتے۔ آخر جب اس طرح لوگوں کی بے رخی بڑھتی ہی گئی تو میں ایک دن ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ وہ میرے چچازاد بھائی تھے اور میرا ان سے بہت گہرا تعلق تھا۔ میں نے انہیں سلام کیا لیکن خدا کی قسم انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا ابوقتادہ! تمہیں اللہ کی قسم! کیا تم نہیں جانتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے کتنی محبت ہے؟ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے دوبارہ ان سے یہی سوال کیا خدا کی قسم دے کر لیکن اب بھی وہ خاموش تھے۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر ان سے یہی سوال کیا اس مرتبہ انہوں نے صرف یہی کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ اس پر میرے آنسو پھوٹ پڑے۔ میں واپس چلا آیا اور دیوار پر چڑھ کر نیچے باہر اتر آیا۔ انہوں نے بیان کیا: ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کا ایک کاشت کار جو غلہ بیچنے مدینہ آیا تھا پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہاں رہتے ہیں؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو وہ میرے پاس آیا اور ملک غسان کا ایک خط مجھے دیا۔ اس خط میں یہ تحریر تھا۔ اما بعد! مجھے معلوم ہوا کہ تمہارے صاحب یعنی (رسول ﷺ) تمہارے ساتھ زیادتی کرنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کوئی ذلیل نہیں پیدا کیا کہ تمہارا حق ضائع کیا جائے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ بہتر سلوک کریں گے۔ جب میں نے یہ خط پڑھا تو میں نے کہا: یہ ایک امتحان آ گیا ہے! میں نے اس خط کو تنور میں جلا دیا۔ ان پچاس دنوں میں سے جب چالیس دن گزر گئے تو رسول اللہ ﷺ کے ایلچی میرے پاس آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی کے قریب نہ جاؤ۔ میں نے پوچھا: میں اسے طلاق دے دوں! یا پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے بتایا کہ نہیں صرف ان سے جدا رہو۔ ان کے قریب نہ جاؤ۔ میرے دونوں ساتھیوں کو جنہوں نے میری طرح معذرت کی تھی، انہیں بھی یہی حکم آپ ﷺ نے بھیجا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: اب اپنے میکے چلی جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملے کا کوئی فیصلہ نہ کر دے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہلال بن امیہ جن کا مقاطعہ ہوا تھا، کی بیوی رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول ﷺ ہلال بن امیہ بہت ہی بوڑھے اور کمزور ہیں۔ ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے، کیا میں ان کی خدمت کر دیا کروں تو آپ ناپسند فرمائیں گے؟ رسول ﷺ نے فرمایا: صرف وہ تم سے صحبت نہ کرے! انہوں نے عرض کی: خدا کی قسم وہ تو حرکت بھی نہیں کر سکتے! جب سے یہ خفگی ان پر ہوئی ہے وہ دن ہے اور آج کا دن ہے ان کے آنسو تھمنے میں نہیں آتے۔ میرے گھر کے بعض لوگوں نے کہا: جس طرح ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرتے رہنے کی اجازت رسول ﷺ نے دے دی ہے، آپ بھی اس طرح کی اجازت رسول ﷺ سے لے لیجئے۔ میں نے کہا: نہیں خدا کی قسم! میں اس کی اجازت نہیں لوں گا، میں جوان ہوں پتہ نہیں جب میں

رسول ﷺ سے اجازت لینے جاؤں تو رسول ﷺ کیا فرمائیں؟اس طرح دس دن اور گزر گئے ۔جب سے رسول ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت فرمائی تھے اس کے پچاس دن پورے ہو گئے ۔پچاسویں رات کی صبح کو جب میں فجر کی نماز پڑھ چکا اور اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔اس طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے،میرا دم گھٹا جا رہا تھا اور زمین تمام وسعتوں کے باوجود میرے لیے تنگ ہوتی جا رہی تھی کہ میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی ۔جبل سلع پر چڑھ کر کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا:اے کعب بن مالک!تمہیں بشارت ہو۔انہوں نے بیان کیا:یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر پڑا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب فراخی ہو جائے گی ۔فجر کی نماز کے بعد رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان کر دیا۔لوگ میرے یہاں بشارت دینے کے لیے آنے لگے اور میرے دو ساتھیوں کو بھی جا کر بشارت دی۔ایک صاحب زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنا گھوڑا دوڑائے آ رہے تھے۔ادھر قبیلہ اسلم کے ایک صحابی نے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی۔ آواز گھوڑے سے زیادہ تیز تھی۔جن صحابی نے سلع پہاڑی پر سے آواز دی تھی،جب وہ میرے پاس بشارت دینے آئے تو اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس بشارت کی خوشی میں میں نے انہیں دے دیے۔خدا کی قسم!اس وقت ان دو کپڑوں کے سوا دینے کے لائق اور میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔پھر میں نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے دو کپڑے مانگ کر پہنے اور رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔جوق در جوق لوگ مجھ سے ملاقات کرتے جاتے تھے اور مجھے توبہ کی قبولیت پر بشارت دیتے جاتے تھے۔کہتے تھے:اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت مبارک ہو۔کعب نے کہا :آخر میں مسجد میں داخل ہوا۔ رسول ﷺ تشریف رکھتے تھے۔ چاروں طرف صحابہ کا مجمع تھا۔سیدنا طلحہ بن عبید رضی اللہ عنہ دوڑ کر میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔خدا کی قسم!وہاں موجود مہاجرین میں سے کوئی بھی ان کے سوا میرے آنے پر کھڑا نہیں ہوا۔طلحہ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا۔سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب میں نے رسول ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:اس مبارک دن کے لیے تمہیں بشارت ہو جو تمہاری عمر کا سب سے مبارک دن ہے۔انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا:یا رسول!یہ بشارت آپ ﷺ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے!فرمایا:نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔رسول ﷺ جب کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرہ مبارک روشن ہو جاتا ایسا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو آپ ﷺ کی مسرت ہم چہرہ مبارک سے سمجھ جاتے تھے۔پھر جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا تو عرض کیا:یا رسول ﷺ!اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں میں اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ مال اپنے پاس بھی رکھ لو!یہ زیادہ بہتر ہے۔میں نے عرض کیا: پھر خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ لوں گا۔پھر میں نے عرض کیا: یا رسول ﷺ!اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی۔اب میں اپنی توبہ کی خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ کے سوا اور کوئی بات زبان پہ نہ لاؤں گا۔پھر خدا کی قسم!جب سے میں نے رسول ﷺ کے سامنے یہ عہد کیا میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جسے اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اتنا نوازا ہو جتنی نوازشات اس کی مجھ پر سچ بولنے کی وجہ سے ہیں۔جب سے میں نے رسول ﷺ کے سامنے یہ عہد کیا پھر آج تک کبھی جھوٹ کا ارادہ نہیں کیا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ

رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ہمارے بارے میں آیت نازل کی تھی۔'' بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی۔اس کے ارشاد ﴿ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ تک'' خدا کی قسم ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی ہدایت کے بعد میری نظر میں رسول ﷺ کے سامنے اس سچ بولنے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا مجھ پر اور کوئی انعام نہیں ہوا کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا اور اس طرح اپنے آپ کو ہلاک نہیں کیا جیسا کہ جھوٹ بولنے والے ہلاک ہو گئے تھے۔نزول وحی کے زمانے میں جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے اتنی شدید وعید فرمائی جتنی شدید کسی دوسرے کے لیے نہیں فرمائی ہوگی۔فرمایا ہے: ﴿ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ﴾ ارشاد ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾ تک۔سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا چنانچہ ہم تین اور لوگوں کے معاملے میں جدا رہے۔جنہوں نے رسول ﷺ کے سامنے قسم کھالی تھی اور آپ ﷺ نے ان کی بات مان بھی لی تھی۔ان سے بیعت بھی لی تھی اور ان کے لیے مغفرت بھی طلب فرمائی تھی۔ہمارا معاملہ رسول ﷺ نے چھوڑ دیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے خود اس کا فیصلہ فرمایا تھا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ﴾ یہی مراد ہے کہ ہمارا مقدمہ ملتوی رکھا گیا اور ہم ڈھیل میں ڈال دیے گئے۔یہ مراد نہیں ہے کہ جہاد سے پیچھے رہ گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پیچھے رہے جنہوں نے قسمیں کھا کر اپنے عذر بیان کئے اور رسول ﷺ نے ان کے عذر قبول کر لیے۔(صحیح بخاری:4418)

سوال 2: جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیوں کیا گیا؟

جواب: اگرچہ یہ لوگ تبوک کے لئے نہ نکلنے کو اپنی غلطی سمجھتے تھے مگر ان کے اندر توبہ کا شدید احساس پہلے مرحلے میں نہیں ابھرا تھا اس لئے ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔

سوال 3: کس احساس کی وجہ سے پیچھے رہنے والوں کو سکون نصیب نہیں ہوتا تھا؟

جواب: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دوری کے احساس نے پیچھے رہنے والوں کو اتنا پریشان کر دیا کہ نہ ان کے دل کے اندر سکون رہا نہ باہر انہیں کوئی سکون کی جگہ نظر آتی تھی۔

سوال 4: توبہ کرنے والے پچاس دن میں توبہ کے مطلوبہ معیار تک کیسے پہنچ گئے؟

جواب: (1) توبہ کرنے والوں نے گھر اور کاروبار میں مشغولیت اختیار نہیں کی۔(2) توبہ کرنے والوں نے بے وفائی کا راستہ اختیار نہیں کیا۔(3) توبہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دوری کے احساس نے پریشان کر دیا۔(4) توبہ کرنے والوں کے لئے سکون کی کوئی جگہ نہ رہی نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا دل پگھل گیا اور وہ توبہ کے مطلوبہ معیار کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔(5) سیدنا عبداللہ بن کعب نے خبر دی کہ (ان کے والد) سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب نابینا ہو گئے تو ان کے بیٹوں میں یہی ان کو راستے میں ساتھ لے کر چلتے تھے۔انہوں نے بیان کیا کہ میں سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کے اس واقعہ کے سلسلے میں سنا جس کے بارے میں آیت'' ﴿ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ﴾ '' نازل ہوئی تھی۔آپ نے آخر میں (نبی ﷺ سے) عرض کیا تھا کہ اپنی توبہ کے قبول ہونے کی خوشی میں اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول کے راستے میں خیرات کرتا ہوں لیکن نبی ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اپنا کچھ تھوڑا مال اپنے پاس ہی رہنے دو یہ تمہارے حق میں بھی بہتر ہے۔(بخاری:4676)

سوال5: ﴿ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ کو کثرت سے قبول فرماتا ہے۔(2)﴿ الرَّحِيمُ ﴾ یعنی وہ اپنے بندوں کے طلب کرنے پر کثرت سے رحمت کرنے والا ہے۔(فتح القدیر:518/2)اللہ تعالیٰ عظیم رحمت والے ہیں جو اپنے بندوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں جس سے ان کے تمام امور انجام پاتے ہیں۔

سوال6: ان آیات کریمہ سے ہمیں کیا راہ نمائی ملتی ہے؟

جواب:(1)(i)ان آیات کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کی توبہ قبول کرنا جلیل ترین مقصد اور بلند ترین منزل ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ کو اپنے خاص بندوں کا مقام ومنزل قرار دیا ہے۔جب بندے ایسے اعمال کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور جن سے وہ راضی ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی منزل سے نوازتا ہے۔(ii)اللہ تبارک وتعالیٰ کا لطف وکرم ان پر سایہ کناں رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو ہلا دینے والے مصائب کے وقت ان کے ایمان میں ثابت قدمی اور استقامت عطا کرتا ہے۔(iii)ان آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ نفس پر شاق گزرنے والی عبادت ایسی فضیلت کی حامل ہوتی ہے جو کسی اور عبادت میں نہیں ہوتی۔عبادت میں مشقت جتنی زیادہ ہوگی اجر اتنا ہی بڑا ہوگا۔(iv)بندے کی اپنے گناہ پر ندامت اور تاسف کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔جو کوئی گناہ کی پروا نہیں کرتا اور گناہ کے ارتکاب پر کوئی حرج محسوس نہیں کرتا، تو اس کی توبہ عیب دار اور کھوکھلی ہے اگرچہ وہ اس زعم میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہے۔(v)جب قلب مخلوق سے کٹ کر کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہو جائے، تو یہ بھلائی اور شدت(تنگی) کے زوال کی علامت ہے۔(vi)ان تینوں اصحاب پر یہ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم تھا کہ اس نے ان کو کسی ایسے وصف سے موصوف نہیں کیا جو ان کے لیے عار کا باعث ہو، چنانچہ فرمایا: **خلفوا** اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہل ایمان ان کو پیچھے چھوڑ گئے تھے یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو ان لوگوں سے پیچھے چھوڑ دیا گیا، جن کو ان کی معذرت کے قبول یا رد کے سلسلے میں علیحدہ کر دیا گیا تھا اور یہ کہ ان کا پیچھے رہ جانا بھلائی سے روگردانی کی بنا پر نہ تھا، اسی لئے **(تخلفوا)** کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔(تفسیر سعدی:1107/2)(2)سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔(i)مومن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں۔منافقین نے غزوہ تبوک کے موقع پر جھوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں اپنی جانیں چھڑا لیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا۔(ii)امیر المومنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔(iii)بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلاء ہو جاتا ہے۔سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے اوپر سے شاہ غسان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری قدر دانی

کریں گے۔(iv) سیدنا کعب رضی اللہ عنہ مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔(v) جب اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز قریب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ جو سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو جواب نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سلام اور کلام کی ممانعت تھی۔(vi) جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلد سے جلد بشارت دینے کی کوشش کی۔اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہوجائے جس کا اسے علم نہ ہو تو اسے بشارت دینی چاہئے اوراس میں جلدی کرنی چاہئے۔(vii) پھر جب سیدنا کعب رضی اللہ عنہ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو صحابہ حضرات نے جوق درجوق ان سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکبادیاں دیتے رہے یہ مبارک بادی توبہ قبول ہونے پر تھی۔معلوم ہوا کہ دینی امور میں اگر کسی کو کامیابی ہوجائے تو اسے مبارک بادی دینا چاہئے۔(viii) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیدنا کعب رضی اللہ عنہ پہنچے تو سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک بادی دی اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مبارک باد کے ساتھ عملی طور پر بھی مبارک باد دینا مستحب ہے۔(ix) آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے نادم ہونے سے توبہ قبول ہوجاتی ہے (اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اقرب الی القبول بنانے کے لیے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے۔سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے توبہ قبول ہوجانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بطور صدقہ اپنا پورا مال خرچ کرنے کی نیت کی ہے یہ نیت اگر پہلے سے تھی تو صلوٰۃ التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیت کی تھی تو بطور ادائے شکر تھی۔(x) سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جزو ہے کہ میں اپنا پورا مال بطور صدقہ خرچ کردوں اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔اس پر انہوں نے کہا تو میں اپنا خیبر والا حصہ روک لیتا ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ پورا مال صدقہ کرکے پریشانی میں نہ پڑا جائے۔البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نیت مان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے بھی یوں کہا جائے گا کہ اپنے اوراپنے بال بچوں کے لیے بقدر ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب مال تیری ملکیت میں آجائے تو جو مال روک لیا تھا اسی جنس کا مال صدقہ کردینا تاکہ نذر پر پوری طرح عمل ہوجائے۔سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی محض نیت تھی اس لیے جتنا مال روک لیا تھا اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔(xi) جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کرلیتا ہے اسے عموماً ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کرلیا تھا اس لیے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔(انوارالبیان: 660,661/2) (3) امام احمد بن جنبل کی نسبت منقول ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت انہیں اس قدر نہیں رلاتی تھی جس قدر یہ آیت اور سیدنا

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت۔اس سے معلوم ہوا کہ:(i)خدمت حق میں تساہل ایک مومن کے لیے کیسا سخت جرم ہے۔(ii)مسلمانوں کی اطاعت وامتثال کا کیا حال تھا کہ جونہی انقطاع علائق کا حکم ہوا،تمام شہر نے بہ یک دفعہ رخ پھرلیا۔چوری چھپے بھی کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا حال خود سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کی زبان سے سن چکے ہو جب انہوں نے کہا،تم تو اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ سچا مسلمان ہوں؟ تو سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے صرف یہی کہا کہ اللہ ورسولہ اعلم۔(ترجمان القرآن:118/2)

رکوع نمبر4

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ(119)﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''(119)

سوال1:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ﴾''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے انہیں ایمان کے تقاضے تقویٰ کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کے احکامات کی اطاعت کرنا اور اور اس کے عذابوں کے خوف سے اس کے نواہی سے اجتناب کر کے تقویٰ اختیار کرنا۔

سوال2:﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾''اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو تقویٰ کا لازمی تقاضا پورا کرنے کا حکم دیا ہے کہ ہمیشہ سچ بولو،اپنے اوپر سچ لازم کرلو،سچے بن جاؤ گے اور تباہیوں سے بچ جاؤ گے۔اللہ تعالیٰ تمہاری پریشانیاں دور کر دے گا اور تمہیں الجھنوں سے نکال دے گا۔(مختصر ابن کثیر:770/1)(2)سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں،آپ ﷺ نے فرمایا:''بے شک سچ آدمی کو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ صدیق کا لقب اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور جھوٹ نافرمانی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اور نافرمانی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی یقیناً جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔(بخاری:6094)(3)سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو ساری دنیا بھی اگر تجھ سے جاتی رہے تو کوئی ڈر نہیں۔امانت کی حفاظت،بات کی سچائی،اخلاق کی خوبی،لقمہ کی پاکیزگی۔(مشکوۃ:445)(4)سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ!میری ایک سوتن ہے اگر میں جھوٹ موٹ(اسے جلانے کے لیے)یوں کہہ دوں کہ شوہر نے مجھے یہ یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں نہ دیا ہو تو کیا اس میں کچھ گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:جس شخص نے جھوٹ یہ ظاہر کیا کہ مجھے یہ چیز دی گئی ہے حالانکہ اسے نہیں دی گئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لیے(یعنی سر سے پاؤں تک وہ جھوٹا ہی جھوٹا ہے۔)(مشکوۃ:281)(5)اصلاح بین الناس یا بعض دیگر موقعوں

پر جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے، وہ مستثنیٰ ہے۔(6) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کی طرف سے مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: جب بولو تو سچ بولو۔ وعدوں کو پورا کرو۔ جو امانتیں تمہارے پاس رکھی جائیں انہیں ادا کرو۔ اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرو۔ اپنی نظروں کو نیچا رکھو۔ اپنے ہاتھوں کو (ظلم اور زیادتی سے) بچائے رکھو۔(مشکوۃ المصابیح:415)(7) سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے۔ میری والدہ نے کہا میں تجھے دے رہی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے کھجور دینے کا ارداہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو اسے کچھ بھی نہ دیتی تو تیرے اعمال نامہ میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔(مشکوٰۃ:416)(8) سیدنا عبداللہ بن کعب بن مالک سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر چلتے تھے (جب وہ نابینا ہو گئے تھے) عبداللہ بن کعب نے بیان کیا کہ میں نے سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ غزوہ تبوک میں اپنی غیر حاضری کا قصہ بیان کر رہے تھے' کہا کہ خدا کی قسم سچ بولنے کا جتنا عمدہ پھل اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا کسی کو نہ دیا ہوگا۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے اس بارے میں سچی بات کہی تھی' اس وقت سے آج تک کبھی جھوٹ کا ارادہ بھی نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل کی تھی کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی پر اور مہاجرین و انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی۔'' آخر آیت ﴿ مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ تک۔(بخاری:4678)(9) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں حاضر نہ ہو سکے اس لیے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں پہلی لڑائی ہی سے غائب رہا جو آپ نے مشرکین کے خلاف لڑی لیکن اب اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کے خلاف کسی لڑائی میں حاضری کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں پھر جب احد کی لڑائی کا موقع آیا اور مسلمان بھاگ نکلے تو انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! جو کچھ مسلمانوں نے کیا میں اس سے معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ ان مشرکین نے کیا ہے میں اس سے بے زار ہوں۔ پھر وہ آگے (مشرکین کی طرف) بڑھے تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سامنا ہوا۔ ان سے سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ! میں تو جنت میں جانا چاہتا ہوں اور نضر (ان کے باپ) کے رب کی قسم! میں جنت کی خوشبو احد پہاڑ کے قریب پاتا ہوں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو انہوں نے کر دکھایا اس کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس کے بعد جب انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو ہم نے پایا تو تلوار نیزے اور تیر کے تقریباً اسی زخم ان کے جسم پر تھے' وہ شہید ہو چکے تھے۔ مشرکوں نے ان کے اعضاء کاٹ دیے تھے اور کوئی شخص انہیں پہچان نہ سکا تھا۔ صرف ان کی بہن انگلیوں سے انہیں پہچان سکی تھیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم سمجھتے ہیں (یا آپ نے نریٰ کے بجائے نظن کہا) مطلب ایک ہی ہے کہ یہ آیت ان کے اور ان جیسے مومنین کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ ''مومنوں میں کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اس وعدے کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا'' آخر آیت تک۔ (بخاری:2805)(10) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: نیت میں سچ، عمل میں سچ، رات اور دن سچ اور کھلے چھپے سچ بولو۔(ابن ابی حاتم:1907/6)

(11) یعنی ان لوگوں کے ساتھ رہو جو اپنے اقوال، افعال اور احوال میں سچے ہیں۔ جن کے اقوال سچے ہیں، جن کے اعمال واحوال صدق پر مبنی ہیں، جو کسل مندی اور فتور سے خالی اور برے مقاصد سے محفوظ ہیں، جو اخلاص اور نیک نیتی پر مشتمل ہیں۔ صدق نیکی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ﴾ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ (المائدہ:119) (تفسیر سعدی:1107,1108/2)

﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ(120)﴾

''اہل مدینہ اور اردگرد کے دیہاتیوں کو زیبا نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول سے پیچھے رہتے اور نہ یہ کہ وہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے عزیز رکھتے یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ کوئی پیاس اور نہ کوئی تھکاوٹ اور نہ کوئی بھوک انہیں پہنچتی ہے اور نہ وہ کوئی قدم رکھتے ہیں جو کافروں کو غصہ دلائے اور نہ وہ کسی دشمن سے کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں مگر اس کے بدلے میں ان کے لئے ایک عمل صالح لکھ دیا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (120)

سوال 1: ﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ﴾ ''اہل مدینہ اور اردگرد کے دیہاتیوں کو زیبا نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول سے پیچھے رہتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ﴾ ''اہل مدینہ کو زیبا نہ تھا'' مدینہ کے رہنے والے مہاجرین اور انصار۔ (2) ﴿وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ﴾ ''اور اردگرد کے دیہاتیوں کو'' مدینہ کے اردگرد رہنے والے بدو جیسے مزینہ، جہینہ، غفار، اشجع اور اسلم وغیرہ۔ (3) ﴿اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ﴾ ''کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول سے پیچھے رہتے'' جو لوگ جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہے، ان کو یہ بات زیب نہیں دیتی، نہ ان کے حالات کے مناسب ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہتے۔ ان پر نبی ﷺ کی اتباع اور جہاد واجب ہے۔

سوال 2: ﴿وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ ''اور نہ یہ کہ وہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے عزیز رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ ''اور نہ یہ کہ وہ اپنی جانوں کو اس کی جان سے عزیز رکھتے'' یعنی ان کے لائق نہیں تھا کہ وہ اپنے نفوس کی راحت اور آرام کو رسول اللہ ﷺ کی تھکاوٹ اور مشقت سے ترجیح دیتے۔ (2) وہ اپنے نفس کی تو حفاظت کریں لیکن نبی ﷺ کے نفس زکیہ وکریم کی حفاظت سے روگردانی کریں۔ (3) اس کے برعکس ان کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ اہل ایمان کو اپنی

جانوں سے زیادہ عزیز ہوں۔(4) ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو اپنی ذات پر مقدم رکھے اور آپ پر اپنی جان قربان کردے۔(5) رسول اللہ ﷺ کی تعظیم، آپ ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ پر کامل ایمان کی علامت یہ ہے کہ اہل ایمان آپ کو چھوڑ کر پیچھے نہ رہیں۔(تفسیر سعدی:1108,1109/2)

سوال3: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ﴾ ''یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ کوئی پیاس اور نہ کوئی تھکاوٹ اور نہ کوئی بھوک انہیں پہنچتی ہے اور نہ وہ کوئی قدم رکھتے ہیں جو کافروں کو غصہ دلائے اور نہ وہ کسی دشمن سے کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں مگر اس کے بدلے میں ان کے لئے ایک عمل صالح لکھ دیا جاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ رب العزت نے اس ثواب کی امید کا ذکر فرمایا جو جہاد پر نکلنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔(2) ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ ﴾ ''یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ''یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے۔(3) ﴿ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ ﴾ ''انہیں نہ کوئی پیاس اور نہ کوئی تھکاوٹ پہنچتی ہے''یعنی تھکاوٹ اور مشقت۔(4) ﴿ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور نہ کوئی بھوک اللہ تعالیٰ کی راہ میں''یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں شدید بھوک۔(5) ﴿ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ ﴾ ''اور نہ وہ کوئی قدم رکھتے ہیں جو کافروں کو غصہ دلائے''یعنی دشمن کے گھروں میں گھس جانے اور ان کے علاقوں پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے جو کافروں کو غصہ دلائے۔(6) ﴿ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا ﴾ ''اور نہ وہ کسی دشمن سے کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں''یعنی دشمن سے جو چیز بھی وہ چھینتے ہیں مثلاً قیدی، مقتول یا مال غنیمت یا فتح ونصرت۔(7) ﴿ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ﴾ ''مگر اس کے بدلے میں ان کے لئے ایک عمل صالح لکھ دیا جاتا ہے''یعنی ان کے لیے ان میں سے ہر عمل کے بدلے عمل صالح لکھا جاتا۔(8) یہ وہ اعمال ہیں جن پر مجاہدوں نے اجر پایا اور رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہنے والے یہ کھو بیٹھے۔(9) ان کے لائق نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہتے اور یہ اجر عظیم گنوا دیتے۔ بھوک کا اجر، پیاس کا اجر، تھکاوٹ کا اجر، مشقت کا اجر، دشمنوں کے گھروں میں گھسنے کا اجر، ان کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا اجر، کسی منزل پر ٹھہرنے کی وجہ سے دشمن پر جو رعب پڑتا تھا اس کا اجر، فتح ونصرت کا اجر، قیدی بنانے کا اجر، دشمن کو قتل کرنے کا اجر۔ یہ سارے اجر پیچھے رہ جانے والوں نے کھو دیے۔

سوال4: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ **''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''** کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ اخلاص والوں کے اعمال ضائع نہیں کرتا۔(2) اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کبھی ضائع نہیں کرتے جو احسن طریقے سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرتے ہیں۔(3) جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں۔(4) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو فرمایا کہ مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو پورے سفر میں تمہاری ساتھی تھے تم جو بھی راستہ چلو اور جس میدان کو بھی تم نے قطع کیا وہ لوگ تمہارے ساتھ ہی رہے۔(یعنی اجر وثواب میں وہ بھی

تمہارے برابر کے شریک ہیں) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی ہمارے ساتھی تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی تمہارے ساتھی تھے وہ عذر کی وجہ سے رک گئے تھے۔ (بخاری: 2/637)

﴿وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ(121)﴾

''اور نہ وہ کوئی چھوٹا خرچ کرتے ہیں اور نہ کوئی بڑا، اور نہ کوئی وادی وہ طے کرتے ہیں مگر وہ ان کے لیے لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا دے جو وہ عمل کرتے تھے۔'' (121)

سوال 1: ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ﴾ ''اور نہ وہ کوئی چھوٹا خرچ کرتے ہیں اور نہ کوئی بڑا، اور نہ کوئی وادی وہ طے کرتے ہیں مگر وہ ان کے لیے لکھ دیا جاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً﴾ اور نہیں خرچ کرتے وہ کوئی خرچ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔ (2) ﴿صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً﴾ یعنی کم یا زیادہ مثلاً کم خرچ جیسے ایک کھجور اور زیادہ خرچ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسا جنہوں نے جیش عسرہ کے لیے ساز و سامان مہیا کیا تھا۔ (3) ﴿وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا﴾ ''اور نہ کوئی وادی وہ طے کرتے ہیں'' یعنی مجاہد دشمن کی طرف جانے کے لیے کوئی میدان طے کرتا ہے اتنا ہی اس کے لیے اجر لکھا جاتا ہے۔ جتنا مجاہد گھر سے دور ہوتا جاتا ہے اتنا اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ (4) صرف جنگ کرنا اور ہتھیار چلانا ہی جہاد نہیں ہے اس راہ میں جو تکلیفیں آنے جانے میں پیش آئیں بھوک، پیاس، دکھن، قدم اٹھانا، خرچ کرنا، وادیوں کو قطع کرنا ان سب میں ثواب ہے۔ (انوار البیان: 2/666) (5) مجاہد اللہ تعالیٰ کے راستے میں تھوڑا خرچ کریں یا زیادہ اور دشمن کی طرف بڑھنے کے لیے کوئی قدم اٹھائیں ان کے لیے لکھ لیا جاتا ہے۔ (6) اس آیت کی رو سے امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو بھرپور اجر نصیب ہوا جیسا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن حباب سلمی سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چندہ دینے کی ترغیب دی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''میں ایک سو اونٹ پالان سمیت چندہ دیتا ہوں''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے ایک سیڑھی نیچے اتر کر پھر اپیل کی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''' میں مزید ایک سو اونٹ پالان سمیت دیتا ہوں۔'' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب اور خوشی سے اپنا ہاتھ ہلایا۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی گناہ کا خطرہ نہیں۔ (عبداللہ بن امام احمد) انہوں نے اس موقع پر ایک ہزار اشرفیاں بھی لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں الٹ پلٹ کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ آج کے بعد ابن عفان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشرفیاں اسی جنگ پر خرچ کیں۔ (ابن کثیر)

سوال 2: ﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا دے جو وہ عمل کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا دے جو وہ عمل کرتے تھے''اس میں یہ سارے اعمال بھی شامل ہیں جب ان میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہو۔(2)ان آیات میں جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے اور جہاد میں پہنچنے والی تکالیف پر ثواب کی امید دلائی گئی ہے نیز یہ کہ جہاد ان کے لئے ترقی درجات کا باعث ہے۔نیز ان آیات کریمہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ بندہ مومن کے عمل پر مترتب ہونے والے آثار میں بہت بڑا اجر ہے۔(تفسیر سعدی:1109/2) (3) سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نکیل پڑی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اس کے عوض تجھے سات سو نکیل پڑی اونٹیاں ملیں گی۔(تفسیر مظہری:291/5)(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا خواہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ جہاد کرے یا اسی جگہ پڑا رہے جہاں پیدا ہوا تھا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ''جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں،ان کے دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں ہے۔اس لیے جب اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا سب سے درمیانی درجہ ہے اور جنت کے سب سے بلند درجے پر ہے۔''یحییٰ بن صالح نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں، یوں کہا کہ''اس کے اوپر پروردگار کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔''محمد بن فلیح نے اپنے والد سے وفوقہ عرش الرحمن ہی کی روایت کی ہے۔(بخاری:2790)(5) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب زرہ پہنے حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں پہلے جنگ میں شریک ہو جاؤں یا پہلے اسلام لاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے اسلام لاؤ پھر جنگ میں شریک ہونا۔چنانچہ وہ پہلے اسلام لائے اور اس کے بعد جنگ میں شہید ہوئے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمل کم کیا لیکن اجر بہت پایا۔(بخاری: 2808)(6) سیدنا شداد بن ہاد سے روایت ہے کہ ایک شخص جنگل کا رہنے والا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور ایمان لایا اور آپ کے ساتھ ہوا پھر کہنے لگا میں آپ کے ساتھ ہجرت کروں گا نبی ﷺ نے اس کے لیے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو وصیت کی۔جب غزوۂ غنم ہوا (یعنی جس لڑائی میں مسلمانوں کو بکریاں ہاتھ آئیں) تو نبی ﷺ نے ان بکریوں کو تقسیم کیا اور اس کا بھی حصہ لگایا۔آپ ﷺ کے اصحاب نے اس کا حصہ اس کو دیا۔وہ ان کے سواری کے جانور چرایا کرتا تھا۔جب اس کا حصہ دینے کو آئے تو اس نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ تیرا حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے تجھ کو دیا ہے۔اس نے لے لیا اور اس کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تیرا حصہ میں نے دیا ہے۔اس نے کہا کہ میں اس لیے آپ ﷺ کے ساتھ نہیں ہوا تھا بلکہ میں نے آپ کی پیروی اس لیے کی ہے کہ میری اس جگہ پر اور حلق کو بتلایا تیر مارا جائے (یعنی لڑائی میں) اور پھر میں مروں اور جنت میں جاؤں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اللہ تعالیٰ کو سچا کرے گا اللہ تعالیٰ بھی تجھے سچا کرے گا (یعنی پورا کرے گا) پھر لوگ تھوڑی دیر تک ٹھہرے۔اس کے بعد دشمن سے

لڑنے کے لیے اٹھے (اورلڑائی شروع ہوئی) لوگ اس کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔اس کو تیر لگا تھا اسی جگہ جہاں اس نے بتلایا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ وہی شخص ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اس نے سچ کیا (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو صفات مجاہدین کی بیان فرمائی ہیں ان سب کو اس نے سچ کیا) تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو سچا کیا (یعنی اس کی مراد پوری ہوئی یہ شہید ہوا) پھر آپ ﷺ نے اپنے جبے کا کفن اس کو دیا اور اس کے آگے رکھا اور اس پر نماز پڑھی تو جتنا آپ ﷺ کی نماز میں سے لوگوں کو سنائی دیا تھا وہ یہ تھا آپ ﷺ فرماتے تھے: ''یا اللہ یہ تیرا بندہ ہے تیری راہ میں ہجرت کرکے نکلا اور شہید ہوگیا۔میں اس بات کا گواہ ہوں۔'' (نسائی:1955)

﴿وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ(122)﴾

''اور یہ ممکن نہیں ہے کہ سارے کے سارے اہل ایمان ہی نکل جائیں،سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلے تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تاکہ وہ بچ جائیں۔'' (122)

سوال 1: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ ''اور یہ ممکن نہیں ہے کہ سارے کے سارے اہل ایمان ہی نکل جائیں،سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلے تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تاکہ وہ بچ جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یہ آیت طلب علم کے واجب ہونے کی بنیاد ہے۔(2) یہ طلب علم اور تفقہ فی الدین کے لیے نکلنے کی مشروعیت کا مستقل حکم ہے۔(تفسیر قرطبی:2/171,172) (3) ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ ''اور یہ ممکن نہیں ہے کہ سارے کے سارے اہل ایمان ہی نکل جائیں''،یعنی یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سارے مومن دشمن کے خلاف جنگ کے لیے نکل جائیں اس طرح تو سارے مصالح فوت ہوجائیں گے۔(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو تنہا چھوڑ کر تمام مسلمانوں کو جہاد کے لیے نکل جانا لائق نہیں۔البتہ ہر قبیلے میں سے کچھ لوگ آپ ﷺ سے اجازت لے جائیں۔پھر جب یہ لوگ واپس آجائیں تو ان کے بعد جو قرآن اترا ہے اسے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ گھروں میں تھے انہیں سکھا دیں اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیات اتاری ہیں جو ہم نے یاد کرلی ہیں اور آپ ﷺ سے سیکھ لی ہیں۔پھر دوسرے چلے جائیں۔غرض یہ کہ کچھ لوگ جائیں اور کچھ علم دین سیکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں اور جب مجاہد آئیں تو انہیں سکھا دیں۔یہی سلسلہ قائم رہنا چاہیے تاکہ نہ جاننے والوں کو بھی دینی مسائل کا علم ہوجائے۔(مختصر ابن کثیر:1/772) (5) ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ''سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلے''،یعنی شہروں،قبیلوں اور خاندانوں میں سے طَآىِٕفَةٌ ایک حصہ جس سے ان کا مقصد اور کفایت حاصل ہوجاتی تو بہتر تھا۔(تفسیر سعدی:2/1110) (6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

ایک اور روایت بھی ہے کہ عرب کے ہر قبیلے سے ایک جماعت آتی اور دینی مسائل سیکھ کر اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا شوق دلاتی۔انہیں نماز اور زکوٰۃ کے مسائل سکھاتی اور ان سے کہہ دیتی کہ جو مسلمان ہو جائے وہ ہمارا ہے۔ورنہ ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں اس سلسلے میں وہ کافر ماں باپ کو بھی چھوڑ بیٹھے تھے۔یہ لوگ آپ ﷺ سے دینی مسائل سیکھتے اور اپنی قوم کو جا کر بے دار کرتے۔انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراتے اور مسلمانوں کو خوش خبریاں سناتے۔(مختصر ابن کثیر:772/1)(7) مدینہ اور دیگر مسلمان بستیوں کو خالی کر کے سبھی لوگ نہ چلے جائیں، بلکہ ہر بڑی جماعت سے ایک گروہ جہاد کے لیے نکلے،جن سے جہاد کی ضرورت پوری ہو،اور کچھ لوگ اپنے شہر اور بستی میں بھی رہیں تاکہ مجاہدین کے گھر والوں کی دیکھ بھال کریں،ان کی ضرورتیں پوری کریں،اور شہر کی بھی نگرانی کرتے رہیں،اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لیے جائیں وہ جہاد کی کاروائیوں کے ساتھ ساتھ ان کی صحبت سے علمی فائدہ اٹھائیں،قرآن وسنت کا علم حاصل کرتے رہیں،اور جب اپنی اپنی بستیوں اور شہروں میں واپس پہنچیں تو جو کچھ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے،باقی ماندہ لوگوں کو سکھائیں۔(تیسیر الرحمٰن:597,598/1)(8) پوری قوم بیک وقت علم دین حاصل کرنے کے لیے نہ نکلے، ہر جماعت اور ہر قبیلہ کے چند افراد کو علم دین حاصل کرنا ضروری ہے اور علماء کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے برے نتائج سے ڈرائیں۔(دعوۃ القرآن:653/2)(9) سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس حال میں موت آگئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم طلب کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک ہی درجے کا فرق ہوگا۔(سنن دارمی:85/1)(10) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:اس ہدایت اور علم کی مثال،جس کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے،مثل تیز بارش کے ہے جو زمین پر برسے،تو جو زمین صاف ہوتی ہے وہ پانی کو جذب کر لیتی ہے پھر اس سے بہت سارا چارا اور گھاس اگتی ہے اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی روک لیتی ہے۔پھر اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ (اس کو) پیتے ہیں اور (اپنے جانوروں کو) پلاتے ہیں اور زراعت (کو سیراب) کرتے ہیں اور کچھ بارش (زمین کے) دوسرے حصہ کو پہنچی کہ جو بالکل چٹیل میدان ہے نہ پانی کو روکتا ہے اور نہ سبزہ اگاتا ہے۔پس یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ حاصل کی اور جس چیز کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے،اس کو فائدہ دے اور وہ (اس کو) پڑھے اور پڑھائے اور مثال اس شخص کی جس نے اس کی طرف سر (تک) نہ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو،جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں قبول نہ کیا۔(بے آب بنجر زمین اور چٹیل میدان کی ہے)(بخاری: کتاب العلم:79)(11) ﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ ”تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں“یعنی دین کے احکامات اور شریعت کے اسرار سیکھتے۔(ایسر التفاسیر:586)اس سے مراد پیچھے بیٹھ رہنے والے ہیں۔(12) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دعا دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا: **اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ**۔کہ اے اللہ اسے دین کی سمجھ نصیب فرما۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **تفقهوا قبل ان تسودوا**۔یعنی اس سے پہلے کہ تمہیں سرداری سپرد کی جائے تم دین کی سمجھ حاصل کرو۔(یعنی نوعمری ہی سے فقہ

میں لگنا چاہیے) (بخاری:17/1) (13) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ لوگ تمہارے تابع ہوں گے (یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب ہے) اور بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کے دور دراز گوشوں سے آئیں گے تاکہ وہ فقہ فی الدین حاصل کریں سو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھی طرح پیش آنا میں تمہیں اس کی وصیت کرتا ہوں۔ راوی حدیث سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس پہنچتا تو فرماتے تھے **مَــرْحَبًـــا بِـوَصِيَّـةِ رَسُـوْلِ اللهِ** ﷺ کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ (ترمذی: ابواب العلم) (14) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس طرح پاؤ گے جیسے (سونے چاندی کی) کانیں ہوتی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر مختلف قسم کی قوت اور استعداد رکھی ہے) جاہلیت کے زمانہ میں جو لوگ (مکارم الاخلاق اور محاسن الاعمال کے اعتبار سے) بہتر تھے اسلام میں بھی وہ بہتر ہوں گے جب کہ وہ فقیہ ہو جائیں۔ (مسلم:307) (15) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور اسے دوسروں تک پہنچائے کیونکہ بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کو پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح:35) (16) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خطبہ میں فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گی اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا انھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے)۔'' (بخاری:71) (17) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ (معدنی) کانوں کی مثل ہیں، ان میں جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔'' (بخاری: 3493) (18) ﴿ **وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ** ﴾ ''اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تاکہ وہ بچ جائیں''، تاکہ وہ علم شریعت حاصل کرتے، اس کے معانی کی معرفت حاصل کرتے اور پھر دوسروں کو تعلیم دیتے اور جب واپس لوٹتے تو اپنی قوم کو ڈراتے۔ اس سے علم کی فضیلت مستفاد ہوتی ہے خاص طور پر دین میں سمجھ کی فضیلت، نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تفقہ فی الدین بہت اہم معاملہ ہے، اس آیت کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو کوئی کسی قسم کا علم حاصل کرتا ہے تو اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس علم کو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں پھیلائے۔ اس بارے میں ان کے ساتھ خیر خواہی کرے، کیونکہ عالم سے علم کا پھیلنا اس کی برکت اور اس کا اجر ہے جو بڑھتا رہتا ہے۔ رہا عالم کا اپنے آپ پر اقتصار کرنا، حکمت و دانائی اور بہترین نصیحت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت نہ دینا، جہال کو ان امور کی تعلیم دینا ترک کر دینا جو وہ نہیں جانتے تو اس کے علم سے مسلمانوں کو کون سا فائدہ حاصل ہوا اور اس کے علم کا کیا نتیجہ نکلا؟ بس اس کی انتہا یہ ہے کہ اس عالم کے مرجانے کے ساتھ اس کا علم بھی موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔ یہ اس شخص کی

حرماں نصیبی کی انتہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم وفہم سے نوازا۔ نیز اس آیت کریمہ میں ایک اہم فائدہ کی طرف راہ نمائی اور نہایت لطیف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مصالح عامہ میں سے ہر مصلحت کے لیے کچھ لوگوں کو تیار کریں جو ان مصالح کا انتظام کریں اور ان مصالح کے حصول کے لیے ہمہ وقت جدوجہد کریں اور وہ دیگر امور کی طرف التفات نہ کریں، تاکہ ان مصالح کا اچھی طرح انتظام ہو، تاکہ مسلمانوں کے مفادات کی تکمیل ہو اور تمام مسلمانوں کا مقصد ایک ہو اور وہ ہے ان کے دین و دنیا کے مصالح کا قیام۔ اگرچہ راستے مختلف ہوں، مشرب متعدد ہوں، کام ایک دوسرے سے جدا ہوں، مگر مقصد ایک ہو۔ تمام امور میں یہ عام حکمت نافعہ ہے۔ (تفسیر سعدی:1110/2)

(19) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد سے واپس پلٹنے والے غازیوں کو ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرائیں، جہاد سے پیچھے رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جو ناراضگی اور غصہ ہے اس سے مسلمانوں کو آگاہ کریں۔ منافقین جہاد سے پیچھے رہتے تھے، ان کے طرز عمل کو اختیار کرنے سے لوگوں کو بچائیں، دن رات دعوت دین میں مصروف رہیں۔ لوگوں کو جہاد کے لئے ابھاریں، جہاد کے محاذوں پر جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کا دین سیکھا ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد کو اپنی آنکھوں سے اترتے دیکھا ہے وہ بیان کریں تاکہ پوری قوم غلبہ دین کے لیے اٹھ کھڑی ہو اور آخرت کے عذاب سے ڈر کر جہادی راہوں کو اختیار کرے۔ (دعوۃ القرآن:653/2) (20) ﴿لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ ''تاکہ وہ بچ جائیں''، یعنی علم اور عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ (ایسر التفاسیر:586) پھر وہ اپنے اعمال کی اصلاح کریں۔ (تفسیر قاسمی:359/8)

رکوع نمبر:5

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ(123)﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کے ساتھ لڑو کافروں میں سے جو تمہارے قریب ہیں اور لازم ہے کہ وہ تم میں کچھ سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔'' (123)

سوال 1: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کے ساتھ لڑو کافروں میں سے جو تمہارے قریب ہیں اور لازم ہے کہ وہ تم میں کچھ سختی پائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ یعنی اے لوگو! جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور اس کے وعدوں اور اس کی وعیدوں پر ایمان لائے۔ (ایسر التفاسیر:587,588) (2) ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ﴾ ''ان لوگوں کے ساتھ لڑو کافروں میں سے جو تمہارے قریب ہیں'' قریب کے کافروں سے مراد منافق اور کافر ہمسائے ہیں۔ (3) جنگی معاملات کی تدبیر میں اہل ایمان کی راہ نمائی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امر کی راہ

نمائی فرمائی ہے کہ ان کفار سے ابتدا کی جائے جو سب سے قریب ہیں۔ان سے سخت رویہ رکھا جائے اور جنگ میں ان کا نہایت سختی، بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔(تفسیر سعدی:1111/2)

سوال 2: ﴿ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ** ﴾ ''اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً متقی لوگوں کے ساتھ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے متقیوں کے ساتھ ہے۔(2)یعنی تمہیں یہ علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد تقویٰ کے مطابق نازل ہوتی ہے،اس لئے تقویٰ کا التزام کرو،اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے دشمن کے خلاف تمہیں نصرت سے نوازے گا۔(تفسیر سعدی:1111/2)(3)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا پھر داؤد کی طرح ذکر کی اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کی طرف دیکھتا ہے اور نہ ہی تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کیا۔(مسلم:6542)(4)متقی اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔رب العزت نے فرمایا:﴿ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ** ﴾بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔(التوبہ:4)﴿ **وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ** ﴾اور اللہ تعالیٰ متقیوں کا دوست ہے۔(الجاثیہ:19)(5)قبولیت اہل تقویٰ ہی کو حاصل ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ **اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ** ﴾بے شک اللہ تعالیٰ تو صرف متقیوں ہی سے قبول کرتا ہے۔(المائدہ:27)

﴿ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ(124) ﴾

''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے،سو ان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔''(124)

سوال 1: ﴿ **وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا** ﴾ ''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ** ﴾''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے'' منافقوں کا قرآن حکیم کے نزول پر جو حال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے جس میں اوامر و نواہی نازل کیے گئے ہوں یا محمد ﷺ کے بارے میں خبر دی گئی ہو یا جہاد کی ترغیب دی گئی ہو۔(2)﴿ **فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ** ﴾''تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں'' منافقین کہتے ہیں۔(3)﴿ **اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا** ﴾''کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟'' یعنی اس بات کی تصدیق کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یقیناً محمد ﷺ اپنی نبوت میں سچے ہیں۔(تفسیر منیر:86/6)(4)جب کوئی آیت اترتی ہے تو منافق آپس میں کہتے ہیں

کہ اس سے کس کا ایمان بڑھا ہے؟(مختصر ابن کثیر:773/1)

سوال2: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ ''چنانچہ جولوگ ایمان لائے،سوان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''چنانچہ جولوگ ایمان لائے،سوان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں''اس سورت کے علم،اس کے فہم،اس پر اعتقاد،اس پر عمل، بھلائی کے کام میں رغبت اور برائی کے کام سے رکنے کے ذریعے سے ان لوگوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے جو اہل ایمان ہیں۔(تفسیر سعدی:1112/2)(2)رب العزت کا فرمان ہے:﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ بلاشبہ مومن وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ ان کو ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر اعتماد کرتے ہیں۔(الانفال:2)(3)سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایمان جب قلب میں آتا ہے تو ایک سفید نورانی نقطہ جیسا ہوتا ہے، پھر جوں جوں ایمان میں ترقی ہوتی ہے یوں یہ سفیدی بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ سارا قلب نورانی ہوجاتا ہے،اسی طرح کفر ونفاق شروع میں ایک سیاہ داغ کی طرح قلب پر لگتا ہے، پھر جوں جوں معاصی کا ارتکاب اور کفر کی شدت بڑھتی جاتی ہے نقطہ بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ پورا قلب سیاہ ہوجاتا ہے۔(تفسیر مظہری)(4)اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو کہا کرتے تھے کہ کچھ دیر مل کر بیٹھو، دین اور آخرت کی باتوں کا مذاکرہ کرو تا کہ ہمارا ایمان بڑھے۔(معارف القرآن:494/4)(5)﴿وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾''اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں''یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو جو اپنی آیات سے نوازا ہے اور ان کا فہم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق بخشی ہے اس پر وہ ایک دوسرے کو خوش خبری دیتے ہیں۔ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اہل ایمان کو آیات الٰہی پر انشراح صدر، اطمینان قلب اور سرعت اطاعت حاصل ہے، کیونکہ یہ آیات ان کو اس امر کی ترغیب دیتی ہیں۔(تفسیر سعدی:1112/2)

﴿وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ(125)﴾

''لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو گندگی میں اور گندگی کے ساتھ زیادہ کر دیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔''(125)

سوال1: ﴿وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ ''لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو گندگی میں اور گندگی کے ساتھ زیادہ کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾''لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے''یعنی جن کے دلوں میں شک،کفر اور نفاق

ہے، جن کا اعتقاد کمزور ہے۔(تفسیر منیر:88/6)(2)﴿ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا ﴾ ''تو اس نے ان کو گندگی میں زیادہ کر دیا'' یعنی ان کے دلوں اور نفوس کی گندگی میں اضافہ ہوتا ہے یعنی شک اور نفاق میں اضافہ ہوتا ہے۔(3)﴿ رِجۡسًا اِلٰی رِجۡسِهِمۡ ﴾ ان کے کفر اور نفاق پر کفر کا اضافہ ہوتا ہے۔(4) ان کے مرض کے ساتھ مرض اور ان کے شک کے ساتھ مزید شک کا اضافہ ہوتا گیا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔ ان کے خلاف عناد رکھا اور ان سے روگردانی کی تھی۔ بنابریں ان کا مرض بڑھ گیا تو اس مرض نے ان کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔(تفسیر سعدی:1112/2)(5) رب العزت نے اس کتاب کے دو گروہوں پر ہونے والے اثرات کے بارے میں واضح فرمایا:﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا خَسَارًا ﴾ اور ہم اس قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور جو ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔(بنی اسرائیل:82)(6)﴿ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِيًّا لَّقَالُوۡا لَوۡلَا فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعۡجَمِىٌّ وَّعَرَبِىٌّ ؕ قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ﴾ اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے تو وہ کہتے کہ کیوں نہ اس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا عجمی (کلام) اور عربی (رسول)؟ آپ کہہ دیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں یہ (قرآن) ان کے لئے ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے یہ ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان کے حق میں اندھاپن ہے، یہی لوگ ہیں جنہیں دور کی جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔(فصلت:44)

سوال 2:﴿ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴾ ''اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ ان کے لیے سزا ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا، اس کے رسول کی نافرمانی کی اس لئے اس کی پاداش میں اس دن تک کے لیے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا، جس روز وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے۔(تفسیر سعدی:1112/2)

﴿ اَوَ لَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِىۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ ثُمَّ لَا يَتُوۡبُوۡنَ وَ لَا هُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ(126) ﴾

''اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ یقیناً ایک بار یا دو بار وہ ہر سال آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں؟ پھر بھی وہ نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''(126)

سوال 1:﴿ اَوَلَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِىۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ ﴾ ''اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ یقیناً ایک بار یا دو بار وہ ہر سال آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) یعنی کیا ان منافقوں کو معلوم نہیں کہ انہیں سال میں ایک یا دو بار آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، ان کو امراض بھوک یا قحط لاحق ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے احکامات کے ذریعے سے انہیں آزمایا جاتا ہے۔(2) قریش پر اللہ تعالیٰ نے قحط سالی کا عذاب مسلط کیا۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے پہلے بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب قریش نے آپ ﷺ کی مخالفت کی تو آپ ﷺ نے انہیں بدعا

دی کہ اللہ تعالیٰ کو سات سال تک قحط میں مبتلا رکھ' جس طرح تو نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال تک مستقل قحط کو قائم رکھا تھا
چنانچہ ان پر ایسا قحط پڑا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے مردار اور چمڑے کھائے' یہاں تک کہ جب لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو وہ ان کو
دھوئیں کی طرح نظر آتا تھا' یہ حالت دیکھ کر ابوسفیان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور صلہ رحمی
کا حکم دیتے ہو' حالانکہ خود تمہاری قوم تباہ ہو رہی ہے۔ اس کے لیے خدا سے دعا کرو' آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی جس نے قحط کی
مصیبت کو دور کر دیا' اس کے بعد پھر قریش نے حسب دستور آپ ﷺ کی مخالفت شروع کی تو قیام مکہ ہی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے
آپ ﷺ کی زبان سے یہ پیشین گوئی قریش کو سنائی کہ آئندہ اس کا انتقام ایک اور سخت گرفت سے لیا جائے گا' وہ گرفت بدر کی لڑائی تھی
چنانچہ سورۃ دخان کی ان آیتوں میں اسی واقعہ کا ذکر ہے: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝١٠ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝١١
رَّبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝١٢ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝١٣ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝١٤ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ
قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝١٥ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنتَقِمُونَ﴾ چنانچہ آپ انتظار کریں اس دن کا جب آسمان واضح دھواں لے آئے
گا۔ وہ لوگوں پر چھا جائے گا، یہ ہے دردناک عذاب۔ اے ہمارے رب! ہم پر سے عذاب ہٹا دے، یقیناً ہم ایمان لانے والے ہیں۔ ان
کے لیے نصیحت کہاں؟ حالانکہ بلاشبہ ان کے پاس وضاحت سے بیان کرنے والا رسول آچکا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اس سے منہ موڑا اور کہا:
''سکھایا ہوا دیوانہ ہے'' یقیناً ہم کچھ وقت کے لیے عذاب ہٹانے والے ہیں، بے شک تم دوبارہ وہی کرنے والے ہو۔ جس دن ہم بڑی پکڑ
پکڑیں گے، یقیناً ہم انتقام لینے والے ہیں۔ (الدخان:10،16)(سیرۃ النبی:352,353/3)(3) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں دل کی حساسیت کو
بڑھانے کے لیے آتی ہیں۔ آزمائشیں اس لیے آتی ہیں تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی باتوں کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کے قابل ہو جائے۔ ہر سال آنے
والی آزمائشیں انسان کو اپنی بے بسی کی یاد دلاتی ہیں۔ ہر سال آنے والی آزمائشیں انسان کو آخرت کے معاملے میں دنیا کی بے ثباتی اور بے
وقعتی کو یاد دلاتی ہیں۔

سوال2: ﴿ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ ''پھر بھی وہ نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ﴾ ''پھر بھی وہ نہ توبہ کرتے ہیں'' پھر بھی وہ ان برائیوں سے توبہ نہیں کرتے۔ (2) ﴿وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ ''اور
نہ ہی وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں''، یعنی انہیں سمجھ نہیں آتی کہ کون سی چیز انہیں فائدہ دیتی ہے کہ اسے اختیار کریں اور کیا چیز نقصان دیتی ہے کہ
اسے ترک کر دیں۔ (3) توبہ تذکر کے نتیجے کا نام ہے۔ (i) تذکر کا مطلب ہے سبق لینا ایک چیز کو دوسری چیز سے مربوط کر کے دیکھنا۔ (ii)
ایک واقعے کو دوسرے واقعے سے جوڑ کر دیکھنا۔ (iii) ظاہری واقعات میں پوشیدہ واقعات کو دیکھنا۔ (iv) وہ واقعات جو ابھی پیش نہیں آئے
ان کو پیش آنے والی چیزوں کے آئینے میں پڑھ کر دیکھنا تذکر کہلاتا ہے۔

﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ(127) ﴾

''اور جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ کیا تمہیں کوئی ایک دیکھ رہا ہے؟ پھر وہ واپس پلٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے اس لیے کہ یقیناً وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔'' (127)

سوال 1: ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا ﴾ ''اور جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ کیا تمہیں کوئی ایک دیکھ رہا ہے؟ پھر وہ واپس پلٹ جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ ﴾ ''اور جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے'' سورت کے نازل ہونے کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ لوگ ایمان لائیں اور اس پر عمل کریں۔ (2) ﴿ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ﴾ ''تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں'' منافق ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ کہیں کوئی ہمیں دیکھتا تو نہیں۔ وہ عمل نہ کرنے کا ارادہ لے کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ (3) ﴿ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ﴾ ''کہ کیا تمہیں کوئی ایک دیکھ رہا ہے؟'' ایک دوسرے سے کہتے ہیں ہمیں کوئی دیکھتا تو نہیں۔ (4) ﴿ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا ﴾ ''پھر وہ واپس پلٹ جاتے ہیں'' پھر وہ منہ موڑ لیتے ہیں یعنی حق پر جمتے نہیں۔ نہ حق قبول کرتے ہیں، نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَمَا لَهُمۡ عَنِ التَّذۡكِرَةِ مُعۡرِضِيۡنَ ۙ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمۡ حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَةٌ ۙ﴿۵۰﴾ فَرَّتۡ مِنۡ قَسۡوَرَةٍ ﴾ تو انہیں کیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں؟ گویا کہ وہ بدکنے والے جنگلی گدھے ہیں۔ جو شیر سے بھاگے ہیں۔ (المدثر:49,51) (5) ﴿ فَمَالِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قِبَلَكَ مُهۡطِعِيۡنَ ۙ﴿۳۶﴾ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيۡنَ ﴾ پھر کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آنے والے ہیں؟ دائیں بائیں سے گروہ در گروہ۔ (المعارج:36,37)

سوال 2: ﴿ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے اس لیے کہ یقیناً وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پھیر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزا عمل کی جنس سے ہی دیتے ہیں تو جیسے وہ عمل سے منہ پھیر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی انہیں ہدایت اور ایمان سے روک دیتے ہیں۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ ﴾ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ (الصّف:5) (2) ﴿ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴾ ''اس لیے کہ یقیناً وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں'' یعنی وہ ایسی سمجھ نہیں رکھتے جو ان کو فائدہ دے، کیونکہ اگر وہ سمجھ رکھتے ہوتے، تو جب کوئی سورت نازل ہوتی، وہ اس پر ایمان لا کر اس کے احکام کی تعمیل کرتے۔ اس کا مقصد جہاد وغیرہ شرائع ایمان سے ان کی شدت نفور کو بیان کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَتۡ سُوۡرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ مُّحۡكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيۡهَا الۡقِتَالُ ۙ رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ يَّنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ نَظَرَ الۡمَغۡشِىِّ عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ فَاَوۡلٰى لَهُمۡ ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت نازل کیوں نہیں

کردی گئی؟ چنانچہ جب کہ ایک محکم سورت اتار دی جاتی ہے اوراس میں جنگ کا ذکر کیا جاتا ہے آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں ایسے شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت سے غشی ڈال دی گئی ہو، پس ان کے لئے بہت بہتر ہے ۔(محمد:20)(تفسیر سعدی:1113/2)

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ(128) ﴾

''بلاشبہ تمہارے پاس یقیناً تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آیا ہے اس پر گراں ہے جو تم مشقت میں پڑو، تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے، مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔''(128)

سوال1: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾''بلاشبہ تمہارے پاس یقیناً تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آیا ہے اس پر گراں ہے جو تم مشقت میں پڑو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ﴾''بلاشبہ تمہارے پاس یقیناً تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آیا ہے'' بلاشبہ تمہارے پاس کریم اور عظیم رسول آئے ہیں۔ نبی ﷺ کی ذات امت کے لیے بہت بڑا احسان ہے۔(2)﴿ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾''تم ہی میں سے'' اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے رسول بھیجا۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے یقیناً وہ کھلی گمراہی میں تھے۔(الجمعہ:2)﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر یقیناً احسان فرمایا کہ جب ان ہی میں سے ایک رسول ان میں مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔(آل عمران:164)(3)﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾''اس پر گراں ہے جو تم مشقت میں پڑو''، یعنی نبی ﷺ پر تمہاری تکلیف اور مشقت گراں گزرتی ہے۔ تمہاری تکلیف انہیں تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔(4) تمہارا آگ میں جانا ان پر گراں گزرتا ہے۔(تفسیر قرطبی:178/4)(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا کہ''میری اور لوگوں کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، جب اس کے چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں اس میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس میں سے نکالنے لگا لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آئے اور آگ میں گرتے ہی رہے۔ اسی طرح میں تمہاری کمر کو پکڑ پکڑ کر آگ سے تمہیں نکالتا ہوں اور تم ہو کہ اسی میں گر جاتے

ہو۔'' (بخاری:6483)(6)﴿ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ﴾ ''تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے'' نبی ﷺ لوگوں کے لیے نیکی پسند کرتے تھے اور انہیں خیر پہنچانے کے لیے پوری کوشش کرتے تھے۔ نبی ﷺ برائی کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور برائی سے نفرت دلاتے ہیں۔(7) وہ تمہاری ہدایت کے حریص ہیں اور ہر اس چیز کے جس میں تمہارے لیے خیر اور سعادت ہو۔(ایسر التفاسیر:589)(8) وہ تمہارے جنت میں داخلے کے حریص ہیں اور اس بات کے کہ تم ایمان لے آؤ اور دوزخ کی آگ سے بچ جاؤ۔(9) وہ تمہاری ہدایت، کمال اور سعادت کے حریص ہیں۔ (ایسر التفاسیر:590)(10) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اس کے چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پروانے اس آگ میں آ کر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور زبردستی گرتے ہیں یہی میرا حال ہے کہ میں تمہیں دوزخ سے بچانے کے لیے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔(بخاری، مسلم)(11) آپ ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔(مشکوۃ:404)(12) اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے۔(مشکوۃ:366)(13) جوتے پہننے کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنا رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے۔(مسلم) (14) نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے تمہاری چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے جب تک کہ دوسری چپل کو درست نہ کرے پھر دونوں پہن کر چلے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا۔(مسلم)

سوال2: ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ''مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے'' یعنی اہل ایمان کے لیے ان کے ماں باپ سے بڑھ کر رحمت کرنے والے ہیں۔ مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کا حق تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانا، آپ ﷺ کی عزت کرنا، آپ ﷺ کی تعظیم کرنا تمام امت پر فرض ہے۔(2) قریش کے سردار عتبہ نے ایک بار رسول ﷺ سے مل کر یہ عرض کیا تھا۔ کیا تم مال و دولت چاہتے ہو؟ میرا ذمہ ہے کہ سب سے زیادہ مال و زر تیرے پاس جمع کر دوں گا۔ کیا تم ریاست کے خواہاں ہو؟ ہم سب تجھے اپنا رئیس تسلیم کر لیتے ہیں۔ کیا تم تخت قائم کرنا چاہتے ہو؟ میں سارے عرب سے تیری فرماں روائی کی تصدیق کرا دوں

گا۔رسول ﷺ نے فرمایا کہ نہ تو مجھے مال وزر چاہیے نہ ریاست وحکومت کی خواہش ہے، میں تو رب العالمین کا پیغام لے کرآیا ہوں اوراس پیغام کو ہرایک کے کانوں تک پہنچا دینا یہ میرا مقصداعلیٰ ہے۔(3)ایک بار ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کو مضروب کیا۔حمزہ عم رسول ﷺ نے جب یہ واقعہ سنا تو انہوں نے ابوجہل کو جا پیٹا اور پھر رسول ﷺ کو آ کر بتایا۔محمد ﷺ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا انتقام لے لیا۔نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بہت خوشی ہو جائے گی۔سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات جم گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔(4)رسول ﷺ کی عادت تھی کہ سوار ہو کر کسی کو پیدل چلنے کی اجازت نہیں دیتے یا تو ساتھ سوار کر لیتے یا واپس لوٹا دیتے تھے۔جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز ہلکی فرما دیتے کہ ماں بچے کو جلدی سنبھال لے۔ساری ساری رات اپنی امت کے لیے دعا کیا کرتے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ(129)﴾

''پھر اگر وہ منہ موڑیں تو آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔''(129)

سوال1:﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾''پھر اگر وہ منہ موڑیں تو آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اگر وہ آپ ﷺ کی بات نہ مانیں،ایمان اور عمل کو ترک کر دیں۔(2)﴿فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ تو کہہ دیں میرے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔(ایسر التفاسیر:590)

سوال2:﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾''اس کے سوا کوئی معبود نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اس کے سوا کوئی معبود نہیں''یعنی اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔لا الہ الا اللہ توحید ہے۔(ابن ابی حاتم:1919/6)(2)اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں۔

سوال3:﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾''میں نے اسی پر بھروسہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)یعنی میں اعتماد کرتا ہوں اور اپنے سارے معاملے اسی کے سپرد کرتا ہوں۔(قرطبی:178/4)(2)یعنی امور نافعہ کے حصول اور ضرررساں امور کو دور ہٹانے کے لیے، میں اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہوں۔(تفسیر سعدی:1114/2)

سوال4:﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾''اور وہی عرش عظیم کا رب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور وہی عرش عظیم کا رب ہے''اللہ تعالیٰ عرش عظیم کا رب ہے جو ساری مخلوقات پر سایہ کیے ہوئے ہے۔عرش اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوق ہے۔(2)سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص صبح شام سات مرتبہ ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ

﴿الْعَظِيْمِ﴾ کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام فکرمندیوں کی کفایت فرمائے گا۔(ابن کثیر:405/2)(3) سیدنا ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ جو شخص صبح شام ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ کو سات سات مرتبہ پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کو تمام پریشانیوں سے نجات دے گا۔(ابن کثیر:418/2)(4) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔اس کے سوا کوئی عبادت کا حق نہیں رکھتا۔

(الحمدللہ)

ایاتھا ۱۰۹ ۱۰ سورۃ یونس مکیۃ ۵۱ رکوعاتھا ۱۱

سوال 1: سورۃ یونس کہاں نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب:(1) سورۃ یونس مکہ میں نازل ہوئی۔اس کی 109 آیات اور گیارہ رکوع ہیں۔(2) مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے دسویں سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 51ویں سورت ہے۔

سوال 2: سورۃ یونس کا موضوع کیا ہے؟

جواب: سورۃ یونس کا موضوع اللہ تعالیٰ کے لیے توحید کا اثبات، شرک کا رد، نبوت، بعث اور معاد کا اثبات اور ایمان کی دعوت ہے۔

رکوع نمبر:6

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ(1) ﴾

''الر۔ یہ کمال حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔''(1)

سوال 1: ﴿الٓرٰ﴾ ''الر'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿الٓرٰ﴾ حروف مقطعات ہیں جن کے معانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

سوال 2: ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ۝﴾ ''یہ کمال حکمت والی کتاب کی آیات ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تِلْكَ﴾ یعنی یہ آیات۔(2)﴿تِلْكَ﴾ حاضر کے لیے ہے اس سے غائب مراد ہے۔یعنی یہ قرآن کی نشانیاں ہیں۔(بخاری، کتاب التفسیر)(3)﴿اٰيٰتُ الْكِتٰبِ﴾ قرآن عظیم کی آیات ہیں۔(4)﴿الْحَكِيْمِ﴾ حکمت پر مشتمل کتاب ہے۔جس کی آیات ایمانی حقائق پر مشتمل ہیں جن کو دل کی خوشی سے قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا ساری امت پر فرض ہے۔(5) قرآن کریم کی صفت ''حکیم'' اس اعتبار سے لائی گئی ہے کہ یہ وہ کتاب محکم ہے جس میں حلال و حرام اور حدود و احکام تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں یا یہ کہ ''حکیم'' بمعنی حاکم ہے۔اس لیے کہ قرآن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے یا ''حکیم'' بمعنی ''محکوم فیہ'' ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں پورے عدل و انصاف

کے ساتھ تمام امور میں فیصلے صادر فرمائے ہیں۔(تیسیر الرحمٰن:601/1)

﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (2) ﴾

''کیا لوگوں کے لیے ایک عجیب بات ہوگئی ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی کو وحی کی کہ آپ لوگوں کو ڈرا دو اور بشارت دے دو ان لوگوں کو جو ایمان لائے کہ یقیناً ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچا مرتبہ ہے۔کافروں نے کہا بے شک یہ ضرور کھلا جادوگر ہے۔''(2)

سوال1: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ ''کیا لوگوں کے لیے ایک عجیب بات ہوگئی ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی کو وحی کی کہ آپ لوگوں کو ڈرا دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''کیا لوگوں کے لیے ایک عجیب بات ہوگئی ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی کو وحی کی کہ آپ لوگوں کو ڈرا دو'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہیں انسان کے رسول ہونے پر تعجب تھا۔(2) ابن جریر نے ضحاک کے ذریعہ سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو تمام عرب نے یا عرب میں سے کچھ لوگوں نے اس بات کا انکار کیا اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے یہ خلاف ہے کہ کوئی انسان اس کا رسول ہو۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ ﴾ یعنی کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی اور یہ آیت نازل فرمائی ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا ﴾ الخ۔چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے کئی دلیلیں پیش کیں تو کہنے لگے کہ اگر انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجنا تھا تو معاذ اللہ محمد ﷺ کے علاوہ دوسرا اس کا زیادہ مستحق تھا۔ان کا خیال تھا کہ مکہ والوں میں سے ولید بن مغیرہ اور طائف والوں میں سے مسعود بن عمرو ثقفی ہوتا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴾ الخ۔(تفسیر ابن عباس:22/2)(3) ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ ﴾ ''کیا لوگوں کے لیے'' یعنی اہل مکہ کے لیے۔(4) ﴿ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ ﴾ ''ایک عجیب بات ہوگئی ہے کہ ہم نے وحی کی'' تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی۔(5) ﴿ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''ان ہی میں سے ایک آدمی کو'' ان میں سے ایک آدمی پر یعنی محمد ﷺ پر۔(6) جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا؟(الزخرف:31)(7) ان کی مراد مکہ سے ولید بن مغیرہ یا طائف سے مسعود بن عمرو ثقفی تھا۔(تفسیر منیر:104/6)(8) اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کا یہ قول ذکر فرمایا ہے: ﴿ اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ﴾ کیا انسان ہماری راہ نمائی کریں گے؟(التغابن:6) ﴿ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟(بنی اسرائیل:94)(9) سیدنا ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام نے اپنی قوموں سے فرمایا تھا: ﴿ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ﴾ اور کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف

سے ایک نصیحت تم میں سے ایک آدمی پر آئی ہے کہ وہ تمہیں خبردار کردے۔ (الاعراف:63)(10) انسان کواللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے کے لیے دائمی اور ابدی معیار کی ضرورت ہے تاکہ انسان اس معیار سے اپنے عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا اندازہ لگا سکے۔ انسانوں کے لیے انسانی معیار ان کے فہم کے زیادہ قریب ہے۔(11) ﴿ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ ''کہ آپ لوگوں کو ڈرادو'' یعنی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف دلائے اور اس کے عذاب سے ڈرائے اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے انہیں نصیحت کرے۔

سوال 2: تمام رسولوں کو اس سوال کا سامنا کیوں کرنا پڑا'' اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے''؟

جواب: (1) رسولوں کو اس سوال کا سامنا اس لیے کرنا پڑا کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک انسانیت کے مقام کی کوئی قدر نہ تھی۔(2) لوگ اس لیے تعجب سے سوال کرتے رہے ہیں کہ انسان ہو کر کوئی رب سے کیسے رابطہ قائم کرسکتا ہے؟(3) لوگ اس لیے تعجب کرتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک انسان کے ذمے سارے انسانوں کی ہدایت کی ذمہ داری کیسے لگا سکتا ہے۔(4) انسانوں کی توجہ اس جانب نہیں گئی کہ رسالت کا مقام انسان کا اعزاز ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس اعزاز کے قابل بنایا ہے۔

سوال 3: ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''اور بشارت دے دو ان لوگوں کو جو ایمان لائے کہ یقیناً ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچا مرتبہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ ''اور بشارت دے دو ان لوگوں کو جو ایمان لائے'' ان لوگوں کو خوش خبری دے دیں جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔(2) ﴿ اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''کہ یقیناً ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچا مرتبہ ہے'' یعنی ایمان والوں کی سچائی کی وجہ سے ان کے رب کے پاس بہترین صلہ ہے یعنی وہ مرتبہ ہے جس کے ملنے میں کوئی شک نہیں۔(3) یعنی ان کے لیے اپنے رب کے پاس وافر جزا اور جمع کیا ہوا ثواب ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے صدق پر مبنی اعمال صالحہ پیش کئے تھے۔ (تفسیر سعدی:1115/2)

سوال 4: ﴿ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''کافروں نے کہا بے شک یہ ضرور کھلا جادوگر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا ﴾ ''کافروں نے کہا بے شک یہ'' کافروں نے کہا کہ یہ قرآن جسے محمد ﷺ لے کر آئے ہیں۔ (تفسیر منیر:102/6)(2) ﴿ لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''ضرور کھلا جادوگر ہے'' ان کے زعم کے مطابق اس کا جادوگر ہونا کسی پر مخفی نہیں اور یہ ان کی سفاہت اور عناد کی دلیل ہے۔(3) کافروں نے قرآن کی دعوت کو ٹھکرا دیا مگر اللہ تعالیٰ اپنا نور مکمل کر کے رہتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1115/2)(4) یعنی ہم نے انہی میں سے ایک رسول بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا لیکن کافروں نے اسے جادوگر بنا دیا حالانکہ کافر بالکل جھوٹے ہیں، بھلا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا جادو سے کیا تعلق؟ وہ تو وہی سناتے ہیں جو انہیں سنایا جاتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:777/1)(5) ایک دفعہ یمن کے قبیلہ ازد کے ایک بااثر فرد ضماد ازدی مکہ تشریف لائے تو سرداران قریش نے انہیں متنبہ کیا کہ یہاں ایک شخص محمد (ﷺ) ہے جس کے کلام میں جادو ہے کہیں اس کے ہتھے نہ چڑھ جانا۔ ضماد ازدی خود جھاڑ پھونک کرتے تھے اس لیے ان کا خیال تھا کہ اس شخص کی بات تو سننی چاہیے۔ میں بھی

آخر ایک اچھا بھلا عقل مند آدمی ہوں۔ اگر اس کی بات اچھی ہوئی تو قبول کرلوں گا ورنہ چھوڑ دوں گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر اس کو آسیب ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے ہاتھوں شفا دے۔ اس خیال سے میں ان کے پاس چلا گیا اور آپ سے اپنا کلام سنانے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے اسے خطبہ مسنونہ ''**الحمدللہ.......عبدہ ورسولہ**'' تک سنایا یہ خطبہ اگر چہ کوئی مستقل قرآنی آیت نہیں تاہم قرآنی کلمات کا ہی مجموعہ ہے۔ جب ضماد نے یہ کلمات سنے تو جھوم اٹھا اور کہنے لگا: پھر دہرایئے۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ جب یہ دہرائے تو کہنے لگا ''میں نے کاہنوں کا کلام بھی سنا ہے اور جادوگروں کا بھی، شاعروں کے اشعار بھی سنے ہیں مگر ان کلمات جیسا پہلے کبھی کوئی کلام نہیں۔ سنا بے شک یہ کلمات تو سمندر کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں'' پھر اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر بیعت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور اپنی قوم کی طرف سے؟'' ضماد کہنے لگے: ''ہاں میں اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کرتا ہوں۔'' (مسلم، کتاب الجمعہ)

﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ(3) ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی تمہارا رب ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد، وہی اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' (3)

سوال 1: ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی تمہارا رب ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی تمہارا رب ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا رب، تمہارا معبود حق ہے۔ (2) یعنی تمہارا حقیقی معبود جس کے بارے میں تم پر واجب ہے کہ اسی ایک کی عبادت کرو اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ (ایسر التفاسیر:592) (3) ﴿ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ﴾ ''جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا'' جس نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا حالانکہ وہ پلک جھپکنے سے کم مدت میں پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ تدریجی طور پر تخلیق میں حکمت ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے افعال میں انتہائی نرم اور مہربان ہے۔ اس میں مخلوق کے لیے سبق ہے کہ وہ اپنے کام تدریجی طور پر انجام دیں۔ (4) دنوں کی تعداد سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تدبیر سے آگہی ہوتی ہے جو انسان کو مقصد تخلیق تک لے جاتی ہے۔ (5) اللہ تعالیٰ کی تخلیق واجب کرتی ہے کہ لوگ صرف اسی ایک کی عبادت کریں۔ (6) یہ اس کی حکمت ہے کہ اس نے کائنات کو حق کے ساتھ اور حق کے لیے پیدا کیا، تا کہ اس کے اسماء و صفات کے ذریعے سے اس کی معرفت حاصل ہو نیز یہ کہ وہ اکیلا عبادت کا مستحق ہے۔ (تفسیر سعدی:1114/2:2)

سوال 2: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ﴾ ''پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ ثُمَّ ﴾ پھر یعنی زمین اور آسمان کو تخلیق کرنے کے بعد۔(2)﴿ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ﴾ ''وہ عرش پر بلند ہوا'' اللہ تعالیٰ کا عرش پر استوا ایسا ہے جو اس کی عظمت کے لائق ہے۔اس کے بارے میں یہ سوال نہیں کرنا چاہئے کہ کیسے؟ (ایسر التفاسیر:592)(3) یعنی اس عرش پر مستوی ہوا جو تمام مخلوق سے بڑا ہے۔(4)﴿ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ﴾ ''وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے'' یعنی وہ عالم علوی اور عالم سفلی کے تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔موت دینا، زندہ کرنا، رزق نازل کرنا، لوگوں کے درمیان گردش ایام، ضرر رسیدہ لوگوں سے تکلیف دور کرنا اور سوال کرنے والوں کی ضرورت پوری کرنا۔پس مختلف انواع کی تمام تدابیر اسی کی طرف سے نازل ہوتی ہیں اور اسی کی طرف بلند ہوتی ہیں۔تمام کائنات اس کے غلبہ کے سامنے مطیع اور اس کی عظمت اور طاقت کے سامنے سرافگندہ ہے۔(تفسیر سعدی:1116/2)(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مخلوق کی تدبیر میں کوئی ایک بھی اس کا شریک نہیں۔(تفسیر قرطبی:182/4)(6) اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا منتظم ہے۔اس نے اپنی حکمت کے مطابق ساری مخلوق کے لیے تقدیر لکھی اور اپنی حکمت سے ہی وہ مخلوق کے لیے فیصلے کرتا ہے۔وہ تمام جہانوں کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے، وہ زندگی دیتا ہے، رزق دیتا ہے، لوگوں کے درمیان دنوں کو پھراتا رہتا ہے۔وہ نہ مخلوق کے سوالات سے گھبراتا ہے نہ مانگنے والوں کی فریادوں سے اکتاتا ہے، نہ بڑے کاموں میں اس کی مصروفیت چھوٹے کاموں سے اسے غافل کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کائنات کے تمام امور کی تدبیر اور انتظام کرتا ہے۔(الف) وہ کاموں کے آغاز اور اختتام کو متعین کرتا ہے۔(ب) وہ اسباب اور نتائج کا تعین کرتا ہے۔(ج) وہ حالات اور ان کے تقاضوں کا تعین کرتا ہے۔(د) وہ قدرت کے قانون بناتا ہے۔(ہ) وہ کاموں کے نتائج کو کنٹرول کرتا ہے۔

سوال3: ﴿ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ﴾ ''کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ مَا مِنْ شَفِیْعٍ ﴾ یعنی قیامت کے دن کوئی ایک بھی سفارش نہیں کر سکے گا خواہ مخلوق کی افضل ترین ہستی ہی کیوں نہ ہو۔(2)﴿ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ﴾ جب تک اللہ تعالیٰ خود شفاعت کی اجازت نہیں دے گا اس وقت تک کوئی سفارش کے لیے آگے نہیں بڑھے گا۔(3) کائنات کا نظام یہ بتاتا ہے کہ اس کا خالق و مالک اتنا کامل اور اتنا عظیم ہے کہ اس کے یہاں کسی سفارشی کی سفارش نہیں چل سکے گی مگر جس کو اجازت ہوگی۔(4) جب تک اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دے گا کوئی اس کے حضور سفارش نہیں کر سکے گا۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی جناب میں سفارش کرے۔(البقرہ:255)(5)﴿ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴾ اس دن سفارش فائدہ نہ دے گی مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس سے بات کرنا پسند فرمائے گا۔(طٰہٰ:109)(6) اللہ تعالیٰ صرف ان کے لیے سفارش کی اجازت دے گا جن کو وہ خود پسند کرے گا اور وہ اہل توحید ہی کو پسند کرے گا۔(7)﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ اور اس کے پاس کوئی شفاعت کام نہیں آئے گی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے۔(سبا:23)

سوال4: کسی کو سفارش کا حق ملنا کس بنیاد پر ہوگا؟

جواب:(1)سفارش کا حق دینا اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تدبیر کا مسئلہ ہے۔(2)ہم نہیں جانتے کہ مومنوں میں سے کس کو اور اعمال صالح میں سے کس کی برکت سے سفارش ہو سکے گی۔اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے لہٰذا وہ جس کے لیے چاہے گا اور جس سے چاہیگا شفاعت کا کام لے گا۔

سوال 5:﴿ **ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ** ﴾''وہی اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **ذٰلِكُمُ** ﴾یہی وہ ذات ہے۔(2)﴿ **اللّٰهُ رَبُّكُمْ** ﴾اللہ تعالیٰ ہی تمہارا حقیقی رب ہے اسی کی عبادت کرو۔(ایسر التفاسیر:592)(3)وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو اوصاف الوہیت و ربوبیت اور صفات افعال وکمال کی جامع ہے۔(4)﴿ **فَاعْبُدُوْهُ** ﴾یعنی عبودیت کی وہ تمام اقسام جن کو بجالانے پر تم قادر ہو،صرف اس اکیلے کے لیے مخصوص کرو۔(تفسیر سعدی:1116,1117/2)(5)اسی کی عبادت کرو یعنی اسی کو ایک مانو اور اسی کے لیے عبادت کو خالص کرو۔(تفسیر قرطبی:183/4)(6)﴿ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ** ﴾''کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے''یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کی ذات کے دلائل سے یہ نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ وہی حمد و ثناء کا اور عبادت کا مستحق ہے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ **قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ** ﴾آپ پوچھیں سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ جلد ہی کہیں گے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے،کہہ دو تو کیا تم ڈرتے نہیں؟(المومنون:86,87)

﴿ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ(4) ﴾

''اسی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے،اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے،یقیناً وہی پیدائش کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ وہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی سے پینا ہے اور دردناک عذاب ہے،اس کے بدلے میں جو وہ کفر کیا کرتے تھے۔''(4)

سوال 1:﴿ **اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا** ﴾''اسی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے،اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا** ﴾''اسی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے''اس سے مراد ہے سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔وہ ایک مقررہ وقت پر تم سب کو جمع کرے گا۔(2)قیامت کے دن تمام انسان لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے۔(3)﴿ **وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا** ﴾''اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے''اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے وہ ضرور اپنے وعدے کو پورا کرے گا اس لیے نیک اعمال میں جلدی کرو جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''سات چیزوں سے پہلے (نیک)اعمال میں جلدی کرو: کیا تمہیں ایسے فقر کا

انتظار ہے جو بھلا دینے والا ہے؟ یا ایسی تونگری کا جو تمہیں حد سے تجاوز کر دینے والا بنانے والی ہے؟ یا ایسی بیماری کا جو بگاڑ دینے والی ہے؟ یا ایسے بڑھاپے کا جو عقل اور ہوش کو زائل کر دینے والا ہے؟ یا ایسی موت کا جو تیزی سے اپنا کام تمام کر دینے والی ہے؟ (یعنی اچانک آجائے) یا دجال کا جو ہر اس غائب برائی سے بدتر ہے جس کا انتظار کیا جائے؟ یا قیامت کا؟ پس قیامت تو بہت ہی ہولناک اور نہایت تلخ تر ہے۔'' (ترمذی:2306) (4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو، اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے، اپنی مال داری کو اپنی فقیری سے پہلے، اپنی فرصت کو اپنی مشغولیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔ (حاکم) (5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ہیں کہ ان کو بہت سے لوگ بھولے ہوئے ہیں۔ ایک تندرستی اور دوسرے فراغت۔'' (بخاری:2304)

سوال 2: ﴿ **اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ** ﴾ ''یقیناً وہی پیدائش کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ وہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ** ﴾ ''یقیناً وہی پیدائش کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا'' یعنی اس نے نطفے سے تخلیق کا آغاز کیا پھر موت کے بعد اس کا اعادہ کرے گا۔ (تفسیر قاسمی:8/9) (2) جو تخلیق کی ابتدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ اس کے اعادے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا وہ شخص جو ابتدائے تخلیق کو تسلیم کرتا ہے پھر وہ اعادہ تخلیق کا انکار کر دیتا ہے، عقل سے عاری ہے جو دو مماثل اشیاء میں سے ایک کا انکار کرتا ہے حالانکہ وہ اس تخلیق کا اقرار کر چکا ہے جو زیادہ مشکل ہے۔ یہ زندگی بعد موت کی نہایت واضح عقلی دلیل ہے۔ (تفسیر سعدی:1117/2) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ **وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ** ﴾ اور وہ اس پر آسان ترین ہے۔ (الروم:27) (4) فرمایا: ﴿ **كَمَا بَدَاَكُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ** ﴾ جیسے اس نے تمہاری ابتدا کی، اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے۔ (الاعراف:29) (5) ﴿ **لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا** ﴾ ''تا کہ وہ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے'' یعنی جو لوگ دل کی سچائی کے ساتھ ان تمام چیزوں پر ایمان لائے جن پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (6) ﴿ **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** ﴾ ''اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں'' اور جنہوں نے اپنے دل، زبان اور دیگر اعضاء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض اور مستحبات پر عمل کیا۔ (7) ﴿ **بِالۡقِسۡطِ** ﴾ ''انصاف کے ساتھ'' یعنی عدل کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی جزا انہیں دے گا۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ **وَنَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَيۡــًٔا ؕ وَاِنۡ كَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَيۡنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيۡنَ** ﴾ اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے پھر کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔ (الانبیاء:47) (8) اللہ تعالیٰ کی جزا ایسی ہے جس کو کوئی نفس نہیں جانتا۔ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔ (تفسیر منیر:112/6)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانے کا وعدہ سچا ہے، اس کے لیے کیا دلائل دیے گئے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانے کا وعدہ سچا ہے اس لیے کہ وہ تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ (2) اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے ان کو انصاف کے ساتھ بدلہ دیا جائے اور جن لوگوں نے انکار کیا وہ کھولتے ہوئے پانی اور دردناک عذاب کو برداشت کریں۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کا انصاف کہاں کہاں قائم ہے؟

جواب: ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کا انصاف قائم ہے۔ ہر ایک کے ساتھ وہی ہو رہا ہے جو کچھ وہ کرتا ہے۔ اور ہر ایک سے وہ لے لیا جاتا ہے جس کے لیے وہ کچھ نہیں کرتا۔

سوال 5: کیا دنیا میں انسان کو اس کی نیکی کا پھل اور سرکشی کی سزا ملتی ہے ؟

جواب: ضروری نہیں کہ دنیا میں انسان کو اس کی نیکی کی جزاء اور سرکشی کی سزا ملے۔

سوال 6: انصاف کرنے والے رب کی مرضی جو ساری مخلوقات میں چل رہی ہے، انسان کے معاملے میں سامنے کیوں نہیں آتی ؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے انصاف کو آخرت تک ملتوی کر دیا ہے انسان کو پہلی زندگی عمل کرنے کے لیے دی گئی ہے اور دوسری زندگی عمل کا انجام پانے کے لیے دی جائے گی۔ انسان کو نیکی کی جزا اور بدی کی سزا آخرت میں ضرور دی جائے گی۔

سوال 7: اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کا عمل کیوں ہوگا ؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے لوٹانے کا ذمہ لیا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے عدل کرنا ہے۔ اس لیے اچھے کام کا اچھا بدلہ اور برے کام کا برا بدلہ ہوگا۔

سوال 8: انسان اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے پر کیسے مطمئن ہو سکتا ہے؟

جواب: انسان اس دنیا میں کمال تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ یہاں خوشیوں کے ساتھ غم ہیں یہاں سہولتوں کے ساتھ مشکلات ہیں۔ اس دنیا میں اگر کوئی کمال حاصل کر بھی لیا جائے تو یہ چھوٹنے والی ہے۔ جب کہ آخرت میں انسان کمال حاصل کر سکتا ہے۔ کمال کے حصول کے لیے، سر بلندی کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف کامیاب ہو کر لوٹنا ضروری ہے۔

سوال 9: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی سے پینا ہے اور دردناک عذاب ہے، اس کے بدلے میں جو وہ کفر کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا''، یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے رسول کی تعلیمات کا انکار کیا اور ان کو جھٹلایا۔ (2) ﴿ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴾ ''ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی سے پینا ہے'' ان کے پینے کے لیے سخت گرم پانی ہوگا جو چہروں کو جھلسا دے گا اور انتڑیاں کاٹ دے گا۔ (3) ﴿ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''اور دردناک عذاب ہے'' انہیں اس عذاب کی تمام قسموں میں مبتلا کیا

جائے گا۔(4)﴿ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾''اس کے بدلے میں جو وہ کفر کیا کرتے تھے''اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ ان کے کفر اور ظلم کی وجہ سے انہیں عذاب دیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں، بندے اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔کفر کرنے والوں نے کمال تک پہنچانے والے راستے کو چھوڑا، اس لیے ان کا انجام انتہائی برا ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ(5) ﴾

''وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بنایا ہے اور اس کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ، وہ ان لوگوں کے لیے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔''(5)

سوال1: ﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا ﴾''وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بنایا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بنایا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج کو بنایا تا کہ وہ زمین کو چمکائے۔(ایسر التفاسیر:592)(2)اللہ تعالیٰ نے سورج کو ہماری زمین سے درست فاصلے پر قائم رکھا ہے۔اس طرح وہ ہمارے لیے روشنی اور حرارت کا انمول خزانہ ہے اور اگر یہ فاصلہ کم ہو جائے تو سورج آگ کا جہنم بن جائے۔(3)﴿ وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا ﴾''اور چاند کو نور''اللہ تعالیٰ نے چاند کو زمین سے درست فاصلے پر ایسے مدار میں رکھا ہے کہ وہ ریاضیاتی حساب کے مطابق ٹھیک گردش کرتا ہے اس طرح سے بے نور چاند کو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ٹھنڈی روشنی فراہم کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔(4)سورج کی روشنی میں حرارت ہے اس لیے وہ ضیاء ہے۔اور چاند کی روشنی میں ٹھنڈک ہے اس لیے وہ نور ہے۔(5)علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ ضیاء بڑی اور قوی روشنی کو کہتے ہیں اور نور قوی اور ضعیف ہر روشنی کے لیے استعمال ہوتا ہے لہٰذا آفتاب کے لیے ضیاء استعمال میں لایا گیا۔(انوار البیان:2/681)

سوال2: ﴿ وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ﴾''اور اس کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ ﴾''اور اس کی منزلیں مقرر کیں''یعنی سورج اور چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔چاند مسلسل گردش میں ہے۔ایک دن چاند جس مدار میں ہوتا ہے اگلے دن اس میں نہیں ہوتا اس طرح وہ گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے اور یوں ماہ و سال کا حساب ممکن ہو پاتا ہے۔(2)﴿ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ﴾''تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو''یعنی آپ سالوں، مہینوں، دنوں اور لمحات کے بارے میں جان لو کیونکہ تمہاری زندگی اس کی ضرورت مند ہے۔(ایسر التفاسیر:592)(3)رب

العزت نے فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ ﴾ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں وہ لوگوں کے لیے وقت معلوم کرنے کے ذریعے ہیں۔ (البقرۃ:189) (4) ﴿ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴾ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا پھر ہم نے رات کی نشانی کو بے نور کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور تا کہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کر سکو اور ہر چیز کو ہم نے خوب کھول کر بیان کیا ہے، خوب کھول کر بیان کرنا۔ (بنی اسرائیل:12) (5) سورج اور چاند کی گردش کے بہت سے فوائد ہیں جن سے انسان اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ (تیسیر القرآن:2/280,281)

سوال3: ﴿ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ'' فلکیاتی نشانیاں ثابت کرتی ہیں کہ اس کائنات میں گہری مقصدیت ہے اس کا آخری انجام بھی ہے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں ہوسکتا۔ (2) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی حکمت بالغہ سے بنایا ہے۔ (تفسیر قاسمی:9/9) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاۗءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ﴾ اور ہم نے آسمان کو اور زمین کو اور دونوں کے درمیان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ (ص:27) (4) ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ تو پھر کیا تم نے یہ گمان کیا کہ بلاشبہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور بلاشبہ تمہیں ہماری طرف واپس نہیں لوٹایا جائے گا؟ (المومنون:115) (5) یعنی وہ رب قدرت والا ہے جو تخلیق اور تدبیر پر قدرت رکھتا ہے، وہی حقیقی معبود ہے جس کے بارے میں واجب ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا تاکیدی بیان ہے۔ (ایسر التفاسیر:592,593) (6) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو حق بنیاد پر پیدا کیا ہے (الف) ہر چیز کا مقصد حق ہے۔ (ب) حق مضبوط ہے۔ (ج) حق مستقل ہے۔

سوال4: ﴿ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ''وہ ان لوگوں کے لیے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''وہ نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں کو وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ (2) ﴿ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں'' جب کہ وہ اس سے نفع اٹھاتے ہیں جب کہ جاہل اس تفصیل اور بیان سے نفع نہیں اٹھاتے۔ (ایسر التفاسیر:592,593) (3) یعنی علم والے ہی تدبر کرتے ہیں اور وہ اس پر غور وفکر کر کے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (تفسیر منیر: 6/117) (4) اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ربوبیت کو متحقق کرنے کے بعد اپنے اسماء وصفات کے کمال پر عقلی اور آفاقی دلائل بیان کرتا ہے جو تمام آفاق، یعنی سورج، چاند، زمین وآسمان اور کائنات میں پھیلی ہوئی تمام مخلوقات پر محیط ہیں اور آگاہ فرماتا ہے کہ یہ نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں۔ ﴿ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ''جو علم رکھتے ہیں'' وران کے لیے ہیں جو تقویٰ کا التزام کرتے ہیں، کیونکہ علم دلالت کی معرفت اور انتہائی مناسب

طریقے سے دلائل کے استنباط کی کیفیت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔تقویٰ قلب میں بھلائی کی طرف رغبت اور برائی سے خوف کوجنم دیتا ہے۔یہ دونوں دلائل وبراہین اورعلم ویقین سے پیدا ہوتے ہیں۔اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ ان مخلوقات کی،اس وصف کے ساتھ مجرد تخلیق اس کی کامل قدرت،اس کےعلم،اس کی حیات اوراس کی قیومیت پردلالت کرتی ہے۔اس کائنات میں جاری احکام،اس کا اتقان اوراس کاحسن وابداع اللہ تعالیٰ کی حکمت،اس کے حسن تخلیق اور وسعت علم پردلالت کرتے ہیں۔اس کائنات میں پھیلے ہوئے منافع و مصالح۔مثلاً سورج کی روشنی اورچاند کےنور سے جوضروری فوائدحاصل ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت،اپنے بندوں پراس کی عنایت،اس کی لامحدودنوازش اوراس کے احسان پردلالت کرتے ہیں۔(تفسیرسعدی:1118/2)(3)اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پرغوروفکرکرنے کے لیےعلم کواس لیےضروری قراردیا گیا تاکہ انسان نشانیوں کی غرض وغایت اوران کی تخلیق کا مقصد جان سکیں۔

﴿اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ(6)﴾

''یقیناًرات اوردن کے اختلاف میں اورآسمانوں اورزمین میں اللہ تعالیٰ نے جوکچھ پیدا کیا ہےاس میں ان لوگوں کے لیےنشانیاں ہیں جو ڈرتے ہیں۔''(6)

سوال1: ﴿اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ''یقیناًرات اوردن کے اختلاف میں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)''یقیناًرات اوردن کے اختلاف میں''رات اوردن کے اختلاف سے مراد ان کا آگے پیچھے آنا اوران کے درمیان بڑے اور چھوٹے ہونے کا اختلاف ہے۔(2)اس سے مرادرات اوردن کی لمبائی،چھوٹائی اورروشنی اوراندھیرا ہے۔(ایسرالتفاسیر:593)(3)یعنی ان دونوں کا تعاقب کرنا اوران کا ایک دوسرے کا پیچھا کرنا ہے۔(تفسیرقاسمی:9/9)(4)یعنی ان کا آنا اور جانا اورکم اورزیادہ ہونا۔(تفسیرمنیر:115/6)(5)اللہ تعالیٰ کےاس نظام میں بڑی گہرائی ہے۔اس نے رات کولباس اورسکون اوردن کومعاش کا ذریعہ بنایا۔

سوال2: رات اوردن کے اختلاف سے انسان کوکیا سبق ملتا ہے؟

جواب: رات اوردن کے اختلاف سے یہ سبق ملتا ہے کہ گھپ اندھیرے کے بعدصبح کی روشنی آتی ہےاور یہ کہ ظلم کے بعداللہ تعالیٰ کے انصاف کاوقت آنا طے شدہ ہے۔

سوال3: ﴿وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ﴾ ''اورآسمانوں اورزمین میں اللہ تعالیٰ نے جوکچھ پیدا کیا ہےاس میں ان لوگوں کے لیےنشانیاں ہیں جوڈرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اورآسمانوں اورزمین میں اللہ تعالیٰ نے جوکچھ پیدا کیا ہے''یعنی آسمانوں،ہواؤں، پرندوں اور جوکچھ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا انسان،جانور،خشکی،تری،نہریں،درخت، پہاڑ وغیرہ۔(ایسرالتفاسیر:593)(2)یعنی

فرشتے،سورج،چانداورتارے وغیرہ۔(تفسیر منیر:115/6)(3)﴿لَاٰيٰتٍ﴾''نشانیاں''زمین وآسمان کی نشانیاں ہمیں بتاتی ہیں کہ کائنات زبردست توازن میں جکڑی ہوئی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کائنات کا مالک انسان کو پکڑنے کی قوت رکھتا ہے۔یہ نشانیاں بتاتی ہیں کہ جیسے یہ زندگی ممکن ہے دوسری زندگی بھی ممکن ہے۔(4)یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت،اس کے وجود،اس کی وحدت اوراس کے علم اوراس کی قدرت کے کمال پر دلالت کرتی ہیں۔(تفسیر منیر:115/6)(5)یعنی یہ واضح علامات ہیں جو پیدا کرنے والے معبود کے حق پر دلالت کرتی ہیں اوراس کے جلال،کمال اوراس کی عظیم قدرت اوراس کی بادشاہت کی قوت پر،لہٰذا وہ اس کی انتہائی محبت اورانتہائی تعظیم اورخوف وخشیت سے اس کی عبادت کرتے ہیں،اسے یاد کرتے ہیں،بھولتے نہیں اور فرماں برداری کرتے ہیں،نافرمانی نہیں کرتے۔(ایسر التفاسیر:593)

(6)رب العزت نے فرمایا:﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ کہہ دو کہ دیکھو آسمانوں اورزمین میں کیا کچھ ہے؟اورنشانیاں اورڈرانے والی چیزیں ان کے کام نہیں آتیں جولوگ ایمان نہیں لاتے۔(یونس:101)(7)﴿لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ﴾''ان لوگوں کے لیے جوڈرتے ہیں''یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرتے ہیں اوراس کی نافرمانی سے اجتناب کرتے ہیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے انسان میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے انسان سنجیدہ ہوجاتا ہے اوروہ معاملہ کے ہر پہلو پر دھیان دیتا ہے۔(2)اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے دلوں میں یقین اورایمان پھوٹتا ہے جس کی بدولت دل حساس ہوجاتے ہیں جواثر قبول کرتے ہیں اوراللہ تعالیٰ کی قدرت پرغوروفکر کر کے حق کوقبول کرتے ہیں۔

سوال5: کائنات کی نشانیاں اللہ تعالیٰ کی مشیت اوراس کے ارادہ نافذہ پر دلالت کرتی ہیں۔ان نشانیوں کے ذریعے کس حقیقت کی طرف اشارہ ہے؟

جواب:(1)زمین وآسمان کی تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی عزت اورعظمت پر گواہ ہے اوراس کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو بتاتی ہیں کہ اس کائنات کا خالق ایک ہے اورہر چیز نے اپنے انجام تک پہنچنا ہے تو انسان کو بھی اپنے انجام تک پہنچنا چاہیے۔(2)یہ کہ ہر چیز اپنے عروج تک پہنچتی ہے انسان کو بھی اپنے عروج تک پہنچنا چاہیے اورجوعروج انسانیت حاصل نہیں کرسکی اس کوحاصل کرنے کے لیے آخرت کا برپا ہونا ضروری ہے ۔(3)اس کائنات کی خصوصیات اللہ تعالیٰ کی مشیت اوراس کے ارادۂ نافذہ پر دلالت کرتی ہیں۔یہ سب کچھ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا معبود،محبوب محمود،جلال واکرام اورعظیم اوصاف کا مالک ہے،رغبت ورہبت کے ساتھ اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔تمام امور میں مخلوقات ومربوبات،جوبذات خوداللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں،کی بجائے اپنی دعامیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جائے۔ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غوروفکر کرنے اوران کوعبرت کی نگاہ سے دیکھنے کی ترغیب ہے۔اس لئے کہ اس سے بصیرت بڑھتی ہے،ایمان وعقل میں اضافہ ہوتا ہے اورملکہ راسخ ہوتا ہے اوران میں غوروفکر نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے پروائی،

ایمان میں زیادتی کا راستہ بند اور قلب وذہن میں جمود طاری ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:2/1118)

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ(7) ﴾

''یقیناً جولوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر ہی مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔''(7)

سوال1: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا ﴾ ''یقیناً جولوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر ہی مطمئن ہو گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ﴾ ''یقیناً جولوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے''یعنی جولوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے۔ وہ نہ اس سے خوف رکھتے ہیں، نہ طمع رکھتے ہیں۔(فتح القدیر:2/533) (2) یعنی جولوگ نہ انتظار کرتے ہیں نہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:593) (3) یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خواہش نہیں رکھتے ہیں جو سب سے بڑی خواہش اور سب سے بڑی آرزو ہے، بلکہ وہ اس سے اعراض اور روگردانی کرتے ہیں اور بسا اوقات اس کی تکذیب کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:2/1119) (4) ﴿ وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''اور وہ دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے''یعنی آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو گئے اور وہ آخرت کے گھر کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتے۔(ایسر التفاسیر:593) (5) یہ وہ لوگ ہیں جو آخرت کے بجائے دنیا کے لیے کام کرتے ہیں۔(6) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا ﴾ جوکوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہے، ہم ان کے اعمال کا اسی دنیا میں ہی انہیں پورا پورا بدلہ دے دیں گے۔(ہود:15) (7) ﴿ وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا ﴾ ''اور اس پر ہی مطمئن ہو گئے''یعنی دنیا پر خوش ہو گئے اور اس میں سکون پانے لگے۔(8) یعنی دنیا کی طرف مائل ہو گئے اور اسی کو اپنی منزل اور اسی کو اپنا مقصد زندگی بنا لیا۔ دنیا کے حصول کے لیے کوشاں رہے، اس کی لذات وشہوات پر ٹوٹ پڑے۔ دنیا انہیں جس طریقے سے بھی حاصل ہوئی، انہوں نے اسے حاصل کر لیا۔ دنیا کی چمک انہیں جہاں کہیں بھی دکھائی دی یہ اس کی طرف لپکے۔ انہوں نے اپنے ارادوں اور نیتوں کو دنیا ہی میں مصروف رکھا، ان کے افکار واعمال دنیا ہی کے محور پر گھومتے رہے۔ گویا کہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور گویا کہ دنیا ایک گزرگاہ نہیں جہاں سے مسافر زادِ راہ اکٹھا کر کے ہمیشہ رہنے والی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ اولین وآخرین اس منزل کی نعمتوں اور لذتوں کی طرف کوچ کرتے ہیں اور لپکنے والے انہی کی طرف لپکتے ہیں۔(تفسیر سعدی:2/1119) **(9)** جولوگ یہ نہیں سمجھتے کہ حقیر دنیا ان کی منزل نہیں ہوسکتی ان کی ساری سرگرمیاں دنیا تک محدود ہو جاتی ہیں تو وہ انسانیت کے اعلیٰ مقام کے لیے نہیں اٹھتیں اور وہ دنیا کی گندگیوں کی طرف جھک کر جم جاتی ہیں۔(10) جولوگ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے غافل ہو جاتے ہیں ان کے دل نہیں جا

گتے ان کا شعور بے دار نہیں ہوتا، وہ دنیا کی پستیوں اور حقارت پر راضی ہو جاتے ہیں۔(11) جو لوگ آخرت کی ملاقات کو بھول جاتے ہیں وہ دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو جاتے ہیں۔

سوال2: ﴿**وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ**﴾ ''اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل کی طرف نظر نہیں کرتے، نہ اس پر غور و فکر کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کے متضاد میں منہمک ہیں۔(تفسیر منیر:120/6) (2) وہ قرآنی آیات سے اور کائناتی نشانیوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

سوال3: کن لوگوں کو آخرت کی ملاقات کا یقین نہیں آتا؟

جواب: (1) ان لوگوں کو آخرت کی ملاقات کا یقین نہیں آتا جو دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن رہتے ہیں۔(2) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے غافل رہتے ہیں۔

﴿ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (8) ﴾

''یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ آگ ہے اس کے بدلے میں جو وہ کمایا کرتے تھے۔''(8)

سوال 1: ﴿**اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ**﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ آگ ہے اس کے بدلے میں جو وہ کمایا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿**اُولٰٓئِكَ**﴾ ''یہی لوگ ہیں''یعنی جن کے یہ اوصاف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے، جو دنیا کی زندگی پر مطمئن ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے غافل ہیں۔(2) ﴿**مَاْوٰىهُمُ النَّارُ**﴾ ''جن کا ٹھکانہ آگ ہے''یعنی ان کا ٹھکانہ اور مقام آگ ہے جہاں سے وہ کبھی نکل نہیں پائیں گے۔(3) ﴿**بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ**﴾ ''اس کے بدلے میں جو وہ کمایا کرتے تھے''یعنی جہنم کا عذاب ان کے گناہوں، کفر، ظلم، شر، فساد اور شرک کی پاداش میں ہے۔

سوال2: جہنم کس کے لیے ہے؟

جواب: جو جہنم جانے کی تیاری کرتا ہے۔

سوال3: جہنم جانے کی تیاری کیسے کی جاتی ہے؟

جواب: جہنم جانے کی تیاری کے لیے چار کام کیے جاتے ہیں: (1) اللہ تعالیٰ کو بھلانا۔(2) دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہونا۔(3) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے غفلت برتنا۔(4) اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید نہ رکھنا۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ(9) ﴾

''یقیناً جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں ان کا رب انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت دے گا، نعمت کے باغوں میں ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔''(9)

سوال 1: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ﴾ ''یقیناً جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں ان کا رب انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''یقیناً جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں''یعنی جن لوگوں نے ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کے ساتھ نیک اعمال انجام دیے۔(2) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر فرمایا ہے جس کا اس نے آیات پر تفکر کی وجہ سے ان سے مطالبہ کیا ہے۔(فتح القدیر:534/2)(3) اعمال صالح دل، زبان اور جوارح کے اعمال پر مشتمل ہیں۔(4) ﴿ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ﴾ ''ان کا رب انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت دے گا'' اللہ تعالیٰ نے ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ وہ ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں سب سے بڑا بدلہ یعنی ہدایت عطا فرماتا ہے۔(5) ہدایت سے مراد نفع مند علم اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک کام کرنے والوں کو ایسے اعمال کی توفیق دیتا ہے جو ہدایت کی وجہ سے ممکن ہوتے ہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ انہیں علم عطا فرماتا ہے، آیات پر تفکر کے لیے ان کی راہ نمائی کرتا ہے اور دنیا میں سیدھے راستے پر چلاتا ہے اور انہیں اس راستے پر چلاتا ہے جو آخرت میں جنت لے کر جاتا ہے۔(6) ایمان اور عمل صالح انسان کو جنت تک لے جانے والا راستہ ہے۔(تفسیر منیر:124/6)(7) ایمان انسان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ اس سے انسان کو علم کا سرا ہاتھ آجاتا ہے اور انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنی فکر کے بھٹکنے سے پہلے بچ جائے۔ وہ انسان کو صاحب بصیرت بناتا ہے اور غلط راستوں سے بچاتا ہے۔ وہ انسان کو صحیح راستے پر چلاتا ہے۔ وہ انسان کو جنت تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ انسان کو اپنے انجام کے بارے میں فکرمند کر دیتا ہے۔ وہ انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کو صحیح اور غلط کی روشنی میں دیکھے، صحیح پر چلے اور غلط کو چھوڑ دے، اس طرح ایمان انسان کو قوت تمیز دیتا ہے۔(8) ایمان بندے اور رب کے درمیان رابطہ ہے۔ یہ بندے اور رب کے درمیان ایک معاہدہ ہے۔(9) رب العزت نے فرمایا: ﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ آج ایسے باغات کی تمہیں خوش خبری ہو جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اس میں ہمیشہ کے رہائشی ہو، یہی بڑی کامیابی ہے۔(الحدید:12)(10) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت ہے

جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس بندے کی عقبیٰ کی بھلائی چاہتا ہے اس کو دنیا اور خواہشات دنیا سے ایسے بچاتا ہے جس طرح کوئی آدمی اپنے بیمار کو بدپرہیزی کی چیزوں سے بچاتا ہے۔(طبرانی،مستدرک حاکم)

سوال2: ﴿ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴾ ''نعمت کے باغوں میں ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) **﴿ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ﴾** ''ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی''یعنی ہمیشہ بہنے والی نہریں۔(تفسیر سعدی:1120/2)(2) **﴿ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴾** ''نعمت کے باغوں میں'' جنت ہرطرح سے کامل نعمتوں پر مشتمل ہوگی۔قلب کو فرحت وسرور، تروتازگی، اللہ رحمٰن کا دیدار، اس کے کلام کا سماع، اس کی رضا اور قرب کے حصول کی خوشی، دوستوں اور بھائیوں سے ملاقاتوں، ان کے ساتھ اکٹھے ہونے، طرب انگیز آوازوں، مسحور کن نغمات اور خوش کن مناظر کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ بدن کو مختلف انواع کے ماکولات ومشروبات اور بیویاں وغیرہ عطا ہوں گی جو انسان کے علم سے باہر ہیں جن کے بارے میں انسان تصور تک نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس کا وصف بیان کرسکتا ہے۔(تفسیر سعدی :1120/2)(3) رب العزت نے جنت کے بارے میں فرمایا: **﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾** چنانچہ کوئی شخص نہیں جانتا ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا چھپا کر رکھا گیا اس عمل کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔(السجدہ :17)(4) جنت کی راحت وسرور کی حقیقت کا ہم اس دنیا میں تصور بھی نہیں کرسکتے۔ایک حدیث میں پیغمبر اسلام ﷺ نے جنت کی حقیقت یہ بتلائی ہے: نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی فرد بشر کے خیال میں گزری!(مسلم) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں۔بجز اس کے نام میں مشارکت ہے۔(ابن کثیر)(ترجمان القرآن:177/2)

﴿ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (10)]

ان کی دعا اس میں یہ ہوگی ''پاک ہے تو اے اللہ''! اور ان کی آپس کی دعا اس میں سلام ہوگی اور ان کی دعا کا اختتام یہ ہوگا کہ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''(10)

سوال1: ﴿ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴾ ''ان کی دعا اس میں یہ ہوگی ''پاک ہے تو اے اللہ''! اور ان کی آپس کی دعا اس میں سلام ہوگی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) **﴿ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ﴾** ''ان کی دعا اس میں یہ ہوگی ''پاک ہے تو اے اللہ!'' خوش نصیب جنتیوں کی عبادت میں سے پہلی چیز کا بیان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کریں گے۔(2) **﴿ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴾** ''اور ان کی آپس کی دعا اس میں سلام ہوگی'' اہل جنت کی دعائے ملاقات سلام ہوگی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: **﴿ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ﴾** اہل جنت جس دن اللہ تعالیٰ سے ملیں گے ان کی دعائے ملاقات سلام ہوگی۔(3) اہل جنت ایک دوسرے کی زیارت کے وقت سلام کریں گے یعنی ان کی گفتگو لغو باتوں سے

پاک ہوگی۔رب العزت نے فرمایا:﴿ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴾ نہ اس میں وہ بے ہودہ گفتگو سنیں گے اور نہ کوئی گناہ میں ڈالنے والی بات۔مگر یہ کہنا کہ سلام ہے، سلام ہے۔(الواقعہ:25,26)

سوال2:﴿ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ اوران کی دعا کا اختتام یہ ہوگا کہ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اہل جنت آخر میں اس کے لیے حمد وثناء بیان کریں گے۔کیونکہ ان کی ساری تکلیفیں دور ہو چکی ہوں گی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴾ اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا، بلاشبہ ہمارا رب یقیناً بے حد بخشنے والا ،نہایت قدر دان ہے۔جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ پر اتار دیا، اس میں نہ ہمیں کوئی مشقت پہنچتی ہے اور نہ ہی اس میں ہمیں کبھی تھکاوٹ پہنچتی ہے۔(فاطر:34,35)(2)ان کے لیے سب سے بڑی لذت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی حیثیت ان کے لیے ایسے ہی ہو گی جیسے کسی جان دار کے لیے سانس کی۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴾ اور وہ کہیں گے:''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں زمین کا وارث بنادیا کہ ہم جنت میں سے جہاں چاہیں گے جگہ بنالیں'' سوکیا ہی بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔(الزمر:74)(3)سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:''جنتی جنت میں کھائیں گے اور پئیں گے،لیکن تھوکیں گے،نہ پیشاب کریں گے، نہ پاخانہ کریں گے اور نہ ناک صاف کریں گے۔''صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ جو کھانا وہ کھائیں گے وہ کہاں جائے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:''بس ڈکار آئے گا اور پسینا آئے گا،جس سے خوشبو مشک کی طرح آئے گی (اوران کا کھانا تحلیل ہو جائے گا)،انہیں تسبیح اور تحمید اس طرح سکھائی جائے گی،جس طرح تمہیں سانس لینا سکھایا جاتا ہے۔''(صحیح مسلم:7152)

سوال3: دنیا کی دل چسپیوں کا دنیا اور آخرت میں حال واضح کریں؟

جواب:

دنیا کی دلچسپیاں دنیا میں	دنیا کی دل چسپیاں آخرت میں
(1)دنیا کا مال،	انسان مال کی فکر اور حصول سے آزاد ہوگا اور بے پناہ مال ملے گا۔
(2)دنیا کی عزت،	انسان عزت کی فکر سے آزاد ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت کا اعلیٰ مقام ملے گا۔

(3) دنیا کے نقصان سے بچنا،	انسان کو اللہ تعالیٰ ہر طرح کے نقصان سے بچالیں گے۔
(4) دنیا کے فائدوں کو حاصل کرنا،	انسان کو ہر طرح کے فائدے حاصل ہوں گے۔

سوال4: آخرت میں انسان کی دل چسپیاں کیا ہوں گی؟

جواب: (1) خوشی سے ایک دوسرے کو پکاریں گے۔ (2) ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں گے۔ (3) یہ پکاریں گے کہ اے اللہ تو پاک ہے ساری تعریفوں کا مستحق رب العالمین ہے۔

سوال5: آخرت کی جنت کن لوگوں کو ملے گی؟

جواب: (1) آخرت کی جنت ان لوگوں کو ملے گی جو لوگ دنیا میں دوسروں کے لیے خیر خواہی کے جذبات رکھیں گے۔ (2) جو لوگ دوسروں کی سلامتی چاہیں گے اور دوسروں کو اپنے شر سے بھی سلامت رکھیں گے۔

رکوع نمبر:7

﴿وَ لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ(11)﴾

''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو بہت جلدی بھلائی دینے کی طرح ان کو برائی جلدی دے تو یقیناً ان کی مدت ان کی طرف پوری کر دی جائے تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ان لوگوں کو ہم ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ حیران پھرتے ہیں۔'' (11)

سوال1: ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ﴾ ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو بہت جلدی بھلائی دینے کی طرح ان کو برائی جلدی دے تو یقیناً ان کی مدت ان کی طرف پوری کر دی جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾ کے متعلق مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس سے مراد اپنی اولاد اور اپنے مال کے متعلق یہ کہنا کہ اے اللہ! اس میں برکت نہ فرما اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے تو (بعض اوقات ان کی یہ بددعا نہیں لگتی) کیوں کہ ان کی تقدیر کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے اور (بعض اوقات) جس پر بددعا کی جاتی ہے' وہ ہلاک و برباد ہو جاتے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر) (2) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے آپ کو بددعا نہ دو، اپنی اولاد کو بددعا نہ دو، اپنے خادموں کو بددعا نہ دو اور اپنے مالوں کو بددعا نہ دو، ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا و قبولیت کی گھڑی ہو (ادھر تم کوئی بددعا کرو اللہ تعالیٰ اسے) تمہارے لیے قبول کر لے۔'' (سنن ابوداود:1532) (3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر مسلمان کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ تھڑ دلا اور جلد باز ہو کر یہ نہ کہے کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں مانگیں لیکن قبول نہیں ہوتیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جلد بازی

کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دعامانگنے والا کہے میں نے دعا مانگی، پھر مانگی لیکن مجھے دعاقبول ہوتی نظرنہیں آتی اور اس پر دعامانگنا چھوڑ دے۔'' (مسلم:6936) (4) لوگ عذاب کا مطالبہ کرنے میں جلدی کرتے ہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ **وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ** ﴾ اوروہ آپ سے جلدعذاب مانگتے ہیں اوراگرایک مدت مقررہ نہ ہوتی توان پرعذاب ضرور آجاتا اور یقیناً وہ ان پراچانک آئے گا حالانکہ وہ شعور بھی نہ رکھتے ہوں گے۔ (العنکبوت:53) (5) ﴿ **وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ** ﴾ اور انہوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! حساب کے دن سے پہلے ہی ہماراحصہ ہمیں جلدی دے دے۔'' (ص:16) (6) ﴿ **وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ** ﴾ اور وہ بھلائی سے پہلے برائی کوجلدی مانگتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے بے شک بہت سی عبرت ناک سزائیں گزرچکیں۔ (الرعد:6) (7) ابوجہل نے کعبۃ اللہ کے پردے پکڑکر اپنے لیے عذاب کا مطالبہ کیا تھا جس کا تذکرہ رب العزت نے سورۃ الانفال کی آیت نمبر 32 میں کیا: ﴿ **وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ** ﴾ اور جب انہوں نے کہا: ''اے اللہ! اگر یہ واقعی تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسایا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔'' (8) ﴿ **لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ** ﴾ ''تو یقیناًان کی مدت ان کی طرف پوری کردی جائے'' لوگ دعائیں کرتے ہیں کہ عذاب انہیں صفحہ ہستی سے مٹادے مگرارحم الراحمین انہیں مہلت دیتا ہے اوران کی کوتاہیوں کومعاف کردیتا ہے۔ (9) اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم پران کا مواخذہ کرے تو زمین پرکوئی جان دارزندہ نہ بچے۔ (10) بعض اوقات انسان اپنے گھر والوں اور حال پرناراض ہوکر بددعا کربیٹھتا ہے اگروہ قبول ہوجائے تو سب کچھ برباد ہوجائے مگر حکمت والا اورحلم والا رب سب بددعاؤں کوقبول نہ کرکے رحم فرماتا ہے۔الحمدللہ۔ (11) کسی کے مال اوراولاد پر بددعا کرنا اچھانہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے لیے اپنے مال کے لیے اوراولاد کے لیے بددعا نہ کرو۔کہیں ایسانہ ہوکہ بددعاکسی قبولیت والی گھڑی میں زبان سے نکل جائے اورقبول ہوجائے۔ (مسند بزار)

سوال 2: انسان عذاب کا مطالبہ کرنے میں اس طرح جلدی کیوں کرتا ہے، جس طرح بھلائی کا مطالبہ کرنے میں جلدی کرتا ہے؟

جواب: جولوگ آخرت کی ملاقات کا یقین اوراللہ تعالیٰ کی پکڑ کے اندیشے نہیں رکھتے انہیں عذاب کا یقین نہیں آتا اس لیے وہ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ عذاب آنے کا انہیں یقین نہیں ہوتا۔

سوال 3: ﴿ **فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ** ﴾ ''توجولوگ ہماری ملاقات کی امیدنہیں رکھتے ان لوگوں کوہم ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ حیران پھرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا** ﴾ ''توجولوگ ہماری ملاقات کی امیدنہیں رکھتے'' یعنی جولوگ آخرت کی امیدنہیں رکھتے وہ اس کے لیے تیاری نہیں کرتے اوررب العزت انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ (2) جولوگ آخرت کی امیدنہیں رکھتے وہ یہ علم بھی نہیں رکھتے اورنہ وہ رکھنا چاہتے ہیں کہ کون سی چیز انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلادے گی۔ (3) ﴿ **فِي طُغْيَانِهِمْ** ﴾ ''ان کی سرکشی میں'' اللہ تعالیٰ انہیں کیسے چھوڑ

دیتاہے،اس کی وضاحت ہے کہ وہ انہیں ان کے حال پر،ان کی سرکشی میں،ان کے باطل پر چھوڑ دیتا ہے۔سرکشی کی وجہ سے ہی وہ حق سے نکل جاتے ہیں۔(4)﴿يَعۡمَهُونَ﴾''کہ وہ حیران پھرتے ہیں''سرکشی کی حالت کی مزید وضاحت ہے کہ کس طرح وہ حیران اور سرگرداں پھرتے ہیں کہ انہیں کوئی مضبوط دلیل نہیں ملتی،وہ کوئی راستہ نہیں پاتے۔(5) گمراہی سے نکلنے کے لیے دلیل ہی وہ روشنی ہے جس سے شعور کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں اور حق صاف صاف دکھائی دیتا ہے۔دلیل اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے کتاب وسنت کے علم سے ملتی ہے۔جب علم نہیں ہوتا،نہ اس علم کی تلاش میں نکلتے ہیں،نہ اس کو اپنی ضرورت خیال کرتے ہیں تو ان کے ظلم اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے بے رخی اور اس سے انکار کے جرم میں اللہ تعالیٰ انہیں ان کی سرکشی میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ برے کام کرنے والے کوڈھیل کیوں دیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ برے کام کرنے والوں کوڈھیل اس لیے دیتے ہیں کہ وہ کسی مقام پر اپنی اصلاح کریں۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کی ڈھیل کا قانون انسانوں کے لیے کیا کردار ادا کرتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت انسان کے لیے رحمت ہے۔

سوال6: انسان سرکش کیسے بن جاتا ہے؟

جواب: (1) جولوگ دنیا میں جیتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا سامنا کرنا ہے،وہ سرکش ہو جاتے ہیں۔(2) جولوگ آخرت کی جواب دہی اور پکڑ کا یقین نہیں رکھتے وہ سرکش ہو جاتے ہیں۔(3) جولوگ سمجھتے ہیں کہ وہ آزاد ہیں جو چاہیں کر گزریں کوئی پکڑنے والا نہیں وہ سرکش ہو جاتے ہیں اور فساد پھیلاتے ہیں۔

سوال7: سرکشی سے بچنے کا کیا راستہ ہے؟

جواب: سرکشی سے بچنے کا ایک ہی حقیقی محرک ہے،وہ یہ کہ انسان یہ سمجھ لے کہ ہر طاقت ور سے اوپر ایک اور طاقت ور ہے جس کے آگے ہر انسان بے بس ہے اور یہ کہ وہ انسان کو پکڑ لے گا اور یہ کہ انسان مجبور ہو جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو تسلیم کر لے۔

﴿وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ(12)﴾

''اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں اپنے پہلو پر یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے پکارتا ہے پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف اس سے دور کر دیتے ہیں تو وہ چل دیتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں اس تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی ہو۔ایسے ہی حد سے گزر جانے والوں کے لیے خوش نما بنا دیا گیا جو وہ عمل کیا کرتے تھے۔''(12)

سوال1: ﴿ **وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا** ﴾ ’’اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں اپنے پہلو پر یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے پکارتا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ** ﴾ ’’اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ مصیبت، بیماری، بے قراری اور پریشانی میں اسے رب یاد آتا ہے۔ (2) ﴿ **دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا** ﴾ ’’تو وہ ہمیں اپنے پہلو پر یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے پکارتا ہے‘‘ جب انسان پر مصیبت آتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے کہ مصیبت ٹل جائے۔ وہ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے رو رو کر فریادیں کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف کو دور کر دے۔ (3) مصیبت میں انسان اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے۔ انسان اپنی عاجزی کا اللہ تعالیٰ کے آگے اعتراف کر لیتا ہے اور بے اختیار اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ انسان مصیبت میں تنگ دل ہو جاتا ہے اس لیے جلد آسانیاں چاہتا ہے اور دعائیں مانگتا ہے۔ مصیبت میں انسان کی امیدیں رب سے وابستہ ہو جاتی ہیں اس لیے وہ راتوں کو بھی اٹھ کر رب کو پکارتا ہے۔

سوال2: مصیبت میں کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے پکارنے سے کیا احساس دلانا مطلوب ہے؟

جواب: انسان کی نفسیاتی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ مصیبت کی گھڑیاں اس پر کتنی طویل ہو جاتی ہیں۔

سوال3: ﴿ **فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ** ﴾ ’’پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف اس سے دور کر دیتے ہیں تو وہ چل دیتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں اس تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی ہو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) شوکانی لکھتے ہیں کہ یہ حالت کافروں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بہت سے مسلمانوں کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو خوب دعائیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرتے ہیں، اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو دعا اور گریہ زاری سے غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے احسان کا شکر ادا کرنا بھول جاتے ہیں۔ (تیسیر الرحمٰن:605/1) (2) ﴿ **وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ** ﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے جس کی طرف وہ رجوع کرنے والا ہوتا ہے، پھر جب وہ اسے اپنی جناب سے کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس کی طرف وہ پہلے پکار رہا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بناتا ہے تاکہ اس کے راستے سے گمراہ کر دے۔ آپ کہہ دیں کہ اپنی ناشکری سے تھوڑا فائدہ اٹھا لو، یقیناً تم دوزخ والوں میں سے ہو۔ (الزمر:8) (3) اس سے بڑھ کر انسان کا ظلم کیا ہوگا کہ وہ مصیبت میں رب کو پکارے اور جب عافیت ملے تو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہ کرے۔ (4) سیدنا ابو یحییٰ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر کام میں اس کے لئے بھلائی ہے اور یہ چیز مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر اسے خوش حالی نصیب ہو، (اس پر اللہ تعالیٰ کا

شکر کرتا ہے،تو (یہ شکر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہے (یعنی اس میں اجر ہے) اور اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے،تو یہ (صبر کرنا بھی) اس کے لئے بہتر ہے (کہ صبر بھی بجائے خود نیک عمل اور باعث اجر ہے)۔(مسلم:7500)

سوال 4: اللہ تعالیٰ جب انسان کی مصیبت دور کرتے ہیں تو اس کے رویے میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: (1) مصیبت دور ہونے پر انسان دوبارہ اپنی پچھلی روش کی طرف لوٹ جاتا ہے۔(2) وہ پیچھے کی طرف مڑ کر نہیں دیکھتا۔(3) وہ غور و فکر نہیں کرتا۔(4) وہ نصیحت قبول نہیں کرتا۔(5) وہ برائی کی طرف بڑھنا شروع کر دیتا ہے۔(6) وہ غافل اور سرکش بن جاتا ہے۔

سوال 5: ﴿ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''ایسے ہی حد سے گزر جانے والوں کے لیے خوش نما بنا دیا گیا جو وہ عمل کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ كَذٰلِكَ زُيِّنَ ﴾ ''ایسے ہی خوش نما بنا دیا گیا'' یہ شیطان کی تزئین ہے۔ وہ ایسی چیزوں کو خوب صورت بنا کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے جن کو انسان کی عقل بھی برا جانتی ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور جو انسان اس کے وسوسوں کے مطابق سوچنے لگ جاتا ہے وہ شیطان کے راستے پر چل نکلتا ہے۔(2) ﴿ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴾ ''حد سے گزر جانے والوں کے لیے'' اسراف حد سے گزرنے کو کہتے ہیں۔(3) یہ دعا سے اعراض، شکر سے غفلت اور خواہشات میں مشغول ہونا ہے۔(فتح القدیر:537/2) (4) ﴿ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''جو وہ عمل کیا کرتے تھے'' یعنی ذکر سے اعراض، خواہشات کی اتباع اور مصیبت میں غیروں سے وہ التجائیں کرنا جو اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہیں۔(تفسیر قاسمی:13/9)(5) اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے ہر عمل کا جواز تلاش کر لیتا ہے۔ جب انسان سرکشی کو پسند کرتا ہے تو اس کا ذہن سرکشی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے جواز تلاش کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو مطمئن کر لیتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال کو اس کی نظروں میں خوش نما بنا دیتے ہیں۔

سوال 6: مسرفین کیسے لوگ ہوتے ہیں؟

جواب: (1) مسرفین مصیبت کے وقت جزع فزع میں عاجزی میں اسراف کرتے ہیں۔(2) جو مصیبت ٹل جانے پر اکڑنے میں اسراف کرتے ہیں۔

سوال 7: اللہ تعالیٰ مسرفین کی مصیبت میں عاجزی کی روش کو کیوں نہیں قبول کرتے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کو انسان کی طرف سے وہ اچھے رویے مطلوب ہیں جو آزادانہ حالات میں اختیار کیے جائیں۔ مجبوری کے رویئے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ مجبوری ختم ہوتے ہی یہ رویے بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

﴿ وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ

﴿ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ(13) ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بہت سے زمانوں کے لوگوں کوتم سے پہلے بھی ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پیغمبران کے پاس واضح دلائل لائے تھے اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے ، ایسے ہی ہم مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں۔''(13)

سوال1: ﴿ وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بہت سے زمانوں کے لوگوں کوتم سے پہلے بھی ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بہت سے زمانوں کے لوگوں کوتم سے پہلے بھی ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا'' اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ اور ان جیسوں پر واضح فرمایا ہے کہ اس سے پہلے گذشتہ قوموں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر، شرک اور ظلم کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ (2) جب کسی شخص یا گروہ کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام یعنی حق کی دعوت پہنچے اور وہ صرف اس وجہ سے اس کا انکار کر دے کہ اس کے معیار پر وہ دعوت پوری نہیں اترتی تو ایسے لوگ ظالم بن کر اللہ تعالیٰ کے قانون کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔

سوال2: ﴿ وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا ﴾ ''اور ان کے پیغمبران کے پاس واضح دلائل لائے تھے اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور ان کے پیغمبران کے پاس واضح دلائل لائے تھے اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے'' انبیاء معجزات اور واضح اور روشن دلائل ان کے پاس لے کر آئے۔ (2) ﴿ وَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا ﴾ ''اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے'' انہوں نے حق کو تسلیم نہیں کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات اور معجزات پر ایمان نہ لائے۔ (3) معجزات کا مطالبہ بھی لوگوں کی جانب سے ہی کیا جاتا ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ (الرعد:7) (4) لوگ معجزات کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ یہ انسان کی فطرت کی خاصیت ہے کہ جب کسی کی طرف اس کے جذبات مخالفانہ ہوتے ہیں تو وہ اس کے کسی معاملے میں حسن ظن نہیں رکھتا۔ اس لیے واضح دلائل بھی اس کے دل کے شک کو دور نہیں کر سکتے۔ اسی لیے رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡكَ يُجَادِلُوۡنَكَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴾ اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو بھی ان پر وہ ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں جن لوگوں نے کفر کیا، پہلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا یہ کچھ نہیں ہے۔ (الانعام:25)

سوال3: ﴿ كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴾ ''ایسے ہی ہم مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''ایسے ہی ہم مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں'' یعنی جب حق ان کے سامنے آیا اور وہ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کر کے انہیں تہہ و بالا کر دیا۔ (2) اللہ تعالیٰ کا عذاب کسی مجرم قوم سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو ایسے ہی سزا دیا کرتا ہے۔ یہ اس کی

سنت ہے۔

﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ(14) ﴾

’’پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد زمین میں جانشین بنا دیا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟‘‘(14)

سوال1: ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ ’’پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد زمین میں جانشین بنا دیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مخاطب کیا ہے جن کی طرف محمد ﷺ کو بھیجا گیا تھا یہ کہہ کر ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ ’’پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد زمین میں جانشین بنا دیا‘‘ یعنی ان پچھلی قوموں کی ہلاکت کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا، تمہارے پاس رسول بھیجا تا کہ وہ تمہارے اعمال کو دیکھے۔

سوال2: ﴿ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ ’’تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ’’تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟‘‘ یعنی رسول تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے تا کہ یہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ (2) اگر تم نے گزشتہ قوموں سے عبرت حاصل کی اور نصیحت پکڑی، اللہ تعالیٰ کی آیات کی اتباع اور اس کے انبیاء ورسل کی تصدیق کی، تو تم دنیا وآخرت میں نجات پاؤ گے۔ اور اگر تم نے بھی وہی کام کئے جو تم سے پہلے ظالم قوموں نے کئے تھے، تو تم پر بھی وہی عذاب بھیج دیا جائے گا جو ان پر بھیجا گیا تھا۔ اور جس نے تنبیہ کر دی اس نے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا۔ (تفسیر سعدی:1123/2، 1122) (3) یہ تصور انسان کے ذہن میں اس شعور کو اجاگر کرتا ہے کہ زمین میں پہلے کچھ اور لوگ اختیارات رکھتے تھے انہیں زوال نصیب ہوا اور اس طرح یہ اقتدار ہم تک پہنچا ہے جو ہاتھ سے جانے والا ہے۔ یہ آزمائش ہے جس کا حساب ہونے والا ہے یوں انسان کے دل ودماغ پر اس کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے خوف کا احساس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے معاشرے کو امن، خوش حالی، اور انصاف نصیب ہوتا ہے۔ (4) رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: دنیا ہری بھری اور میٹھی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں جانشین بنا کر دیکھنے والا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اس دنیا سے اور عورتوں کے فتنے سے بچتے رہو، اسرائیلیوں میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے ہی پیدا ہوا تھا۔ (مسلم)

سوال3: ماضی میں جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا انہیں کس جرم میں ہلاک کیا گیا؟

جواب: (1) ماضی میں جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ان کے پاس پیغمبر آئے تھے اور انہوں نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا تھا اس لیے انہیں نبی کے منکر قرار دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ (2) ماضی کی قوموں نے ظلم اور شرک شروع کر دیا تھا اس لیے انہیں ظالم قرار دے کر ہلاک کر دیا گیا۔

سوال4: ﴿ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ ’’تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو‘‘ کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: انسان رب کے دیکھنے پر چوکنا ہو جاتا ہے، بھلائی کی طرف شدت سے مائل ہو جاتا ہے اور آخرت کی جواب دہی کی فکر میں لگ جاتا ہے۔

﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ(15)﴾

''اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس کو بدل دو، آپ کہہ دیں میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اپنی جانب سے اسے بدل دوں، میں اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے، بلاشبہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔'' (15)

سوال 1: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ﴾ ''اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس کو بدل دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ﴾ ''اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں'' یعنی جب ان پر اللہ عزوجل کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ (ایسر التفاسیر:596) (2) یعنی قرآن مجید کی ایسی واضح آیات جس میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ آیات جو توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کرنے والی ہیں، وہ جو بینات ہیں یعنی واضح دلائل پر مشتمل ہیں۔ (فتح القدیر:537/2) (3) ﴿قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ ''تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں'' وہ لوگ جو بعث اور آخرت کے گھر پر ایمان نہیں رکھتے، حساب کا خوف اور ثواب کی امید نہیں رکھتے۔ (قرطبی:189/4) (4) جس چیز نے ان کو اس تعنت (کٹ حجتی) پر آمادہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے پر عدم ایمان اور اس کے ساتھ ملاقات ہونے پر عدم یقین ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر ایمان رکھتا ہے وہ لازمی طور پر اس کتاب کی اتباع کرتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے، کیونکہ وہ صحیح نیت والا ہے۔ (تفسیر سعدی) (5) ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ﴾ ''اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس کو بدل دو'' رب العزت نے نبی ﷺ کو جھٹلانے والوں کے تعصب کو واضح فرمایا ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان سے منہ پھیر لیتے ہیں اور ان سے ان کے رویے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں اس قرآن کے علاوہ کوئی اور لا کر دو یا اسے بدل دو۔ ابن جریر فرماتے ہیں ان میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ قرآن مجید حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔ (طبری)

سوال 2: قرآن کی آیات بینات ہیں، ان میں کیسی تعلیم ہے؟

جواب:(1) قرآن حکیم انسانی زندگی کی راہ نمائی کی کتاب ہے جس میں انسان کی انفرادی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی تک کے لیے راہ نمائی موجود ہے۔(2) قرآن حکیم جامع کتاب ہے جو اس دنیا کی زندگی کو ترقی دینے اور آخرت کی کامیابی کا پروگرام لیے ہوئے ہے۔ (3) قرآن حکیم زندگی کے تمام مسائل کو حل کرتا ہے اس طرح سے ہر چیز روشن اور واضح ہو جاتی ہے۔

سوال 3: ﴿ قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ﴾ '' آپ کہہ دیں میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اپنی جانب سے اسے بدل دوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیں نہ تو یہ مجھے زیب دیتا ہے نہ میرے لائق ہے کہ میں قرآن کو اپنی طرف سے بدل دوں کیونکہ میں تو رسول ہوں اور رسول اپنی طرف سے کلام اللہ کو بدلنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ کلام اللہ مکمل ہے۔ رب العالمین نے انسان کی ضروریات اور مصلحتوں کے مطابق انسانوں کی ہدایت کے لیے اسے بھیجا ہے۔ رسول کا مقام یہ ہے کہ وہ وحی کی پیروی کرے اور اسے پہنچا دے اس لیے وہ اسے بدل نہیں سکتا۔ رسول اس بات سے ڈرتا ہے کہ نافرمانی کریں گے تو بڑے عذاب کے مستحق ہو جائیں گے۔

سوال 4: ﴿ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ﴾ '' میں اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) قرآن حکیم کو نہ بدل سکنے کے حوالے سے پہلی دلیل یہ دی ہے کہ میں تو اسی حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ میرا کوئی اختیار نہیں۔(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُل لَّئِنِ ٱجْتَمَعَتِ ٱلْإِنسُ وَٱلْجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأْتُوا۟ بِمِثْلِ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِۦ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴾ آپ کہہ دیں یقیناً اگر تمام انسان اور تمام جن اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو وہ اس جیسی نہ لا سکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔(الاسراء:88)

سوال 5: ﴿ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴾ '' بلاشبہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) قرآن مجید کو بدل نہ سکنے کی دوسری دلیل ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔(2) یہ مخلوق میں بہترین ہستی کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور وحی کے بارے میں یہ ادب ہے، تب یہ بے وقوف اور گمراہ لوگ ،جنہوں نے جہالت اور گمراہی، ظلم اور عناد اور اللہ رب العالمین پر اعتراضات اور عجز کی طرف اس کی نسبت کو جمع کر رکھا ہے، کیوں کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریز کر سکتے ہیں، کیا وہ ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتے نہیں؟(تفسیر سعدی:1124/2)

سوال 6: قریش مکہ نے یہ کیوں کہا تھا کہ دوسرا قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کر دو تب ہم اسے مانیں گے؟

جواب:(1) قریش مکہ نے دوسرا قرآن لانے کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ قرآن حکیم میں خالص دین کا اعلان تھا اور انہوں نے خود ساختہ دین اختیار کر رکھا تھا۔(2) قرآن حکیم جو عقیدہ پیش کر رہا تھا اس سے ان کے عقائد پر زد پڑتی تھی۔(3) قرآن حکیم کے عبادت کے تصور سے ان

کی عبادتیں کھیل تماشے سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی تھیں۔(4)قرآن حکیم کے پیغمبر کے تصور سے ان کا تصور ٹکراتا تھا۔وہ پیغمبر کے ساتھ تعلق کو اپنے لیے باعث فخر محسوس کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو راہ نما ماننے کا مطالبہ کیا تھا۔(5)قرآن حکیم کے دین کے تصور سے ان کا نظریہ دین ٹکراتا تھا۔وہ کعبہ کی خدمت کو دین داری سمجھتے تھے۔جب کہ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کے خوف اور آخرت کی جواب دہی کے شعور کے ساتھ کیے جانے والے ان اعمال کو دین داری قرار دیا جن کا مطالبہ رب نے کیا اور جن کا طریقہ محمد ﷺ نے سکھایا۔

﴿ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ(16) ﴾

’’آپ کہہ دیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ میں تمہارے سامنے اس کو پڑھتا اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی خبر دیتا،سو یقیناً اس سے پہلے میں تمہارے درمیان ایک عمر بسر کر چکا ہوں تو کیا تم نہیں سمجھتے؟‘‘(16)

سوال1:﴿ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ﴾’’آپ کہہ دیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ میں تمہارے سامنے اس کو پڑھتا اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی خبر دیتا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قُلْ ﴾’’آپ کہہ دیں‘‘ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کہہ دیں۔(2)﴿ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ ﴾’’اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ میں تمہارے سامنے اس کو پڑھتا‘‘ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اس کے نازل کرنے، پڑھوانے ،پہنچانے کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔اگر قرآن حکیم پڑھا جا رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔اگر قرآن حکیم کی تبلیغ کی جا رہی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔(3)اگر قرآن پڑھ کر سنایا جا رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کا ارادہ لے کر اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ میں آپ پر اسے نہ پڑھوں اور اسے نہ پہنچاؤں تو میں اس کی تلاوت نہ کرتا۔حکم سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کا ہے۔(فتح القدیر:538/2)(4)﴿ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ﴾’’اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی خبر دیتا‘‘ یعنی میں تمہیں اس کی تعلیم نہ دیتا۔(ایسر التفاسیر:596)

سوال2:﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾’’سو یقیناً اس سے پہلے میں تمہارے درمیان ایک عمر بسر کر چکا ہوں تو کیا تم نہیں سمجھتے؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)میں نے تمہارے اندر ایک طویل عمر یعنی 40 سال اس سے پہلے گزارے ہیں۔(2)﴿ مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ اس سے پہلے یعنی قرآن مجید کی تلاوت اور تمہارے اس کو جان لینے سے قبل اور میں نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہی نہ تھا اور یہ چیز کبھی میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔(تفسیر سعدی:1124/2)(3)رب العزت نے اس طویل عمر کے بارے میں واضح فرمایا:﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی آپ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے تب تو باطل پرست ضرور شک کرتے۔(العنکبوت:48)(4)﴿ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ﴾ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے؟ اور نہ یہ کہ

ایمان کیا ہے؟ (الشوریٰ:52) (5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے ان سے بیان کیا کہ ہرقل نے اس کو قریش کی ایک جماعت سمیت بلوایا۔ یہ جماعت صلح حدیبیہ کے تحت رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان طے شدہ عرصۂ امن میں ملک شام تجارت کے لئے گئی ہوئی تھی۔ یہ لوگ ایلیاء (بیت المقدس) میں اس کے پاس حاضر ہوئے۔ ہرقل نے انہیں اپنے دربار میں بلایا۔ اس وقت اس کے اردگرد روم کے بڑے بڑے لوگ تھے۔ پھر اس نے ان کو اور اپنے ترجمان کو بلا کر کہا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے اس سے تمہارا کون سا آدمی سب سے زیادہ قریبی نسبی تعلق رکھتا ہے؟ ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں نے کہا: میں اس کا سب سے زیادہ قریب النسب ہوں۔ ہرقل نے کہا: اسے میرے قریب کردو اور اس کے ساتھیوں کو بھی قریب کر کے اس کی پشت کے پاس بٹھادو۔ اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ میں اس شخص سے اس آدمی (نبی ﷺ) کے متعلق سوالات کروں گا، اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اسے جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ ﷺ کے متعلق یقیناً جھوٹ بولتا۔ ابوسفیان کہتے ہیں اس کے بعد پہلا سوال جو ہرقل نے مجھ سے آپ ﷺ کے بارے میں کیا وہ یہ تھا کہ تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا: وہ اونچے نسب والا ہے۔ ہرقل نے کہا: تو کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ ہرقل نے کہا: کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ ہرقل نے کہا: اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟ میں نے کہا: بلکہ کمزوروں نے۔ ہرقل نے کہا: یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ میں نے کہا: بلکہ بڑھ رہے ہیں۔ ہرقل نے کہا: کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ ہرقل نے کہا: اس نے جو بات کہی ہے، کیا اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اس کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔ ہرقل نے کہا: کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ البتہ ہم لوگ اس وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں۔ معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس فقرے کے سوا مجھے کہیں کچھ اور (جھوٹ) کہنے کا موقع نہ ملا۔ ہرقل نے کہا: کیا تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ ہرقل نے کہا: تو تمہاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟ میں نے کہا: جنگ ہم دونوں کے درمیان برابر کی چوٹ ہے۔ وہ ہمیں زک پہنچا لیتا ہے اور ہم اسے زک پہنچا لیتے ہیں۔ ہرقل نے کہا: وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا: وہ کہتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے تھے اسے چھوڑ دو اور وہ ہمیں نماز، سچائی، پرہیزگاری، پاک دامنی اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: تم اس شخص (ابوسفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے اس شخص (نبی ﷺ) کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا ہے، اور دستور یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اونچے نسب میں بھیجے جاتے ہیں اور میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے کہی ہوتی تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے اور میں نے دریافت

کیا کہ کیااس کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔میں کہتا ہوں کہ اگراس کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گذرا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے باپ کی بادشاہت کا طالب ہے اور میں نے یہ دریافت کیا کہ کیا جو بات اس نے کہی ہے، اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں، اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے۔میں نے دریافت کیا کہ بڑے لوگ اس کی پیروی کررہے ہیں یا کمزور؟ تو تم نے بتایا کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔میں نے پوچھا کہ کیااس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص مرتد بھی ہوتا ہے؟ تو تم نے بتایا کہ نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت جب دلوں میں گھس جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے اور میں نے دریافت کیا کہ کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟ تو تم نے بتلایا کہ نہیں، اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ بدعہدی نہیں کرتے۔میں وَنے یہ بھی پوچھا کہ وہ کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ تو تم نے بتلایا کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے، بت پرستی سے منع کرتا ہے، اور نماز، سچائی اور پرہیز گاری و پاک دامنی کا حکم دیتا ہے تو جو کچھ تم نے بتایا، اگر وہ صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہو جائے گا۔میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کی زحمت اٹھاتا اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا۔'' اس کے بعد ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگوا کر پڑھا۔جب خط پڑھ کر فارغ ہوا تو وہاں آوازیں بلند ہوئیں اور بڑا شور مچا۔ ہرقل نے ہمارے بارے میں حکم دیا اور ہم باہر کر دیے گئے۔جب ہم لوگ باہر لائے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ بڑا زور پکڑ گیا۔اس سے تو بنواصفر (رومیوں) کا بادشاہ ڈرتا ہے۔اس کے بعد مجھے برابر یقین رہا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب آکر رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اندر اسلام کو جاگزیں کر دیا۔یہ قیصر پر نبی ﷺ کے نامۂ مبارک کا اثر تھا جس کا مشاہدہ ابوسفیان نے کیا۔اس نامۂ مبارک کا اثر یہ بھی ہوا کہ قیصر نے رسول ﷺ کے اس نامۂ مبارک کو پہنچانے والے یعنی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو مال اور پارچہ جات سے نوازا۔(بخاری:7)(6)﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ '' تو کیا تم نہیں سمجھتے؟'' یعنی میں نے عمر بھر تمہارے سامنے اس کو تلاوت نہیں کیا اور مجھ سے کبھی کوئی ایسی چیز صادر نہیں ہوئی جو اس پر دلالت کرتی ہو، پھراس کے بعد میں کیوں کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ سکتا ہوں۔میں نے تمہارے اندر ایک لمبی عمر گزاری ہے، تم میری حقیقت حال سے خوب واقف ہو، میرے ماں باپ کو جانتے ہو، تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں پڑھ سکتا ہوں نہ لکھ سکتا ہوں اور میں کسی سے درس لیتا ہوں نہ کسی سے تعلیم حاصل کرتا ہوں؟ (تفسیر سعدی:1124/2)(7) یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے میں نے اپنی طرف سے نہیں تراشا جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تم ایسا کلام بنا کر نہیں لا سکتے جب کہ اُمی ہو کر میں یہ کلام پیش کر رہا ہوں۔تم خود نبوت سے پہلے میری صداقت اور امانت کے معترف تھے میں نے تم میں چالیس سال کی طویل عمر گزاری ہے اس عرصے میں تم نے مجھ میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں دیکھی اور مجھے صادق اور امین کے لقب سے یاد کیا۔اب میں اس کا

فیصلہ تمہاری عقلوں پر چھوڑتا ہوں کیا تمہارے پاس عقل نہیں ہے کہ تم حق اور باطل میں تمیز کر سکو۔(مختصرابن کثیر:783/1)

﴿ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ(17) ﴾

''پھر اس سے زیادہ ظالم اور کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیات کو جھٹلایا؟ یقیناً مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے۔''(17)

سوال1: ﴿ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ﴾ ''پھر اس سے زیادہ ظالم اور کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیات کو جھٹلایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ﴾ ''پھر اس سے زیادہ ظالم اور کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا'' یعنی اس سے بڑھ کر کسی کا ظلم نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔(2) ﴿ اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ﴾ ''یا اس کی آیات کو جھٹلایا'' یعنی آیات آنے کے بعد اس سے بڑا کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلا دے۔(3) رسالت کا جھوٹا دعویٰ انتہائی سنگین جرم ہے یعنی اس سے بڑھ کر ظالم، سرکش اور مجرم نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹا کلام منسوب کرے اور اپنی تراشیدہ باتوں کو اللہ تعالیٰ کی باتیں بتائے اور زبردستی رسول بن بیٹھے، یہ تو بڑا سنگین جرم ہے اس سے بڑھ کر کوئی اور جرم نہیں ہوسکتا۔

سوال2: انسان حق کو کیوں جھٹلاتے ہیں؟

جواب: انسان کے دل میں جب یہ دھڑکا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اقوال اور افعال کے لیے اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہ ہے تو وہ سرسری طور پر حق کو نظرانداز کر دیتا ہے۔

سوال3: ﴿ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴾ ''یقیناً مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یقیناً مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے'' (1) مجرم وہ ہیں جو شرک اور نافرمانی کے کام کرتے ہیں۔(2) مجرم وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور اس کی آیات کو جھٹلائے۔(3) مجرم کبھی فلاح نہیں پائیں گے اور دیکھ لو کہ مجرم کون ہے؟(4) میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی آیات لے کر آیا ہوں تم نے ان کو جھٹلایا، جس سے یہ بات متعین ہوگئی ہے کہ تم ظالم ہو تمہارا معاملہ عنقریب مضمحل ہو جائے گا اور جب تک تم اپنی اس ڈگر پر چلتے رہو گے ہرگز فلاح نہیں پاسکو گے۔(تفسیر سعدی:1125/2)

﴿ وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہُمۡ وَ لَا یَنۡفَعُہُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ قُلۡ اَتُنَبِّـُٔوۡنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعۡلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ(18) ﴾

''اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ہی انہیں نقصان دے سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لوگ ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے نہ وہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ پاک ہے وہ اور بے حد بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔'' (18)

سوال1: ﴿ **وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ** ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ہی انہیں نقصان دے سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَيَعْبُدُونَ** ﴾ ''اور وہ عبادت کرتے ہیں'' رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے والے مشرک پرستش کرتے ہیں۔ (2) جب انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری چیزوں میں اٹکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو اپنی امیدوں کا مرکز بنا لیتا ہے۔ پھر وہ یقین رکھتا ہے کہ کچھ ہستیاں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں بلند مقام رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کی سفارش پر دنیا اور آخرت کے فیصلے کرتا ہے۔ یہ شفاعت کا غلط عقیدہ ہے۔ اس یقین کی بنیاد پر انسان ایسی ہستیوں کی عبادت کرنے لگتا ہے۔ (3) ﴿ **مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ** ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے ماسوا جو نہ ہی انہیں نقصان دے سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی بھی نفع پہنچانے کا یا ضرر دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نفع ونقصان کا مالک نہ سمجھنے کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: (1) جو انسان اللہ تعالیٰ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے۔ (2) ایسا انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ (3) ایسا انسان اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھتا ہے۔ (4) ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ (5) ایسا انسان اللہ تعالیٰ کو سب کچھ بنا لیتا ہے۔

سوال3: ﴿ **وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ** ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لوگ ہمارے سفارشی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَيَقُولُونَ** ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں'' اور وہ ایسی بات کہتے ہیں جس کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ (2) ﴿ **هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ** ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لوگ ہمارے سفارشی ہیں'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسروں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ ان کی سفارش کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ یہ ان کا غلط تصور ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ (3) یہ بات جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں جب کہ وہ مال میں ان کی شفاعت کا انتظار کرتے ہیں جو نہ نفع کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان کا اور وہ کہتے ہیں ﴿ **شُفَعَآؤُنَا** ﴾ یعنی دنیا میں معاش کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے۔ (قرطبی: 4/191) (4) عربوں کی اکثریت خالق کا اعتراف کرتی تھی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ **وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ** ﴾ اور اگر یقیناً آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ ضرور کہیں گے کہ سب پر غالب، سب کچھ جاننے والے نے انہیں پیدا کیا۔ (الزخرف: 9) اور

بعث کا یعنی جی اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔وہ بتوں کی بندگی کرتے تھے جو انہیں نہ نفع پہنچا سکتے تھے نہ نقصان کیونکہ وہ پتھر یا مصنوعی اجسام ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے اور غیراللہ کی بھی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ **وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ** ﴾اوران میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگراس حال میں کہ وہ مشرک ہوتے ہیں۔(یوسف:106)وہ بتوں کی نفع و ضرر پر قدرت پر یقین رکھتے تھے اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش کریں گے اور کہتے تھے ﴿ **مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ** ﴾ ہم توان کی عبادت نہیں کرتے مگراس لئے کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں،اچھی طرح قریب کرنا۔(الزمر:3) یہ ان کی بتوں کی پرستش کے دو اسباب تھے۔اسی وجہ سے نضر بن حارث کہتا تھا جب قیامت کا دن آئے گا تو لات اور عزیٰ سفارش کریں گے۔اسی کا جواب رب العزت نے دیا:﴿ **قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ** ﴾(تفسیر منیر:141/6)

سوال4:﴿ **قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ** ﴾''آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے نہ وہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ** ﴾''آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہو؟''یعنی جس چیز کا وقوع ناممکن ہے کیا تم اس کے وقوع کی اللہ تعالیٰ کو خبر دے رہے ہو۔(ابن جریر)(2)﴿ **أَتُنَبِّئُونَ** ﴾''کیا تم خبر دے رہے ہو؟''یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کو علم اور خبر دے رہے ہو۔(نعوذ باللہ)(ایسر التفاسیر:596)(3)﴿ **بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ** ﴾''اس بات کی جسے نہ وہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟''اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے عقیدے کو باطل قرار دیتے ہوئے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے جس نے اپنے علم کے ذریعے سے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اس نے تمہیں آگاہ کیا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے ساتھ کوئی معبود نہیں۔پس اے مشرکو!کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں؟کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسے معاملے کی خبر دے رہے ہو جو اللہ تعالیٰ سے مخفی ہے اور تم اسے جانتے ہو؟کیا تم اللہ تعالیٰ سے زیادہ جانتے ہو؟کیا اس عقیدے سے زیادہ باطل عقیدہ پایا جاسکتا ہے جو اس امر کا متضمن ہے کہ یہ گمراہ،جہال اور بے وقوف لوگ،اللہ رب العالمین سے زیادہ علم رکھتے ہیں؟عقل مند شخص کے لیے اس عقیدے کا مجرد تصور ہی یہ جاننے کے لیے کافی ہے کہ یہ قطعی طور پر فاسد اور باطل عقیدہ ہے۔(تفسیر سعدی:1125,1126/2)

سوال5:﴿ **سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ** ﴾''پاک ہے وہ اور بے حد بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''پاک ہے وہ اور بے حد بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں''(1)یعنی اللہ تعالیٰ کی عزت والی ذات ان کے شرک وکفر سے پاک وصاف ہے۔(مختصر ابن کثیر:785/1)(2)یعنی اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ کوئی اس کا شریک یا نظیر ہو،بلکہ اللہ تعالیٰ واحد،فرد اور بے نیاز ہے،آسمانوں اور زمین میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اس عالم علوی اور سفلی میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود عقل،شرع اور فطرت کے اعتبار سے باطل ہے۔﴿ **ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ** ﴾ یہ اس لیے کہ یقیناً

اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور یقیناً وہ سب باطل ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بلند، بہت بڑا ہے۔ (الحج:62)
(تفسیر سعدی:1126/2)

﴿وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ(19)﴾

''اور تمام لوگ ایک ہی امت تھے، پھر وہ الگ الگ ہو گئے اور اگر آپ کے رب کے پاس ایک بات پہلے ہی سے طے نہ ہوتی تو اس بارے میں ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔''(19)

سوال 1: ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا﴾ ''اور تمام لوگ ایک ہی امت تھے، پھر وہ الگ الگ ہو گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور تمام لوگ ایک ہی امت تھے، پھر وہ الگ الگ ہو گئے'' (1) اللہ تعالیٰ نے انسانی تاریخ کی اپنے علم کی شان کے مطابق خبر دی ہے کہ لوگ ایک ہی دین پر تھے جو دین حق ہے اور وہ اسلام ہے۔ (2) انسانیت کا آغاز دین فطرت پر ہوا تھا جو ایک ہی تھا۔ (3) یعنی تمام لوگ یک سو تھے ایک ہی ملت پر متفق تھے اور وہ فطرت ہے یعنی اسلام اور توحید جس پر اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو پیدا کیا۔ (تفسیر قاسمی:119/9) (4) ﴿فَاخْتَلَفُوْا﴾ ''پھر وہ الگ الگ ہو گئے'' انسانوں کے اختلاف کی وجہ سے دین مختلف ہو گئے اور انسانوں نے آزادی کا غلط استعمال کیا جس کی وجہ سے بہت سے دین بن گئے۔ (5) لوگوں نے خواہشات کی پیروی کی، بتوں کی بندگی کی، شرک اور اس کی فروعات اور جہالت کی وجہ سے لوگ توحید سے پھر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اور دل لگتے دلائل کے ساتھ رسول بھیجے تا کہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے۔ (تفسیر قاسمی:19/9) (6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن تھے۔ وہ سب کے سب اسلام پر تھے پھر لوگوں کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ انہوں نے بتوں کی بندگی کی تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اپنی آیات، واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ بھیجا۔ ﴿لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰى مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ﴾ تا کہ جو ہلاک ہو، واضح دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ واضح دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ (الانفال:42) (تفسیر منیر: 143/6) (7) اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے ساتھ اپنی آیات، اپنی کتاب اس لیے نازل فرمائی تا کہ وہ لوگوں کے درمیان اس کے بارے میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

سوال 2: ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ ''اور اگر آپ کے رب کے پاس ایک بات پہلے ہی سے طے نہ ہوتی تو اس بارے میں ان رَّبِّكَ﴾ ''اور اگر آپ کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ ﴾''اوراگرآپ کے رب کے پاس ایک بات پہلے ہی سے طے نہ ہوتی''ایک بات یہ ہے کہ نافرمانوں کومہلت دیتی ہے اوران کے گناہوں پران کافوری مؤاخذہ نہیں کرتا۔(2)یعنی اللہ تعالیٰ کسی ایک کوبھی نہیں پکڑے گا جب تک ان پر حجت قائم نہ ہوجائے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴾اورہم کبھی عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیجیں۔(بنی اسرائیل:15)(3)کلمہ سے مراداللہ تعالیٰ کاقول ہے کہ میری رحمت میرے غضب پرحاوی رہے گی۔(فتح القدیر:541/2)

سوال3:﴿ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴾''تواس بارے میں ان کے درمیان ضرورفیصلہ کردیاجاتاجس میں وہ اختلاف کررہے ہیں''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾''توان کے درمیان ضرورفیصلہ کردیاجاتا''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کوبچالیتے اورکفارکوہلاک کردیتے تویہ چیزان کے درمیان فیصلہ کن علامت بن جاتی۔(2)دنیامیں حق اورباطل کے درمیان تفریق کی علامت کفارکی ہلاکت اوراہل ایمان کی نجات ہے۔(3)﴿ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴾''اس بارے میں جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں''(الف)لوگوں کااختلاف حق سے ہےاسی وجہ سے اہل حق اوراہل باطل کے درمیان اختلاف رہتاہے۔(ب)یعنی حق اورباطل کے درمیان جوجھگڑاہے وہ حق کے باقی رہنے اورباطل کے ہلاک ہونے کی صورت میں ہی دورہوسکتاہے۔(4)مگراللہ تعالیٰ نے یہ چاہاکہ وہ ان کوایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے اورآزمائش میں مبتلاکرے،تاکہ سچے اورجھوٹے کے درمیان فرق واضح ہوجائے۔(تفسیرسعدی:1126,1127/2)(5)اصل اختلاف توقیامت کے دن ہی دورہوگا۔جیساکہ رب العزت نے فرمایا:﴿ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴾توانہوں نے باہم اختلاف نہیں کیاحتیٰ کہ ان کے پاس علم آگیا،یقیناً آپ کارب ان کے درمیان قیامت کے روزاس کافیصلہ کردے گاجس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔(یونس:93)

سوال4:اختلافات قیامت سے پہلے کیوں نہیں ختم ہوسکتے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے دنیاکوامتحان کے لیے بنایاہےاس لیےحقیقت کوچھپاکررکھاہے کہ انسان اپنی عقل کواستعمال کرکےحقیقت تک پہنچیں اگرقیامت سے پہلےاختلافات ختم ہوجائیں توامتحانی صورت حال ختم ہوجائے گی۔اس لیے قیامت کے دن ہی اختلافات ختم ہوں گے۔

سوال5:انسانوں کے درمیان اختلاف کی جگہ اتحادکیسے پیداہوسکتاہے؟

جواب:شدت خوف کی وجہ سے اختلاف ختم ہوسکتاہے۔

﴿ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا ۖ إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ(20) ﴾

''اوروہ کہتے ہیں کہ اس پراس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ سو آپ کہہ دیں کہ غیب کی خبر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، چنانچہ تم لوگ انتظار کرو بلاشبہ میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔'' (20)

سوال1: ﴿ **وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ اس پراس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَيَقُوْلُوْنَ** ﴾ یعنی جھٹلانے والے اور سرکش کافر کہتے ہیں۔ (2) ﴿ **لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** ﴾ ''اس پراس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟'' یہ کہ محمد ﷺ پر ان کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترا یعنی اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو اونٹنی دی تھی اسی طرح انہیں بھی کوئی معجزہ دے دیتا اور یہ کہ محمد ﷺ کو چاہیے تھا کہ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیتے، مکہ کے پہاڑ دور ہٹا دیتے اور پہاڑوں کی جگہ سرسبز وشاداب میدان بنا دیتے جس میں نہریں جاری ہوتیں۔ (3) مثلاً وہ کہا کرتے تھے: ﴿ **لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا** ﴾ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا؟ (الفرقان:7) ﴿ **وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا** ﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی بہتا چشمہ جاری نہ کردیں۔ (بنی اسرائیل:90) (4) اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اندر سب کچھ ہے اور وہ کسی کام سے عاجز نہیں مگر اپنے افعال اور اقوال کی حکمتوں کو وہ خوب جانتا ہے۔ فرمایا: ﴿ **تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا** ﴾ بہت برکت والا ہے جو اگر چاہے تو آپ کو اس سے بہتر ایسے باغات عطا کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کے لیے محلات بنا دے۔ (الفرقان:10) (مختصر ابن کثیر:785,786/1) (5) ﴿ **وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا** ﴾ اور ہمیں نہیں روکا کہ ہم معجزات بھیجیں مگر یہ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ان کو جھٹلا دیا تھا اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کا واضح معجزہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے اس پر بھی ظلم کیا اور ہم خوف دلانے کے لیے ہی معجزات بھیجتے ہیں۔ (بنی اسرائیل:59)

سوال2: رسول سے لوگ نشانی کیوں مانگتے ہیں؟

جواب: رسول کی دعوت سے بچنے کے لیے لوگ نشانی مانگتے ہیں اور اسے مختلف قسم کے مطالبات میں الجھاتے ہیں تاکہ وہ دعوت کے ذریعے زندگی میں تبدیلی لانے کا مطالبہ نہ کرے۔

سوال3: نشانی کا اصل مقصد کیا ہوتا ہے؟

جواب: جو نشانی یا معجزے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ سبق لیں۔

سوال4: لوگ نشانی سے سبق کیوں نہیں لیتے؟

جواب: (1) لوگ نشانی سے اس لیے سبق نہیں لیتے کہ نشانی دیکھنے کے لیے ہوتی ہے مجبور کرنے کے لیے نہیں۔ (2) نشانی آجانے کے

بعد بھی لوگوں کے پاس اختیار ہوتا ہے کہ وہ کوئی جھوٹا جواز تلاش کر کے نشانی کو رد کر دیں۔

سوال 5: ﴿ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ إِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ ''سو آپ کہہ دیں کہ غیب کی خبر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے چنانچہ تم لوگ انتظار کرو بلاشبہ میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَقُلْ ﴾ ''سو آپ کہہ دیں''یعنی جب وہ کسی معجزے کا مطالبہ کریں تو آپ کہہ دیں۔(2) ﴿ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ ﴾ ''غیب کی خبر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے''یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے علم کے ذریعے سے اپنے بندوں کے احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے، وہ اپنے علم اور انوکھی حکمت کے تقاضے کے مطابق ان کی تدبیر کرتا ہے۔ کسی حکم، کسی دلیل، کسی غایت وانتہا اور کسی تعلیل کی تدبیر میں کسی کا کوئی اختیار نہیں۔ (تفسیر سعدی:1127/2)(3) یعنی معجزات کا علم غیب سے آتا ہے اور غیب صرف اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے لیے، میں اور آپ نہیں جانتے۔ (ایسر التفاسیر:598,597)(4) ﴿ فَانْتَظِرُوْا ۚ إِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ ''چنانچہ تم لوگ انتظار کرو بلاشبہ میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں''یعنی ہر ایک دوسرے کے بارے میں انتظار کرے اور دیکھے کس کا انجام اچھا ہوتا ہے۔(5) یعنی اگر تم ایمان نہیں لاتے تو اپنے منہ مانگے معجزے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو۔

سوال 6: ''انتظار کرو'' کے جواب میں کیا ہے؟

جواب: (1) ''انتظار کرو'' کے جواب میں مہلت بھی ہے اور دھمکی بھی۔(2) اس میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک بندے کو کیسے آداب اختیار کرنے چاہیں۔

سوال 7: غیب کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہہ کر کیا ثابت کیا گیا؟

جواب: (1) غیب کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہہ کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ لوگوں کے معاملات کا کوئی اختیار نبی کو نہیں دیا گیا۔(2) تمام معاملات کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔(3) اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور بندے کے مقام کو واضح کیا گیا ہے۔

رکوع نمبر:8

﴿ وَ إِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۭ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ (21) ﴾

''اور جب ہم لوگوں کو کسی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی ہو، تب اچانک ان کے لیے ہماری آیات میں کوئی بری چال ہوتی ہے۔ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ تدبیر میں سب سے زیادہ تیز ہے، بلاشبہ ہمارے فرشتے وہ سب لکھ رہے ہیں جو تم بری چالیں چلتے ہو۔''(21)

سوال1:﴿ وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ﴾ ''اور جب ہم لوگوں کوکسی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جوانہیں پہنچی ہو،تب اچانک ان کے لیے ہماری آیات میں کوئی بری چال ہوتی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً ﴾ ''اور جب ہم لوگوں کوکسی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کاکسی کورحمت چکھانے سے مراد انہیں رزق میں وسعت دینا ،انہیں بارش جیسی نعمت عطا کر کے پھلوں میں بہتری لانا ہے۔(فتح القدیر:542/2) (2)﴿ مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ ﴾ ''کسی تکلیف کے بعد جوانہیں پہنچی ہو'' یعنی جب لوگوں کو بیماری کے بعد صحت، دکھ کے بعد سکھ، تنگ دستی کے بعد فراخی، پریشانی کے بعد اطمینان، خوف کے بعد امن، گرانی کے بعد ارزانی اور قحط سالی کے بعد بارش نصیب ہوتی ہے تو وہ بھول جاتے ہیں کہ انہیں تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔(3)﴿ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ﴾ ''تب اچانک ان کے لیے ہماری آیات میں کوئی بری چال ہوتی ہے'' یعنی وہ نعمتیں پا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت پر شکر کرنے کی بجائے اکڑ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ۔(4) مجاہد کہتے ہیں کہ وہ آیات کو جھٹلاتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔(تفسیر ابن ابی حاتم:1938/6)(4) وہ اپنی سرکشی پر اڑے رہتے ہیں اور سازشیں کرنے لگتے ہیں۔

سوال2: قریش پر کیا مصیبت آئی تھی؟

جواب: قریش پر ان کے مسلسل انکار کی وجہ سے نبی ﷺ کی بددعا پر سات سالہ قحط آیا تھا۔

سوال3:﴿ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ﴾ '' آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ تدبیر میں سب سے زیادہ تیز ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)'' آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ تدبیر میں سب سے زیادہ تیز ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ مجرموں کو ڈھیل دیتا ہے تو وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم پر عذاب نہیں آنا پھر اللہ تعالیٰ انہیں بے خبری میں پکڑ لیتے ہیں۔(2) اللہ تعالیٰ عذاب دینے میں جلدی کرنے والا ہے۔ وہ اپنی تدبیروں میں تیز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر میں ان سے زیادہ تیز ہے۔(فتح القدیر:542/2)(3) بری چالوں کا وبال چال چلنے والے ہی پر پڑتا ہے۔ ان کے برے مقاصد انہی پر پلٹ جاتے ہیں اور وہ برے انجام سے محفوظ نہیں رہتے، بلکہ فرشتے ان کے اعمال لکھتے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو محفوظ کر لیتا ہے پھر وہ ان کو ان اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔(تفسیر سعدی:1127,1128/2)

سوال4:﴿ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴾ ''بلاشبہ ہمارے فرشتے وہ سب لکھ رہے ہیں جو تم بری چالیں چلتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ إِنَّ رُسُلَنَا ﴾ ''بلاشبہ ہمارے فرشتے'' یعنی فرشتوں میں سے حفاظت کرنے والے۔(ایسر التفاسیر:598) (2) یعنی وہ جو تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔(تفسیر قاسمی:21/9)(3) اللہ تعالیٰ کے لکھنے والے فرشتے انسان کے اچھے اور برے ہر طرح کے عمل لکھ

رہے ہیں اور کوئی عمل بھی لکھے بغیر نہیں رہتے پھران عملوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں جو ہر چھپی، کھلی چیز سے خبردار ہے پھر اللہ تعالیٰ انہیں ہر چھوٹے بڑے عمل کا بدلہ دے گا۔(مختصرابن کثیر:787/1)

سوال5: اللہ تعالیٰ سرکش انسان کو ڈھیل کیوں دیتے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ سرکش کو اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ بے فکر ہوکر اور زیادہ ڈھیٹ بن جائے۔(2) اللہ تعالیٰ سرکش انسان کو پکڑنا چاہتے ہیں اس لیے فرشتے لکھتے رہتے ہیں اور جب انسان کا وقت پورا ہوجاتا ہے تو موت کا فرشتہ پکڑ لیتا ہے تاکہ اعمال کے حساب کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کردے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ کے فرشتے کیسے لکھتے رہتے ہیں؟

جواب: فرشتوں کے لکھنا کا معاملہ ہم سے چھپا ہوا ہے۔اس کی حقیقت ہم نہیں جانتے لہٰذا اتنا یقین رکھنا کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسان کے اعمال لکھتے ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ۬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ(22)﴾

''وہی ہے جو خشکی اور سمندر میں تمہیں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ انہیں لے کر عمدہ ہوا کے ساتھ چلتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہورہے ہوتے ہیں کہ اچانک سخت تیز ہوا آجاتی ہے اور ان پر ہر جانب سے موج آجاتی ہیں اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ بے شک انہیں گھیر لیا گیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں اس سے نجات دے دیں تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے۔''(22)

سوال1: ﴿**هُوَالَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ**﴾ ''وہی ہے جو خشکی اور سمندر میں تمہیں چلاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانی نفسیات کو واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر انسان کا کیا حال ہوتا ہے تو اس آیت میں سمندری سفر کی صورت حال بیان کی ہے جس میں انہیں انجام کا خوف ہوتا ہے۔یہ صورت حال انسانی نفسیات کی مزید وضاحت لیے ہوئے ہے۔(2)''وہی ہے جو خشکی اور سمندر میں تمہیں چلاتا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ سمندری، فضائی اور خشکی کے سفر اپنی نگرانی میں کرواتا ہے۔(3) یعنی اللہ تعالیٰ ان اسباب کے ذریعے تمہاری راہ نمائی فرماتا ہے جو اس نے تمہیں عطا کیے ہیں۔

سوال 2: ﴿حَتّٰٓی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ﴾ ''یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہواور وہ انہیں لے کرعمدہ ہوا کے ساتھ چلتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہورہے ہوتے ہیں کہ اچانک سخت تیز ہوا آجاتی ہے اوران پر ہرجانب سے موج آجاتی ہیں اوروہ یقین کر لیتے ہیں کہ بے شک انہیں گھیرلیا گیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں اس سے نجات دے دیں تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿حَتّٰٓی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ﴾ ''یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو''یعنی جب تم بحری جہازوں میں ہوتے ہواور کشتی مسافروں کو لے کر پانی کو چیرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔(2)﴿وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ﴾ ''اوروہ انہیں لے کرعمدہ ہوا کے ساتھ چلتی ہیں''یعنی وہ ہوا چلتی ہے جو جہازوں اور کشتیوں کو چلاتی ہے۔(3)﴿وَّفَرِحُوْا بِهَا﴾ ''اور وہ اس پر خوش ہورہے ہوتے ہیں''یعنی مسافر ہنستے،کھیلتے اورخوش ہورہے ہوتے ہیں۔(4)﴿جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ﴾ ''اچانک سخت تیز ہوا آجاتی ہے''یعنی اچانک سخت مخالف ہوائیں چلنےلگتی ہیں۔(5)﴿وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ﴾ ''اوران پر ہرجانب سے موج آجاتی ہیں اوروہ یقین کر لیتے ہیں کہ بے شک انہیں گھیرلیا گیا ہے''یعنی جب کشتی کو چاروں طرف سے موجیں گھیر لیتی ہیں تو انہیں یقین ہوجاتا ہے کہ اب ہلاک ہوجائیں گے۔(6)﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ ''تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں''اس وقت وہ مخلوق سے کٹ کر خالص اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں کیونکہ انہیں یقین آجاتا ہے کہ اس مصیبت سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا۔(7)﴿لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ﴾ ''اگر آپ ہمیں اس سے نجات دے دیں تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے''یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں کہ اگر ان مصیبتوں اور سختیوں سے نجات دلا دے تو وہ آپ کی اطاعت کرنے والے ہوں گے اور کبھی ناشکری نہیں کریں گے۔(8)رب العزت نے فرمایا:﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾ اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا تم جنہیں بھی پکارتے ہو وہ سب گم ہوجاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑ جاتے ہو اور انسان ہمیشہ سے بڑا ناشکرا ہے۔(الاسراء:67)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے سمندری پرسکون سفر اور سمندری طوفان میں گھری ہوئی کشتی کی مثال سے کیا ثابت کیا ہے؟

جواب: (1)اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کائنات میں حرکت اور سکون دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔(2)اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کیا ہے کہ خشکی اور تری پر اسی کا کنٹرول ہے۔

سوال 4: سکون انسان پر کیسے اثرات مرتب کرتا ہے؟

جواب: سکون انسان کے اندر جھوٹا اعتماد پیدا کرتا ہے کہ سب ٹھیک ہے اور انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ کوئی ان حالات کو بدلنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ جیسے سمندر میں کشتی پرسکون ہو تو مسافر سمجھتے ہیں سب ٹھیک ہے۔

سوال5: اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے سے مراد (1) اپنے عقیدے کو خالص کرنا۔ (2) اپنی دعاؤں کو خالص کرنا۔ (3) اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق گزارنا۔

سوال6: سمندری طوفان کا تجزیہ کیا بتاتا ہے؟

جواب: سمندری طوفان میں سمندری ہوائیں پہاڑ جیسی موجوں کو اٹھاتی ہیں اور مسافروں کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں اس وقت انسان سنجیدہ ہو جاتا ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو ماننے بغیر اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ جاتا۔ یہ تجربہ بتاتا ہے کہ انسان اگر سنجیدہ ہو جائے تو وہ رب کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔

﴿فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ(23)﴾

’’پھر اس نے جب انہیں نجات دے دی تب فوراً وہ زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔ اے لوگو! یقیناً تمہاری سرکشی تمہارے اپنے ہی خلاف ہے دنیا کی زندگی کا فائدہ اٹھالو پھر ہماری طرف ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے تو ہم تمہیں بتا دیں گے جو تم عمل کیا کرتے تھے۔‘‘(23)

سوال1: **﴿فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾** ’’پھر اس نے جب انہیں نجات دے دی تب فوراً وہ زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں‘‘ کی وضاحت کرتے ہیں؟

جواب: (1) **﴿فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ﴾** ’’پھر اس نے جب انہیں نجات دے دی‘‘ جب اللہ تعالیٰ انہیں سختی اور مصیبت کے بھنور سے نکال لیتا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول کر لیتا ہے۔ (2) **﴿اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾** ’’تب فوراً وہ زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں‘‘ مصیبتوں سے نجات ملنے پر وہ وعدے بھول جاتے ہیں جو انہوں نے کیے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کوئی مصیبتوں اور تنگیوں سے نجات نہیں دے سکتا۔ پھر وہ ناحق فساد پھیلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ (3) نبی ﷺ نے فرمایا: جس گناہ پر بھی دنیا میں یقیناً پکڑ ہے اور آخرت میں بھی وہ بغاوت اور قطع رحمی ہے۔ اس پر دنیا اور آخرت میں پکڑ ضرور ہوتی ہے۔ خواہ کسی اور گناہ پر دونوں جہانوں میں پکڑ ہو یا نہ ہو۔ (مختصر ابن کثیر:787/1) (4) حق تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی آسانیوں

اور نعمتوں میں بھی اپنے آپ کو خالص کرتے جیسے انہوں نے سختیوں میں اپنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا تھا۔ جو کوئی اخلاص کے بعد بغاوت کا رویہ اختیار کرتا ہے اس کی سرکشی اور بغاوت کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ سے بغاوت کیا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ سے بغاوت سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار کو تسلیم نہ کرنا۔ (2) اللہ تعالیٰ کے احکامات نہ ماننا۔ (3) اللہ تعالیٰ کی شریعت اور قانون کو نہ ماننا۔

سوال 3: انسان اللہ تعالیٰ کا باغی کیسے ہو جاتا ہے؟

جواب: انسان جب اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ کہ کوئی میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور یہ کہ میرا معاملہ بالکل درست ہے تو اسے کسی کی مدد کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ پھر انسان من مانی کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کا رویہ اختیار کرنے پر بھی اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے انسان کی بغاوت اور سرکشی پر کیسے ضرب لگائی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے تمہاری بغاوت اور سرکشی تمہارے اپنے خلاف پڑے گی۔ (2) تمہاری بغاوت تمہیں برے انجام تک پہنچا کر رہے گی۔ (3) وہ وقت آئے گا جب تم رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کر کے آئے ہو۔

سوال 5: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ﴾ ''اے لوگو! یقیناً تمہاری سرکشی تمہارے اپنے ہی خلاف ہے دنیا کی زندگی کا فائدہ اٹھالو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ﴾ ''اے لوگو!'' اللہ تعالیٰ نے کسی بھی دور اور مقام کے انسانوں کو مخاطب کیا ہے جنہوں نے سرکشی اختیار کی۔ (2) ﴿ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم ﴾ ''یقیناً تمہاری سرکشی تمہارے اپنے ہی خلاف ہے'' نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سرکشی کی سزا کو مؤخر نہیں کرتا اسی لیے فرمایا تمہاری سرکشی کی سزا تم پر ہی پڑے گی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 1940/6) (3) ﴿ مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ﴾ ''دنیا کی زندگی کا فائدہ اٹھالو'' یعنی اللہ تعالیٰ سے سرکشی و بغاوت اور اس کے لیے اخلاص سے دور بھاگنے میں ان کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ دنیا کے چند ٹکڑے اور اس کا مال و جاہ اور معمولی سے فوائد حاصل ہوں جو بہت جلد ختم ہو جائیں گے، سب کچھ ہاتھوں سے نکل جائے گا اور تم اسے چھوڑ کر یہاں سے کوچ کر جاؤ گے۔ (تفسیر سعدی: 1129/2)

سوال 6: ﴿ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ ''پھر ہماری طرف ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے تو ہم تمہیں بتا دیں گے جو تم عمل کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ ﴾ پھر قیامت کے دن تم ہمارے ہی پاس آؤ گے۔ (2) ﴿ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ ''تو ہم تمہیں بتا دیں

گے جوتم عمل کیا کرتے تھے‘‘یعنی جوتم نے اچھے یا برے عمل کیے اس کی پوری پوری جزا دارالجزا میں ملے گی۔(ایسر التفاسیر:599,600)(3)اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کوان کے اپنے ان اعمال پر جمے رہنے سے ڈرایا گیا ہے۔(تفسیر سعدی:1129/2)(4) پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے کے الفاظ انسان کو اندر سے جھنجھوڑ کر بےدار کرتے ہیں اور انسان کانپ جاتا ہے۔اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی باتوں کا اقرار کرنے پر مجبور پاتا ہے۔

سوال7: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں گم ہوجانے والوں پر دنیا کی حقیقت کیسے واضح کی ہے؟

جواب: (1)اللہ تعالیٰ نے دنیا میں گم ہوجانے والوں پر دنیا کی حقیقت واضح فرمائی ہے کہ دنیا کی زندگی کا سامان بہت کم ہے۔(2)اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو فیصلہ کرلو کہ مختصر زندگی کے لیے ہمیشہ کی زندگی کو قربان کرنا کیسا ہے۔

﴿ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ(24) ﴾

’’دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس سے زمین کی اگنے والی چیزیں خوب مل جل گئیں اس میں سے جو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ زمین نے اپنی رونق لے لی اور خوب مزین ہوگئی اور اس کے رہنے والوں نے یقین کرلیا کہ بے شک اب وہ اس پر قادر ہیں تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو آ گیا تو ہم نے اسے کٹی ہوئی کردیا گویا کہ وہ کل یہاں کچھ بھی نہ تھی،ہم آیات کو ایسے ہی کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔‘‘(24)

سوال1: ﴿ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ﴾’’دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس سے زمین کی اگنے والی چیزیں خوب مل جل گئیں اس میں سے جو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾’’دنیا کی زندگی کی مثال‘‘دنیا کی زندگی کی مثال دنیا کی حالت سے مطابقت رکھتی ہے۔اس کی بہار چند دنوں کی،اس کی رونقیں چند گھڑیوں کی،اس کی چمک دمک تھوڑے وقت کی ہے۔دنیا کی لذتیں اور اس کا مال وجاہ انسان کے لیے بڑا پرکشش ہے مگر جلد ہی ختم ہوجانے والا ہے۔دنیا اپنے چاہنے والے سے نکل جاتی ہے اور چاہنے والا دنیا سے چلا جاتا ہے۔خالی ہاتھ دنیا سے جانے والے کا دل غم اور حسرت سے بھر جاتا ہے۔(2)﴿ كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ ﴾’’اس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا‘‘،تو اس سے زمین سے اگنے والی چیزیں خوب مل جل گئیں۔دنیا کے فنا اور زوال کی مثال ایسی ہے کہ آسمان پر بادل

چھا جائیں تو خوب بارشیں ہوں زمین پانی جذب کر لے اور ہر قسم کی نباتات، طرح طرح کے چارے، قسم قسم کے اناج، رنگ رنگ کے پھول اور پھل اور انسانوں کے کھانے پینے کے لیے طرح طرح کی چیزیں اگ آئیں۔ (3) ﴿ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ ﴾ ''اس میں سے جو انسان کھاتے ہیں''یعنی غلے، پھل، سبزیاں اور اناج وغیرہ۔ (4) ﴿ وَالْأَنْعَامُ ﴾ ''اور چوپائے''اور وہ چیزیں جو جانور کھاتے ہیں مثلاً مختلف قسم کے چارے وغیرہ۔

سوال2: ﴿ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ ﴾ ''یہاں تک کہ زمین نے اپنی رونق لے لی اور خوب مزین ہوگئی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یہاں تک کہ زمین نے اپنی رونق لے لی اور خوب مزین ہوگئی''اس کا منظر خوب صورت ہو جاتا ہے اور زمین خوب صورت لباس پہن لیتی ہے، تو دیکھنے والوں کے لئے خوش منظر، غم ہلکا کرنے والوں کے لیے ذریعہ تفریح اور بصیرت حاصل کرنے والوں کے لیے ایک نشانی بن جاتی ہے۔ تب تو عجیب نظارہ دیکھے گا جس میں سبز، زرد اور سفید رنگ دکھائی دیں گے۔ (تفسیر سعدی: 1130/2)

سوال3: ﴿ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا ﴾ ''اور اس کے رہنے والوں نے یقین کر لیا کہ بے شک اب وہ اس پر قادر ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی زمین کے مالک سمجھنے لگتے ہیں کہ اب کے خوب پیداوار ہوگی جس سے وہ نفع اٹھائیں گے۔ یعنی وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ دنیا ہمیشہ ان کے پاس رہے گی۔ وہ اس لیے سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا ارادہ دنیا ہی کا ہے اور ان کی طلب بھی دنیا ہی کی ہے۔

سوال4: ﴿ أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ﴾ ''تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو آ گیا تو ہم نے اسے کٹی ہوئی کر دیا گویا کہ وہ کل یہاں کچھ بھی نہ تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آ جاتی ہے تو کبھی تیز آندھیاں چلتی ہیں کبھی آسمان سے اولے برستے ہیں، کبھی شدت کی برف باری ہوتی ہے۔ پھل اور غلے تو دور کی بات ہے درختوں پر پتے بھی نہیں رہتے۔ کبھی درخت زمین پر آ گرتے ہیں۔ (2) ﴿ فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا ﴾ ''تو ہم نے اسے کٹی ہوئی کر دیا''یعنی سب کچھ درخت، باغات، پھل، اناج کٹے ہوئے ڈھیر کی طرح ہو جاتا ہے۔ (3) ﴿ كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ﴾ ''گویا کہ وہ کل یہاں کچھ بھی نہ تھی''گویا کہ وہاں کبھی خوب صورتیاں، رونقیں، آبادیاں تھیں ہی نہیں۔ ہر چیز پر بے رونقی چھا جاتی ہے گویا وہاں کبھی کچھ تھا ہی نہیں۔ ایسی ناپائیدار شے جو کل تھی آج نہیں اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ (4) رب العزت نے تباہ ہونے والی قوموں کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿94﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴾ اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی خاص رحمت کے ساتھ نجات دی، اور ان کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا جنھوں نے ظلم کیا تو انہوں نے اپنے

گھروں میں صبح کی کہ وہ اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔گویا وہ ان میں بسے ہی نہ تھے سن لو! ہلاکت ہے مدین کے لیے جس طرح ہلاک ہوئے ثمود۔(ہود:94,95)

سوال5: ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ''ہم آیات کو ایسے ہی کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جوغوروفکر کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾''ہم آیات کو ایسے ہی کھول کر بیان کرتے ہیں''یعنی ہم آیات کو مثالیں بیان کرکے واضح کرتے ہیں۔(2)﴿ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾''ان لوگوں کے لیے جوغوروفکر کرتے ہیں''یعنی جو ان کاموں میں غوروفکر کرتے ہیں جو انہیں فائدہ دیتے ہیں۔جو اپنی فکرکو درست استعمال کرتے ہیں وہی مثالوں سے سبق حاصل کرتے ہیں۔(3)غافل انسان تو اللہ تعالیٰ کی آیات سے منہ پھیر لیتا ہے۔ایسے شخص کو آیات کوئی فائدہ نہیں دیتیں نہ اس کا شک دور کرتی ہیں۔(4)اللہ تعالیٰ نے کھول کر مثال بیان کی ہے تاکہ لوگ دنیا کی ناپائیداری اوراس کے جلد زائل ہونے کا اندازہ کرکے عبرت حاصل کریں۔یہ چندروزہ دنیا ایسی ہے جواس کے پیچھے بھاگتا ہے یہ دور بھاگتی ہے اور جواس سے بھاگتا ہے یہ اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔دنیا ٹھکرانے والوں سے لپٹتی ہے،نفرت کرنے والوں سے چمٹتی ہے اور طلب کرنے والوں سے بھاگتی ہے۔(5)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾اورآپ انہیں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کردیں،جیسا کہ پانی،جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا پھراس سے زمین کی نباتات خوب گھنی ہوگئیں پھر وہ چوراہوگئیں،جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اوراللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔(الکھف:45)

سوال6: دنیا کی زندگی کے لیے انسان کوششیں کتنی کرتا ہے؟

جواب:(1)دنیا کی زندگی کے لیے انسان اتنی کوششیں کرتا ہے کہ اس میں مگن ہوجاتا ہے اور بڑے مقاصد کے لئے کوششیں کرنے کا اس کے پاس وقت نہیں رہتا۔(2)مختصر زندگی کے لیے انسان سب کچھ لگا دیتا ہے اور ہمیشہ کی زندگی کے لیے انسان کی کوششوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

سوال7: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی حقیقت کی مثال سے کیسے سمجھائی ہے؟

جواب:

دنیا کی زندگی کی مثال	دنیا کی زندگی
(1)دنیا کی زندگی کی مثال بارش کی سی ہے،	(1)اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ جیسے بارش کو ثبات اور قرار نہیں ایسے ہی زندگی کو ثبات اور قرار نہیں وقتی چیز کو مستقل نہ سمجھو یہ دھوکہ ہے۔

(2)بارش سے زمین کی پیداوار گھنی ہوگئی جس سے انسان اور جانور فائدہ اٹھاتے ہیں،	(2)جیسے بارش سے زمین کی پیداوار گھنی ہوجاتی ہے ایسے ہی انسان کو اللہ تعالیٰ عمدہ جسم اور دنیا کے اسباب دیتے ہیں تو وہ دنیا میں کامیاب زندگی گزارتا ہے۔
(3)جب زمین پر پوری رونق آگئی اور لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ سب کچھ ہمارے قابو میں ہے تو اچانک اللہ تعالیٰ کا حکم دن یا رات کو آگیا،	(3)جیسے زمین پر کوئی رونق آتی ہے ایسے ہی انسان جب زندگی میں بڑی کامیابیاں حاصل کر لیتا ہے۔تو انسان کو یہ اعتماد ہو جاتا ہے کہ اس کا معاملہ اس کے اپنے اختیار میں ہے پھر اچانک موت آجاتی ہے۔
(4)اللہ تعالیٰ نے اسے کاٹ کر ڈھیر کر دیا گویا کہ یہاں کچھ تھا ہی نہیں،	(4)جیسے فصل کٹ کر ڈھیر ہو جاتی ہے ایسے ہی انسان موت کے بعد اپنے آپ کو بے اختیار اور مجبور سمجھتا ہے۔

انسان اگر دنیا کی زندگی میں اپنی اس بے اختیاری کو سمجھ جائے تو کبھی ظلم اور بے انصافی کا رویہ اختیار نہ کرے۔

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ(25)﴾

''اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''(25)

سوال1: ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)دارالسلام سے مراد جنت ہے۔(2)اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو توحید سے جنت کی طرف دعوت دی ہے۔(تفسیر قاسمی:25/9) (3)دارالسلام کی دعوت ایمان، عمل صالح، شرک اور نافرمانیوں کو چھوڑنے کی دعوت ہے۔(ایسر التفاسیر:600)(4)اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سلامتی کے گھر کی طرف عام دعوت اور اس کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔وہ جس کو اپنے لئے خالص کر کے چن لینا چاہتا ہے اس کے لیے ہدایت کو مخصوص کر دیتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس کے لیے اپنی رحمت کو مختص کر دیتا ہے، یہ اس کا عدل وحکمت ہے اور حق وباطل کو بیان کر دینے اور رسولوں کو مبعوث کرنے کے بعد کسی کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہیں۔اللہ تعالیٰ نے جنت کو ''دارالسلام'' کے نام سے اس لئے موسوم کیا ہے کہ یہ تمام آفات اور نقائص سے محفوظ اور سلامت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نعمتیں کامل، ہمیشہ باقی رہنے والی اور ہر طرح سے خوب صورت ہیں۔(تفسیر سعدی:1131/2)(5)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو جنت میں داخل ہوگا وہ ہمیشہ خوش حال رہے گا، کبھی بدحال نہیں ہوگا۔اس کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوں گے اور اس کی جوانی ماند نہیں پڑے گی۔(بخاری:1098,2126)سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت کی

چیزوں میں سے ایک ناخن کے برابر اگر ظاہر ہوں تو جو کچھ آسمان وزمین کے کناروں میں ہے اس کو چمکا دے اور اگر ایک مرد اہل جنت سے جھانکے اور اس کے کنگن ظاہر ہوں تو آفتاب کی روشنی مٹا دیں جیسے آفتاب تاروں کی روشنی مٹا دیتا ہے۔(ترمذی:2538)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلا طائفہ جو جنت میں داخل ہوگا، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح (چمکتے) ہوں گے۔ پھر ان کے بعد داخل ہونے والوں کے چہرے، آسمان پر سب سے زیادہ روشن ستارے کی طرح ہوں گے، وہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ، وہ تھوکیں گے نہ ناک سنکیں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی، ان کا پسینہ کستوری (کی طرح خوش بودار) ہوگا اور ان کی انگیٹھیوں میں (جلانے کے لیے) خوشبودار لکڑی ہوگی، ان کی بیویاں موٹی آنکھوں والی حوریں ہوں گی سب (جنتی لوگ) ایک ہی آدمی کی ساخت پر اپنے باپ آدم علیہ السلام کی شکل وصورت پر ہوں گے، بلندی (قد) میں وہ سٹھ (ساٹھ) ہاتھ ہوں گے (جیسے سیدنا آدم علیہ السلام تھے)۔(بخاری:3327) ابوبکر بن ابوموسیٰ بن قیس اپنے دوست سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن کے لیے جنت میں ایک جوف دار موتی کا خیمہ ہوگا، جس کی لمبائی بلندی میں ساٹھ میل ہوگی، اس میں مومن کے کئی گھر والے ہوں گے، وہ ان (سب) کے پاس جائے گا (وہ گھر ایک دوسرے سے اتنی مسافت پر ہوں گے کہ) ایک میں بسنے والے دوسرے کے مکینوں کو نہیں دیکھ سکیں گے۔(بخاری:3248) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک بازار ہوگا، لوگ ہر جمعہ کو وہاں آیا کریں گے، اس میں ڈھیروں کستوری ہوگی، پس شمال سے ہوا چلے گی جو ان کے چہروں اور کپڑوں میں کستوری کی خوشبو بکھیر دے گی جس سے ان کے حسن و جمال میں مزید اضافہ ہو جائے گا، پس جب وہ اپنے گھروں کی طرف واپس آئیں گے، جب کہ ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہو چکا ہوگا تو ان سے ان کے گھر والے کہیں گے: اللہ کی قسم! تم تو پہلے سے زیادہ حسین وجمیل لگ رہے ہو اور وہ کہیں گے اللہ کی قسم! ہمارے بعد تمہارے حسن و جمال میں بھی اضافہ ہوا ہے۔(مسلم:145/8)

سوال 2: ﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''اور وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے'' ابوالعالیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ انہیں شبہات، فتنوں اور گمراہیوں سے نکالتا ہے۔(2)﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''سیدھے راستے کی طرف'' صراط مستقیم سے مراد دین قیم ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور وہ اسلام ہے۔(تفسیر قاسمی:25/9)(3) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا: صراط مستقیم کتاب اللہ ہے۔(قرطبی:196/4)(4) اللہ تعالیٰ نے دار السلام تک پہنچانے کے لیے واضح فرمایا کہ وہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم یعنی کتاب اللہ کا، قرآن مجید کے علم، اس کے عمل اور اس کے پیغام کو پہنچانے کا راستہ دکھاتا ہے۔(5) نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم کے راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔(ابوداؤد، ابن ماجہ)

سوال 3: دنیا کی زندگی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ دار السلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو واضح کریں؟

جواب:

دنیا کی زندگی	سلامتی کی زندگی
(1) دنیا میں انسان اپنے آپ کو سب کچھ حاصل کر کے بھی دکھ اور غم سے نہیں بچا سکتا،	(1) سلامتی کے گھر میں کوئی دکھ اور غم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے دکھوں سے بچا لے گا۔
(2) دنیا میں ہر خوشی کے ساتھ اندیشہ لگا رہتا ہے،	(2) سلامتی کے گھر میں خوشیوں کے ساتھ کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔
(3) دنیا کی زندگی میں کامیابی دکھ کی نذر ہو جاتی ہے،	(3) سلامتی کے گھر میں کامیابی ہمیشہ کی کامیابی ہوگی۔ کبھی دکھ نہیں آئے گا۔
(4) دنیا کی زندگی میں صحت کے پیچھے بیماری لگ جاتی ہے،	(4) سلامتی کے گھر میں کبھی بیماری نہیں آئے گی۔
(5) دنیا کی زندگی میں بڑھاپا انسان کی خوشیوں کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے،	(5) سلامتی کے گھر میں کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔
(6) دنیا کی زندگی ختم ہو جائے گی،	(6) سلامتی کے گھر کی زندگی کبھی ختم نہ ہوگی۔
(7) دنیا کی زندگی میں حسرتیں اور پچھتاوے رہ جاتے ہیں،	(7) سلامتی کے گھر کی زندگی میں حسرتیں اور پچھتاوے نہیں ہوں گے۔
(8) دنیا کی زندگی میں انسان جو چاہے سب کچھ نہیں پا سکتا،	(8) سلامتی کے گھر میں جو چاہیں گے پائیں گے۔

سوال 4: صراط مستقیم کیا ہے؟

جواب: یہ جنت کا راستہ ہے۔ یہ قرآن کا راستہ ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کو اپنی زندگی کی کتاب سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ وہ صراط مستقیم پر چل کر جنت تک پہنچ جائیں گے۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ؕ وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (26)﴾

''جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے نہایت اچھا بدلہ ہے اور کچھ مزید ہے اور ان کے چہروں کو نہ کوئی سیاہی ڈھانپے گی اور نہ کوئی ذلت، یہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (26)

سوال1: ﴿ **لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ** ﴾ ''جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے نہایت اچھا بدلہ ہے اور کچھ مزید ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى** ﴾ ''جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے نہایت اچھا بدلہ ہے''جس نے دنیا میں ایمان لا کر اخلاص سے نیک اعمال کیے اس کا نیک بدلہ ہے یعنی جنت۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ **هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** ﴾ نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔ (الرحمٰن:60) (3) ﴿ **مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا** ﴾ جو نیکی لائے گا اس کے لیے اس جیسا دس گنا ہوگا اور جو برائی لائے گا تو وہ اس کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا۔ (الانعام:160) (4) اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سلامتی کے گھر کی طرف بلایا تو گویا ان نفوس کو ان اعمال کا اشتیاق پیدا ہوا جو ان کو اس گھر میں پہنچانے کے موجب ہیں۔ جن لوگوں نے خالق کی عبادت میں احسان سے کام لیا یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں مراقبہ اور خیر خواہی کے ساتھ اس کی عبادت کی اور مقدور بھر اس عبودیت کو قائم رکھا اور اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بندوں سے احسان قولی اور احسان فعلی کے ساتھ پیش آئے اور ان کے ساتھ مالی اور بدنی احسانات سے کام لیا، نیکی کا حکم دیا، برائی سے روکا، جہلا کو تعلیم دی، روگردانی کرنے والوں کی خیر خواہی کی، نیکی اور احسان کے دیگر تمام پہلوؤں پر عمل کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو احسان کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور انہی کے لیے (الحسنٰی) ہے یعنی ایسی جنت جو اپنے حسن و جمال میں کامل ہے۔ (تفسیر سعدی:1131/2) (5) سیدنا جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے سوال کیا تھا: ماالاحسان؟ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت (اس خشوع وخضوع اور خلوص سے) کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ حالت نصیب نہ ہو کہ تم اس کو دیکھتے ہو تو یہ خیال رہے کہ وہ تو ضرور تمہیں دیکھتا ہے۔ (بخاری:50) (4) ﴿ **وَ زِيَادَةٌ** ﴾ ''اور کچھ مزید ہے'' مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: زیادۃ سے مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مراد ہے۔ دوسرے لوگوں نے کہا: وزیادۃ سے اللہ تعالیٰ کا دیدار مراد ہے۔ (بخاری: کتاب التفسیر) (5) زیادہ سے مراد دارالسلام میں اللہ تعالیٰ کے کریم چہرے پر نظر ڈالنا ہے۔ (تفسیر قاسمی:25/9) (6) ﴿ **وَ زِيَادَةٌ** ﴾ ''مزید'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرہ انور کا دیدار، اس کے کلام مبارک کا سماع، اس کی رضا کا فیضان اور اس کے قرب کا سرور ہے۔ اس ذریعے سے انہیں وہ بلند مقامات حاصل ہوں گے کہ تمنا کرنے والے ان کی تمنا کرتے ہیں اور سوال کرنے والے اللہ تعالیٰ سے انہی مقامات کا سوال کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1131/2) (7) سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ کیا تم مزید کچھ چاہتے ہو؟ وہ جنتی عرض کریں گے (اے اللہ) کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کے اور اپنے درمیان سے پردے اٹھا دے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو ان کو اس دیدار سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہوگی۔'' (مسلم:449) (4) ﴿ **وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ** ﴾ بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔ (القیامۃ:22,23) (5) ﴿ **تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ**

﴿نَضۡرَةَ النَّعِيۡمِ﴾ ان کے چہروں پر تم نعمت کی تازگی کو پہچان لو گے۔(المطففین:24)(6) جوشخص دار السلام میں ہو، اپنے رب کا دیدار کرتا ہو، اس کا چہرہ کیوں حسین وجمیل اور پررونق نہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ساری امتوں کے درمیان سے میں اپنی امت کو اس طرح پہچان لوں گا کہ ان کے چہرے روشن ہوں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے سفید ہوں گے۔(مشکوٰۃ المصابیح:40)

سوال 2: ﴿وَلَا يَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ﴾ ''اوران کے چہروں کو نہ کوئی سیاہی ڈھانپے گی اور نہ کوئی ذلت'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَا يَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ﴾ ''اوران کے چہروں کو نہ ڈھانپے گی'' ان کے چہروں پر نہیں چھائے گی، نہیں چڑھے گی۔(2)﴿قَتَرٌ﴾ ''کوئی سیاہی'' یعنی میدان حشر کی سیاہی جو کافروں کے چہروں پر چھا جائے گی۔ دھویں کی کالک سے ان کے چہرے سیاہ فام ہوں گے۔(3) حب دنیا اور شہوات کے سیاہ غبار کا اثر ان پر نہیں چھائے گا۔(تفسیر قاسمی:26/9)(4)﴿وَّلَا ذِلَّةٌ﴾ ''اور نہ کوئی ذلت'' یعنی ظاہری اور باطنی توہین نہیں ہوگی۔ میدان حشر میں عزت سے رہیں گے۔(5) یعنی انہیں کسی لحاظ سے بھی کسی ناگوار صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، کیونکہ جب کوئی ناگوار امر واقع ہوتا ہے تو یہ ناگوار امر اس کے چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے اور چہرہ تغیر اور تکدر کا شکار ہو جاتا ہے۔(تفسیر سعدی:1132/2)(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الۡيَوۡمِ وَلَقّٰهُمۡ نَضۡرَةً وَّسُرُوۡرًا﴾ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی مصیبت سے انہیں بچایا اور انہیں تازگی اور خوشی عطا فرمائی ہے۔(الدھر:11) یا ارحم الراحمین اپنی رحمت اور فضل وکرم سے ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمالیجیے۔

سوال 3: ﴿اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ﴾ ''یہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ﴾ ''یہی لوگ جنت والے ہیں'' یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اس پر عمل کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنا دین بھیجا ہے ان کے لیے جنت ہے۔(2)﴿هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ﴾ ''وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' یعنی وہ جنت سے منتقل ہوں گے نہ اس سے دور ہوں گے اور نہ وہ تبدیل ہوں گے۔(تفسیر سعدی:1132/2)

سوال 4: بھلائی کس کے لئے ہے؟

جواب:(1) بھلائی اس کے لیے ہے جو لوگ احسان کریں، عقیدہ درست رکھ کر نیک عمل کریں۔(2) جو لوگ صراط مستقیم کو جاننے کی کوشش کریں۔(3) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مرضی کو پا کر اس کی رضا کے مطابق زندگی گزاریں۔(4) جو بھلائی کا راستہ اختیار کرلیں۔

﴿وَ الَّذِيۡنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثۡلِهَا ۙ وَ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّيۡلِ مُظۡلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ(27)﴾

''اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اس جیسا ہوگا اور ان کو رسوائی ڈھانپے ہوگی، کوئی انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ

ہوگا، گویا ان کے چہرے سیاہ رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیے گئے ہیں۔ یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (27)

سوال 1: ﴿ **وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ** ﴾ ''اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اس جیسا ہوگا اور ان کو رسوائی ڈھانپے ہوگی کوئی انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ** ﴾ ''اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اس جیسا ہوگا اور ان کو رسوائی ڈھانپے ہوگی'' اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کے تذکرے کے بعد جہنم والوں یعنی دعوت سے منہ موڑنے والوں اور کفر، شرک اور نافرمانیوں پر اصرار کرنے والوں کی جزا کے بارے میں وضاحت کی ہے۔ (ایسر التفاسیر: 602) (2) ﴿ **السَّيِّاٰتِ** ﴾ سیئۃ کی جمع ہے یعنی جو گناہوں، شرک اور نافرمانیوں سے نفس کو برائی پہنچتی ہے۔ (ایسر التفاسیر: 601) (3) جن لوگوں نے برے کام کیے ان کی کل کمائی برے اعمال ہیں یعنی وہ کام جن سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہے مثلاً کفر، گناہ، انبیاء کو جھٹلانا وغیرہ۔ (4) ﴿ **جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا** ﴾ ''برائی کا بدلہ اس جیسا ہوگا'' برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے پورا انصاف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جزا دے گا جو ان کے برے عمل کے مطابق ہوگی۔ (5) ﴿ **وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ** ﴾ ''اور ان کو رسوائی ڈھانپے ہوگی'' ان کے دلوں میں گناہوں کی وجہ سے خوف اور ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف ہوگا۔ (6) حشر کے میدان میں ابدی محرومی کے احساس سے درماندگی، خوف، ذلت، پریشانی اور تنگی کی وجہ سے چہروں پر سیاہی ہوگی۔ شدید مایوسی اور ابدی محرومی کی وجہ سے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ ایسی ناکامی کا احساس جو کبھی دوبارہ کامیابی میں نہیں بدل سکتی۔ (7) رب العزت نے فرمایا: ﴿ **وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ** ﴾ اور قیامت کے دن آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا جہنم میں تکبر کرنے والوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے؟ (الزمر: 60) (8) ﴿ **وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ** ﴾ اور اس دن کچھ چہروں پر خاک اڑ رہی ہوگی۔ ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی لوگ کافر، بدکردار ہیں۔ (عبس: 42-40) (9) ﴿ **مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ** ﴾ ''کوئی انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ ہوگا'' کوئی ان سے عذاب کے خوف کو دور نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے گا۔ (10) رب العزت نے فرمایا: ﴿ **وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ** ﴾ اور بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً اکیلے آ گئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو بھی ہم نے تمہیں دیا تھا تم اپنی پشتوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ یقیناً وہ تمہارا کام بنانے میں حصہ دار ہیں بلاشبہ تمہارا رشتہ یقیناً ٹوٹ گیا اور تم سے وہ سب گم ہو گئے جن کو تم گمان کیا کرتے تھے۔ (الانعام: 94) (11) اور فرمایا: ﴿ **وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ڛ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ**

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿٤٣﴾ ﴾اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔اس حالت میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے ان کی نگاہ ان کی اپنی جانب ہی نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔(ابراھیم:42,43)(12)﴿يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ﴾اس دن انسان کہے گا: ''بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟'' ہرگز نہیں، کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔اس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔(القیامۃ:12-10)

سوال2: ﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا﴾ ''گویا ان کے چہرے سیاہ رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیے گئے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''گویا ان کے چہرے سیاہ رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیے گئے ہیں'' ان کے اندر کا خوف اور ذلت ان کے چہرے کی سیاہی بن جائے گی اور سیاہی بھی کیسی جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے ہوں۔

سوال3: ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یہ لوگ آگ کے لیے لازم ہوں گے اور وہ اس سے کبھی نکل نہ پائیں گے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آگ میں رہیں گے۔(2) دو گروہوں کے حالات میں کتنا فرق ہے۔رب العزت نے فرمایا: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾﴾ بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔اور کچھ چہرے اس دن بگڑے ہوئے ہوں گے۔گمان کررہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمرتوڑ معاملہ کیا جائے گا۔(القیامۃ:25-22)(3)﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾﴾ کچھ چہرے اس دن چمکنے والے ہوں گے۔مسکراتے ہوئے، ہشاش بشاش۔اور اس دن کچھ چہروں پر خاک اڑ رہی ہوگی۔ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔یہی لوگ کافر، بدکردار ہیں۔(عبس:42-38)

سوال4: برائیاں کمانے والے کے ساتھ انصاف کیسے ہوگا؟

جواب: (1) برائیاں کمانے والوں کے ساتھ حشر میں انصاف ہوگا ان کی جزا وسزا میں اضافہ نہیں ہوگا۔(2) برائیاں کمانے والوں کی کمائی سے زیادہ بدسلوکی ان کے ساتھ نہ ہوگی۔(3) برائیاں کمانے والوں کو برابر کی سزا دی جائے گی۔

سوال5: برائیاں کمانے والوں کو سزا کیوں ملے گی؟

جواب: برائیاں کمانے والوں کی سزا اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے طریقہ زندگی کو چھوڑ کر، اللہ تعالیٰ کے

قانون کوتوڑ کر زندگی گزارنے کی وجہ سے ہوگی۔

﴿وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ(28)﴾

''اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شریک بنائے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ رہو پھر ہم ان کے درمیان علیحدگی کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے۔'' (28)

سوال1: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾ ''اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے''یعنی قیامت کے دن تمام انسانوں، جنوں، مردوں اور عورتوں کو اللہ تعالیٰ حشر کے میدان میں جمع کریں گے۔اس دن مشرکوں اور ان کے باطل معبودوں کو بھی اکٹھا کیا جائے گا۔(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔(الکھف:47)

سوال 2: ﴿ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ﴾ ''پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شریک بنائے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ مشرکوں سے فرمائیں گے کہ تم اپنے معبودوں کے ساتھ اپنے مقام پر کھڑے رہو تا کہ تمہارے اور تمہارے معبودوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔

سوال3: ﴿فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ﴾ ''پھر ہم ان کے درمیان علیحدگی کر دیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔(2) یعنی ہم بعد بدنی اور بعد قلبی کے ذریعے سے ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے، دنیا میں وہ ایک دوسرے کے لیے خالص محبت ومودت رکھتے تھے، اب ان کے درمیان سخت عداوت ہوگی۔ یہ محبت اور دوستی سخت عداوت اور بغض میں بدل جائے گی۔(تفسیر سعدی:1133/2)

سوال4: ﴿وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾ ''اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ﴾ ''اور ان کے شریک کہیں گے'' ان کے ٹھہرائے ہوئے شریک ان سے بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے۔(2) ﴿مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾ ''تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے'' کیونکہ ہم نہ تمہاری سنتے تھے اور نہ تمہیں دیکھتے تھے، نہ ہم

نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا اور یہ ان تمام لوگوں کا قول ہوگا جن کی کسی بھی جنس میں سے اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔(ایسر التفاسیر:602)(3)ان کے شرکاء تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو شرک سے پاک مانتے ہیں۔(4)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ اور وہ ان کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے۔(الاحقاف:6)

سوال5: انسان شرک کیسے کرتا ہے؟

جواب: انسان اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں سے جھوٹی امیدیں باندھ کر ان ہستیوں کو اپنی عقیدت کا مرکز بنالیتا ہے پھر ان پر اتنا اعتماد کرتا ہے کہ وہ آخرت میں بھی ضرور اس کے مددگار بنیں گے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچالیں گے۔

سوال6: دنیا کی زندگی میں مشرکوں کا جھوٹ ظاہر کیوں نہیں ہوتا؟

جواب: دنیا کی زندگی امتحان ہے یہاں انسان کے پاس ایسے مواقع موجود ہوتے ہیں کہ وہ جھوٹے معبودوں کی طرف ہونے والے واقعات کو منسوب کر کے مطمئن ہو جائے۔

سوال7: حشر کے میدان میں شرک کی حقیقت کیسے کھل جائے گی؟

جواب: حشر کے میدان میں شرک کی حقیقت ایسے کھل جائے گی کہ غیب کا پردہ پھٹ جائے گا اور فرضی سہارے ایسے غائب ہو جائیں گے گویا کہ تھے ہی نہیں۔

سوال8: حشر کے میدان میں مفروضہ شریک کیسے کھڑے ہوں گے؟

جواب: حشر کے میدان میں مفروضہ شریک ایسے کھڑے ہوں گے کہ نہ کسی کو چھڑا سکیں گے نہ بچا سکیں گے۔

سوال9: حشر کے میدان میں مفروضہ شریک کب اپنے پیروی کرنے والوں کی عبادت کا انکار کریں گے؟

جواب: حشر کے میدان میں مفروضہ شریک اور ان کی عبادت کرنے والوں کو جب روک لیا جائے گا تو ان کے درمیان ایک پردہ اٹھا دیا جائے گا تب وہ نہ آپس میں بات جیت کر سکیں گے نہ ان کے پاس کوئی بات رہ جائے گی سوائے اس کے کہ وہ عبادت کرنے والوں کے جرم میں شریک نہیں تھے ہمیں نہ اس کا علم ہے نہ شعور۔

﴿ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ (29) ﴾

''سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے، بلاشبہ ہم تمہاری عبادت سے یقیناً بے خبر تھے۔''(29)

سوال: ﴿ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴾ ''سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے، بلاشبہ ہم تمہاری عبادت سے یقیناً بے خبر تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ** ﴾''سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے''میدان حشر میں جب بت پرست اپنے بتوں کی پرستش کا اقرار کریں گے اور بت انکار کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ تم نے شیطان کی عبادت کی جس نے تمہیں شرک کی طرف بلایا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ **اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ** ﴾اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔(یٰس:60)(2)﴿ **وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ** ﴾اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر وہ فرشتوں سے کہے گا:''کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے؟''وہ کہیں گے:''پاک ہے تیری ذات، ان کی بجائے آپ ہی ہمارے دوست ہیں بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان کے اکثر ان ہی پر ایمان لانے والے تھے۔''(سبا:40,41)(3)﴿ **اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ** ﴾''بلاشبہ ہم تمہاری عبادت سے یقیناً بے خبر تھے''یہاں غفلت سے مراد عدم رضا ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ معبود شیطان کے علاوہ ہوں گے۔(فتح القدیر:550/2)(4)غافل ہونے سے مراد یہ ہے کہ نہ ہم سنتے تھے، نہ دیکھتے تھے، نہ سمجھتے تھے کیونکہ ہم جمادات تھے اور ہم میں روح نہ تھی۔(قرطبی:199/4)

﴿ **هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ**(30) ﴾

''وہاں ہر نفس جانچ لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے (جو) ان کا حقیقی مالک ہے اور ان سے گم ہو جائے گا جو جھوٹ وہ گھڑا کرتے تھے۔''(30)

سوال1:﴿ **هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ** ﴾''وہاں ہر نفس جانچ لے گا جو اس نے آگے بھیجا''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **هُنَالِكَ** ﴾''وہاں''یعنی میدان حشر میں حساب کے وقت، قیامت کے دن۔(2)﴿ **تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ** ﴾''ہر نفس جانچ لے گا''ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کتنے اچھے اور برے عمل اس دن کے لیے کیے۔یعنی ان کے اعمال کو جانچا جائے گا اور اس کے مطابق جزا سزا دی جائے گی۔(3)﴿ **مَّآ اَسْلَفَتْ** ﴾''جو اس نے آگے بھیجا''جو کچھ کھلے، چھپے، چھوٹے، بڑے عمل اعمال اس نے آگے بھیجے سب کو پتہ لگ جائے گا۔(4)رب العزت نے فرمایا:﴿ **يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ** ﴾جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔(الطارق:9)(5)﴿ **يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ** ﴾اس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا اور جو اس نے پیچھے چھوڑا ہے۔(القیامۃ:13)(6)﴿ **وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا** ﴾اور ہر انسان کا نصیب ہم نے اس کی گردن میں لازم کر دیا ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا۔پڑھ اپنا نامۂ اعمال! آج کے دن تم اپنے اوپر خود حساب لینے والے کافی ہو۔(بنی اسرائیل:13,14)

سوال 2: ﴿ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے (جو) ان کا حقیقی مالک ہے اور ان سے گم ہو جائے گا جو جھوٹ وہ گھڑا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے'' یعنی اس طرح وہ اپنے آپ کو اپنے مالک اپنے مولا کے سامنے پائیں گے جو ان کا حقیقی معبود ہے۔ (2) ﴿ مَوْلٰىهُمُ ﴾ یعنی ان کا رب اور الحق اس کی صفت ہے یعنی جو سچی ربوبیت والا ہے۔ (فتح القدیر: 550/2) (3) ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ ''اور ان سے گم ہو جائے گا جو جھوٹ وہ گھڑا کرتے تھے'' اور ان سے گم ہو جائیں گے جو انہوں نے جھوٹے معبود گھڑ رکھے تھے۔ (ایسر التفاسیر: 602,603) (4) یعنی ان کے شرک کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

رکوع نمبر: 9

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (31) ﴾

''آپ کہہ دیں کہ کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو جلد ہی وہ کہیں گے ''اللہ تعالیٰ'' کہو: ''تو کیا تم ڈرتے نہیں؟'' (31)

سوال 1: ﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قُلْ ﴾ ''آپ کہہ دیں'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ان مشرکوں سے پوچھیں جو مانتے ہیں کہ دنیا کا تنہا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (2) ﴿ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے'' کون ہے جو آسمان سے بارش برسا کر، زمین کو اپنے ارادے سے پھاڑتا ہے؟ کون ہے جو اناج، پھل اور گھاس پھونس پیدا کرتا ہے؟ وہ کون ہے جو آسمان سے رزق نازل کر کے زمین سے رزق نکالنے کے اسباب پیدا کرتا ہے؟ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ﴾ یا وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ اپنا رزق روک لے؟ (الملک: 21)

سوال 2: انسان کو رزق کیسے ملتا ہے؟

جواب: انسان کو کائنات کے اجتماعی عمل سے رزق ملتا ہے۔ ساری کائنات ہم آہنگی کے ساتھ ایک رخ پر عمل کرتی ہے تب رزق کا ملنا ممکن ہوتا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی اور کیوں نہیں رزق فراہم کرسکتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی اور رزق فراہم نہیں کرسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کل کائنات پر کسی کا اختیار نہیں اور کوئی جھوٹا معبود ایسے کسی واقعہ کو کیسے ظہور میں لاسکتا ہے جو اجزا کی باہمی ہم آہنگی سے وجود میں آتا ہو۔

سوال4: ﴿ اَمَّنۡ یَّمۡلِکُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ ﴾ ''یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟'' یعنی وہ کون ہے جس نے کانوں اور آنکھوں کو پیدا کیا، جو ان پر اختیار رکھتا ہے۔ (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلۡ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ ﴾ کہہ دو وہ (اللہ تعالیٰ) وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں بنائے۔ (الملک:23) (3) یہ اس دنیا میں علم، معرفت اور ادراک کے وسائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سماعت اور بصارت کا خاص طور پر ذکر اس لیے کیا کہ دونوں اہم حواس ہیں۔ (تفسیر منیر:174/6)

سوال5: سماعتیں اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟

جواب: (1) سماعت اور بینائی کی قوتیں اس کے اختیار میں ہیں جو کان اور آنکھ کو ان کے فرائض انجام دینے کی قدرت دیتا ہے۔ (2) جو ان اعضاء کو کام میں لگاتا ہے اور جب چاہے ان اعضاء کو معطل کردیتا ہے۔ (3) جو ان عضاء کو صحت دیتا ہے اور جب چاہے بیمار کردیتا ہے۔ (4) جو ان کو دکھاتا اور سناتا ہے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں۔

سوال6: ﴿ وَمَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ ﴾ ''اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ وَمَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ ﴾ ''اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے'' آپ ﷺ ان سے پوچھیں وہ کون ہے جو اپنی عظیم قدرت سے مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے۔ مثلاً دانے اور گٹھلی سے نباتات کو، انڈے سے پرندے کو اور کافر سے مومن بناتا ہے۔

سوال7: ﴿ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ ﴾ ''اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ ﴾ ''اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟'' یعنی کون ہے جو مرغی سے انڈے کو، کھجور سے گٹھلی کو، انسان سے نطفے کو نکالتا ہے؟

سوال8: کون ہے جو جان دار میں سے بے جان کو اور بے جان میں سے جان دار کو نکالتا ہے؟

جواب: (1) جان دار میں سے بے جان کو اور بے جان میں سے جان دار کو وہ نکالتا ہے جو زندگی کی استعداد دے سکتا ہے۔ (2) جو وراثتی صفات، علامات اور خصوصیات دے سکتا ہے۔ (3) جو ذائقے، خوب صورتیاں، رنگ اور خوشبوئیں دے سکتا ہے۔ (4) جو سماعت، بصارت، اور دیگر خصوصیات عطا کرسکتا ہے۔

سوال9: ﴿ وَمَنۡ یُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ﴾ ''اور کون ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اور کون ہے جو اوپر والے جہان اور نیچے والے کی تدبیر کرتا ہے؟ (2) وہ کون ہے جو ساری مخلوقات کی زندگی اور موت، صحت اور بیماری کی تدبیر کرتا ہے؟ (3) کون ہے جو تقدیر کے فیصلے کرتا ہے؟ (فتح القدیر: 554/2) (4) کون مختار کل ہے، کس کے ہاتھ میں دنیا کا انتظام ہے، کون ایسا حاکم ہے جس کا حکم ٹالا نہیں جا سکتا؟ (مختصر ابن کثیر: 793/1)

سوال 10: کون نظم عالم کی تدبیر کر سکتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نظم عالم کی تدبیر کرتا ہے جس کا قانون کائنات میں چلتا ہے۔ (2) وہ جو اپنے قانون کی پابندی کروا لیتا ہے۔ (3) جو انسانی زندگی کے لیے اصول اور قاعدے بناتا ہے وہی نظم عالم کی تدبیر کرتا ہے۔

سوال 11: ﴿ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ ''تو جلد ہی وہ کہیں گے ''اللہ تعالیٰ'' کہو: ''تو کیا تم ڈرتے نہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ﴾ ''تو جلد ہی وہ کہے گے ''اللہ تعالیٰ'' ان سارے سوالوں کے جواب میں وہ کہیں گے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان امور میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ (2) اس سے پتہ چلتا ہے کہ مشرک اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر تھے نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسروں کو ان قدرتوں میں شریک کرتے تھے۔ (3) ﴿ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ ''کہو: ''تو کیا تم ڈرتے نہیں؟'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ انہیں کہہ دیں کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ (4) کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ خالص اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے اور جھوٹے معبودوں اور بتوں کی بندگی کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکتے۔ (تفسیر سعدی: 1135/2)

سوال 12: ''کیا تم ڈرتے نہیں ہو'' کے الفاظ سے انسانی شعور کو کیسے جھنجھوڑا گیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ﴿ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ ''کیا تم ڈرتے نہیں ہو'' کے الفاظ سے قبل سوال کیا ہے کہ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے، وہ کون ہے جو تمہاری آنکھوں اور کانوں کا مالک ہے؟ وہ کون ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے؟ ان سوالات کو اس لیے سامنے رکھا گیا کہ اس کے شعور کو جھنجھوڑ کر پوچھا جائے کہ جب تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ رازق ہے، زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس کا قانون اس کائنات میں چلتا ہے تو تمہیں اس کے قانون کی گرفت میں آنے سے ڈر نہیں لگتا۔

﴿ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ (32) ﴾

''سو وہ اللہ تعالیٰ تمہارا حقیقی رب ہے پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر تم کدھر پھیرے جا رہے ہو؟'' (32)

سوال 1: ﴿ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ﴾ ''سو وہ اللہ تعالیٰ تمہارا حقیقی رب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ ﴾ ''سو وہ اللہ تعالیٰ'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنی صفات بیان کی ہیں۔ (2) ﴿ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ﴾ تمہارا حقیقی معبود ہے جو ساری مخلوقات کا رب ہے۔ (3) جس کی وحدانیت ثابت ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ (تفسیر قاسمی: 29/9) (4) وہی حق، اس کی ربوبیت ثابت ہے کیونکہ اس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں زندگی دی، تمہیں رزق دیا، تمہارے سارے امور کی تدبیر کی۔ (تفسیر

منیر:173/6)(5)اللہ تعالیٰ حقیقی رب ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی نہیں جو کائنات کے مجموعی عمل سے رزق فراہم کرسکتا ہو،اس کے سوا کوئی سننے اور دیکھنے کی صلاحتیں عطانہیں کرسکتا،اس کے سوا کوئی جان دار کو بے جان سے اور بے جان کو جان دار سے نہیں نکال سکتا،اس کے سوا کوئی کائناتی اور انسانی معاملات کی تدبیر نہیں کرسکتا،وہی حق ہے اس کے سوا کوئی حق نہیں۔(6)تمہارا حقیقی رب وہ ہے جس کی الوہیت ثابت ہے اور جس کی عبادت واجب ہے،اس کے غیر کو اس کا شریک ٹھہرانا گمراہی اور باطل ہے۔(تفسیر قرطبی:200/4)

سوال2:﴿ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴾''پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر تم کدھر پھیرے جارہے ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)حق کے بعد گمراہی ہے،اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے عبادت کا حق نہیں،وہ تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں،اس کے سوا ہر معبود جھوٹا ہے۔(2)اللہ تبارک وتعالیٰ اکیلا ہی تمام کائنات کا خالق اور اس کی تدبیر کرتا ہے،بندوں کے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اسی کی طرف سے عطا کی ہوئی ہے۔تمام بھلائیاں وہی لاتا ہے اور تمام برائیوں کو وہی دور کرتا ہے،وہ اسمائے حسنیٰ سے موسوم،صفات کاملہ سے موصوف اور جلال واکرام کا مالک ہے۔(تفسیر سعدی:1135,1136/2)(3)حق اور گمراہی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں جو حق کو چھوڑتا ہے وہ گمراہی میں جا پڑتا ہے۔(تفسیر قاسمی:29/9)(4)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو کہتے''**اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْد** ''اور حدیث میں''**اَنْتَ الْحَق وَوَعْدُکَ الْحَق** ''تو حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے''تو یہ قول انت الحق یعنی جو وجود واجب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا حقیقی وصف ہے۔جب کہ اس کا ذاتی وجود ہے۔اس کا وجود کبھی معدوم ہونے والا نہیں جیسا کہ فرمایا:﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ﴾ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے۔(القصص:88)حق کے مقابلے میں گمراہی کی بات رب العزت کے قول میں ہے:﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ ﴾ یہ اس لیے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور یقیناً وہ سب باطل ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں۔(الحج:62)گمراہی کی حقیقت،حق سے نکل جانا ہے۔(تفسیر منیر:178/6) (5) ﴿ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴾''پھر تم کدھر پھیرے جارہے ہو؟''یعنی حق سے جو توحید ہے گمراہی کی طرف جو کہ شرک ہے حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔(تفسیر قاسمی:129/9)(6)یعنی جس ہستی کے یہ اوصاف ہیں اسے چھوڑ کر ان ہستیوں کی عبادت کی طرف کیوں کر پھیرے جارہے ہو جن کا وجود عدم کے سوا کچھ بھی نہیں۔جو خود اپنی ذات کے لیے کسی نفع ونقصان،موت وحیات اور زندہ کرنے پر قادر نہیں۔جن کا اقتدار میں کسی بھی لحاظ سے ذرہ بھر بھی حصہ اور شراکت نہیں۔وہ اس کے پاس،اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کرسکتیں۔پس ہلاکت ہے اس کے لیے جو ایسوں کو شریک ٹھہراتا ہے اور برائی ہے اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔یقیناً اپنے دین سے محروم ہونے کے بعد وہ اپنی عقلوں سے بھی محروم ہوگئے،بلکہ وہ اپنی دنیا وآخرت بھی کھو بیٹھے۔(تفسیر سعدی:1136/2)

﴿ كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ(33) ﴾

''ایسے ہی تیرے رب کی بات ان لوگوں پر سچی ہوگئی جنہوں نے نافرمانی کی کہ یقیناً وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''(33)

سوال 1: ﴿ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''ایسے ہی تیرے رب کی بات ان لوگوں پر سچی ہوگئی جنہوں نے نافرمانی کی کہ یقیناً وہ ایمان نہیں لائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ كَذٰلِكَ حَقَّتْ ﴾ ''ایسے ہی سچی ہوگئی'' اس کے بعد ثابت ہوگئی یعنی واجب ہوگئی۔(2) ﴿ كَلِمَتُ رَبِّكَ ﴾ ''تیرے رب کی بات'' یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم، اس کی قضاء وقدر اور اس کا سابقہ علم۔(تفسیر قرطبی)(3) رب کی بات سے مراد کلمہ عذاب ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ۔(ایسر التفاسیر:603,604)(4) ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ یقیناً جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس ہر نشانی آجائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔(یونس:96,97)(5) ﴿ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا ﴾ ''ان لوگوں پر جنہوں نے نافرمانی کی'' یعنی وہ لوگ جو اطاعت سے نکل گئے اور انہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا۔(تفسیر قرطبی)(6) ﴿ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''کہ یقیناً وہ ایمان نہیں لائیں گے'' یہ کہ وہ تصدیق نہیں کریں گے۔ اس لیے عذاب اور وعید ان پر ثابت ہوگئی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے نگران ان سے کہیں گے: ''کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے کچھ رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے ہوں اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟'' وہ کہیں گے: ''کیوں نہیں! لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی۔(الزمر:71)(7) اللہ تعالیٰ نے روشن دلائل دیے جس میں عقل والوں کے لیے عبرت اور اہل تقویٰ کے لیے نصیحت اور ہدایت ہے لیکن کافروں کی عقلیں ماری گئیں وہ توحید کو نہیں مانتے اور اپنی بد نصیبی کی وجہ سے جہنم جانے والے اعمال کر رہے ہیں۔ ایسے فاسقوں پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے بارے میں سنت کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بارے میں سنت یہ ہے کہ وہ گمراہی اختیار کرتے ہیں۔ فطرت کی پکار نہیں سنتے تو کبھی ایمان کے راستے پر نہیں چل سکتے۔

﴿ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (34) ﴾

’’آپ کہہ دیں کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے؟ پھر اس کو دوبارہ بناتا ہو؟ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بناتا ہے تو تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟‘‘(34)

سوال1: ﴿ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾ ’’آپ کہہ دیں کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے؟ پھر اس کو دوبارہ بناتا ہو؟ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بناتا ہے تو تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ﴾ ’’آپ کہہ دیں کہ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے؟‘‘ اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے کہ آپ کہہ دیجیے کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرے۔(2)﴿ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ﴾ ’’پھر اس کو دوبارہ بناتا ہو؟‘‘ پھر وہ کون ہے جو مخلوق کو ایجاد کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے یعنی مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جو تخلیق کی ابتدا کرکے اس کا اعادہ کرے۔(3)﴿ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ﴾ ’’آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بناتا ہے‘ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بغیر کسی کی مدد کے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اس کو ختم کرکے دوبارہ زمین وآسمان بنائے گا۔(4)﴿ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾ ’’تو تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟‘‘ پھر تم حق کی معرفت اور اقرار کے بعد کہاں پھرائے جارہے ہو؟(5)یعنی ایسی ہستیوں کی عبادت کیوں کررہے ہو جو تخلیق نہیں کرسکتیں۔(6)جب بات یہ ہے تو سیدھی راہ سے ہٹ کر غلط راہ کی طرف کیوں جارہے ہو؟اور کیوں اس کی عبادت نہیں کرتے؟(مختصرابن کثیر:794/1)

سوال2: اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے تخلیق کا عمل کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟

جواب:(1)اس کے سوا کوئی طاقت نہیں رکھتا کہ غیر موجود کو موجود کرسکے۔(2)مخلوقات موجود ہیں جو کسی خالق کا پتہ دیتی ہیں۔(3)اللہ تعالیٰ ہی یہ قوت رکھتا ہے کہ وہ مردہ سے زندہ کو نکال سکے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ ہی تخلیق کا اعادہ کرتا ہے، یہ کس عمل سے ثابت ہوتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے لیے پہلی بار کی تخلیق کے عمل کے ثبوت کے بعد یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ اس کا اعادہ کرسکتا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق سے اس کو کیسے ثابت کیا جاسکتا؟

جواب:(1) پہلی بار پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اسی کا اختیار ہے اور دوسری بار پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔اس پر بھی اس کا اختیار ہے۔دوسرے شریکوں کا اس میں کوئی کردار نہیں۔(2)اللہ تعالیٰ کے ساتھ جن کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے انسان ان سے نہ پہلی زندگی میں کچھ پانے والا ہے نہ دوسری زندگی میں، اس لیے ان کی طرف توجہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

﴿قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّهۡدِيۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ‌ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِىۡ لِلۡحَـقِّ‌ ؕ اَفَمَنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ اَحَقُّ اَنۡ يُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا يَهِدِّىۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّهۡدٰى‌ ۚ فَمَا لَـكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ(35)﴾

''آپ کہہ دیں کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہو؟ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی حق کے لیے راہ نمائی کرتا ہے تو کیا جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راستہ نہ پا تا ہو سوائے اس کے کہ اسے راستہ بتایا جائے؟ تو کیا ہے تمہیں، تم کیسے فیصلہ کرتے ہو؟''(35)

سوال1: ﴿قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّهۡدِيۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ﴾ ''آپ کہہ دیں کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''آپ کہہ دیں کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہو'' یعنی یہ بتاؤ حق کی طرف، سچے دین کی طرف راہ نمائی کون کرتا ہے؟ (2) یعنی یہ بتاؤ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو اپنے الہام سے، بیان سے حق کی طرف راہ نمائی کرسکتا ہو؟

سوال2: ﴿قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِىۡ لِلۡحَـقِّ﴾ ''آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی حق کے لیے راہ نمائی کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُلِ﴾ ''آپ کہہ دیں'' اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجیے۔(2)﴿اللّٰهُ﴾ اکیلا اللہ تعالیٰ۔(3)﴿يَهۡدِىۡ لِلۡحَـقِّ﴾ ''حق کے لیے راہ نمائی کرتا ہے'' حق کی طرف راہ نمائی کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت کی طرف راہ نمائی کرنا کہ اللہ تعالیٰ حق ہے جو ساری کائنات کا نظام چلاتا ہے۔ اس نے اپنے ہونے کے ثبوت کے طور پر انسان کے نفس اور کائنات میں نشانیاں رکھی ہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے۔ حق کی طرف راہ نمائی کرنے سے مراد ہے رسولوں کو بھیجنا، کتابیں نازل کرنا، شرعی قانون بتانا، برے انجام سے ڈرانا وغیرہ۔(4) وہ اپنے دلائل سے، الہام اور توفیق سے حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کے لیے مدد دیتا ہے۔(5) گمراہوں اور ٹیڑھے دل والوں کو سیدھا راستہ دکھانا سچے معبود کا کام ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا حق نہیں رکھتا۔(6) اللہ تعالیٰ کی ہدایت مکمل ہے جیسے خلق اور تکوین اس کی قدرت ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِىۡۤ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ موسیٰ نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت عطا کی، پھر اسے راستہ دکھایا۔(طٰہٰ:50)(7)﴿الَّذِىۡ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ وَالَّذِىۡ قَدَّرَ فَهَدٰى﴾ وہ ذات جس نے پیدا کیا پھر درست بنایا۔ اور وہ ذات جس نے تقدیر بنائی تو راہ دکھائی۔(الاعلیٰ:2,3)

سوال3: اللہ تعالیٰ راہ نمائی کرتا ہے اس کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی کا ثبوت پیغمبروں کی ہدایت سے ملتا ہے۔(2) تمام پیغمبروں نے جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کہہ کر پیش کیا

وہ ایک ہی ہدایت ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہدایت کیوں نہیں دے سکتا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا اس قابل نہیں کہ حق اور ناحق کے بارے میں کوئی علم دے جیسے بت اس قابل نہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک میں کمی ہے اور ہر ایک میں محدودیت ہے اس وجہ سے وہ خود راہ نمائی کے محتاج ہیں۔

سوال5: ﴿ اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى ﴾ ”تو کیا جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راستہ نہ پاتا ہو سوائے اس کے کہ اسے راستہ بتایا جائے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ ﴾ ”تو کیا جو حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے“ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ (2) ﴿ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ ﴾ ”وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے“ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی بات مانی جائے۔ (3) یعنی اس کی عبادت اور اطاعت کی جائے۔ (تفسیر قاسمی:31/9) (4) ﴿ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى ﴾ ”یا وہ جو خود ہی راستہ نہ پاتا ہو سوائے اس کے کہ اسے راستہ بتایا جائے“ یعنی عبادت اور اطاعت کا حق کیا وہ رکھتا ہے جو خود بھی راہ نہ پائے مگر یہ کہ اس کو راستہ بتایا جائے۔ (5) جو راہبری فرمائے اور گمراہوں کو راستہ دکھائے اس کی تابعداری صحیح ہے یا جو خود ہی اندھا اور گونگا ہو۔ (مختصر ابن کثیر:794/1) (6) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اس لیے انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

سوال6: ﴿ فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾ ”تو کیا ہے تمہیں، تم کیسے فیصلہ کرتے ہو؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”تو کیا ہے تمہیں، تم کیسے فیصلہ کرتے ہو؟“ یعنی حیرت ہے تم کیسے باطل کے ساتھ فیصلے کرتے ہو جب کہ تم گمان رکھتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں؟ (تفسیر قاسمی:32/9) (2) یعنی کس چیز نے تمہیں اس پر آمادہ کیا ہے کہ تم یہ باطل فیصلہ کرتے ہو اور اس حقیقت پر دلیل و برہان کے ظاہر ہونے کے بعد کہ اللہ واحد کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کی صحت کا حکم لگاتے ہو۔ (تفسیر سعدی:1137/2)

﴿ وَ مَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ (36) ﴾

”ان میں سے اکثر لوگ نہیں پیروی کرتے مگر ایک گمان کی، یقیناً گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں دیتا، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو بھی وہ کرتے ہیں۔“ (36)

سوال1: ﴿ وَمَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ﴾ ”ان میں سے اکثر لوگ نہیں پیروی کرتے مگر ایک گمان کی“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَمَا يَتَّبِعُ ﴾''اورنہیں پیروی کرتے''یعنی بتوں کی بندگی پر۔(2)﴿ أَكْثَرُهُمْ ﴾''ان میں سے اکثر''سے مراد سب ہیں یعنی جواللہ تعالیٰ کی بجائے خودساختہ شریکوں کو پکارتے ہیں۔(3)﴿ إِلَّا ظَنًّا ﴾''مگر ایک گمان کی''وہ آباء کی تقلید ہے جیسا کہ غائب کو حاضر پر قیاس کرنا اور خالق کو مخلوق پر، کسی موہوم مشارکت کی وجہ سے۔(4)یعنی وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے شریکوں کو نہیں پکارتے، کیونکہ اصل میں عقلاً و نقلاً اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، یہ لوگ محض اپنے ظن اور گمان کی پیروی کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1138/2)(5)شرک کسی علم پر نہیں بلکہ مفروضات اور قیاسات پر پھیلتا ہے۔شرک کرنے والے یہ گمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ شریک ہیں جو خدا کی صفات رکھتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ایک شخص کی طرف وحی کیسے بھیج سکتا ہے۔وہ اپنے گمان کو عقل کی کسوٹی پر نہیں رکھتے نہ اس کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں۔وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر ہمارے معبودوں میں کمال نہ ہوتا تو ہمارے آباؤاجداد ان کی پوجا کبھی نہ کرتے۔

سوال 2:﴿ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴾''یقیناً گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں دیتا''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ إِنَّ الظَّنَّ ﴾''یقیناً گمان''یقیناً گمان علم کو کفایت نہیں کرتا۔عقیدے کے لیے علم مطلوب ہے نہ کہ ظن۔(ایسر التفاسیر:605)(2)﴿ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ ﴾''حق کے مقابلے میں کام نہیں دیتا''یعنی علم اور حقیقی اعتقاد کے لیے کافی نہیں ہے۔(تفسیر قاسمی:32/9)(3)یہ آیت دلیل ہے کہ عقیدے میں ظن کفایت نہیں کرتا۔(تفسیر قرطبی:206/4)(4)انہوں نے ان کو معبود کے نام سے موسوم کردیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے حقیقت چیزوں کی عبادت کرنے لگے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى ﴾یہ(بت)کچھ نہیں سوائے چند ناموں کے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، نہیں وہ پیچھے چلتے مگر وہم وگمان کے اور جو ان کے دل چاہتے ہیں۔حالانکہ بلاشبہ یقیناً ان کے رب کی جناب سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔(النجم:23)

سوال 3:انسان گمان کی پیروی کیوں کرتے ہیں؟

جواب:انسان کے لیے کسی گمان کو خوش نما بنادینا شیطان کا کام ہے۔وہ گمراہی کو دل پسند عقیدہ بنادیتا ہے تو لوگ اسی کو حق سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ اس کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔

سوال 4:﴿ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴾''یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو بھی وہ کرتے ہیں''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو بھی وہ کرتے ہیں''بے شک اللہ تعالیٰ ان کے قبیح افعال کو جانتا ہے جن کی کوئی دلیل نہیں۔(فتح القدیر:556/2)(2)یہ ان کے گمان کی پیروی کرنے پر اور حق کے دلائل سے اعراض کرنے پر وعید ہے۔(تفسیر قاسمی:32/9)(3)اللہ تعالیٰ ان کے افعال کو خوب جانتا ہے اور وہ ان افعال پر انہیں سخت سزا دے گا۔(تفسیر سعدی:1138/2)

سوال 5:اللہ تعالیٰ کی صفت علیم کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ یقینی علم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ لوگوں کے اعمال کیسے ہیں۔(2) مشرک اپنے کاموں کی حقیقت نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ان کے معاملات کی حقیقت کو جانتا ہے لہٰذا اگر مشرک نہ سمجھیں تو ان کا معاملہ رب علیم کے حوالے ہے۔

﴿وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ(37)﴾

''اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ غیر اللہ سے گھڑ لیا گیا ہو لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور کتاب کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔''(37)

سوال1: ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ غیر اللہ سے گھڑ لیا گیا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ﴾ ''اور یہ قرآن ایسا نہیں''یعنی یہ قرآن عظیم کتاب ہے۔(2) ﴿اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''کہ غیر اللہ سے گھڑ لیا گیا ہو''یعنی یہ قرآن افترا نہیں ہے۔(ایسر التفاسیر:605)(3) قرآن حکیم کے اعجاز کا بیان ہے کہ انسان ایک چھوٹی سورت تو درکنار ایک آیت بھی نہیں بنا سکتا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ آپ کہہ دیں یقیناً اگر تمام انسان اور تمام جن اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو وہ اس جیسی نہ لا سکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔(بنی اسرائیل:88)(4) قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق کے مشابہ نہیں۔(5) اس قرآن کو کوئی اللہ تعالیٰ پر گھڑ نہیں سکتا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ باطل اس کے پاس نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی جناب سے نازل کردہ ہے۔(حم السجدہ:42)(6) قرآن ایسی کتاب ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کلام کیا ہے پھر مخلوق میں سے کوئی اس جیسے کلام پر کیسے قادر ہو سکتا ہے، نہ مخلوق میں سے کوئی خالق جیسی صفات رکھتا ہے نہ ایسی کتاب لانے کی قدرت رکھتا ہے۔(7) قرآن کا موضوع کامل ہے اس کے مضامین ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔اس کا انداز بیان کامل ہے۔اس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے مضامین ہیں۔یہ ایسے عقائد پیش کرتا ہے جو کامل ہیں۔یہ ایسا نظام زندگی پیش کرتا ہے جو کامل ہے، کامیاب ہے، حق پر مبنی ہے۔یہ ایک کامل الٰہ کا تصور پیش کرتا ہے جس میں کوئی نقص نہیں۔یہ انسان کی زندگی کے وہ حقائق سامنے رکھتا ہے جیسے انسان کی حقیقت اور مقصد زندگی کے بارے میں نظریات جن میں کوئی نقص نہیں۔اس کا کوئی نظریہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوا لہٰذا یہ کلام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی تصنیف نہیں ہو سکتا۔اللہ تعالیٰ اوّل و آخر سے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔وہ نقص سے پاک ہے، وہ جہالت سے مبرّا ہے اس لیے اس کے سوا کوئی یہ کتاب تصنیف نہیں کر سکتا۔

سوال 2: ﴿ **وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴾ ’’لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور کتاب کی تفصیل ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ** ﴾ ’’لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے‘‘ یہ کتاب پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن پہلی کتابوں کی موافقت کرتا ہے۔(2) پہلی کتابوں میں قرآن حکیم اور نبی ﷺ کی شہادت موجود ہے۔(3) ان کتابوں نے اس کے نازل ہونے کی خوش خبری سنائی پھر قرآن اسی طرح نازل ہوا جس طرح ان کتابوں نے خوش خبری دی تھی۔(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یہ قرآن تورات اور انجیل کا گواہ ہے اور ان کی تصدیق کرتا ہے۔(ابن ابی حاتم: 1592/6)(5) قرآن حکیم پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ پہلی کتابوں کے اصل عقیدے کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ پہلے رسولوں اور پہلی کتابوں نے بھلائی کی طرف دعوت دی تھی۔(6) ﴿ **وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ** ﴾ ’’اور کتاب کی تفصیل ہے‘‘ یعنی قرآن مجید احکامات کو واضح کرتا ہے جو کچھ فرض کیا گیا۔(تفسیر قاسمی: 34/9)(7) الکتاب سے مراد اصل کتاب ہے جس میں سے مختلف رسولوں کو ہدایت دی گئیں۔ الکتاب کے اصول تمام رسولوں کے یہاں ایک ہیں تفصیلات مختلف ہیں۔ الکتاب کی دعوت بھلائی اور سچائی کی طرف تھی۔(8) یعنی اس میں حلال وحرام، احکام دینیہ، احکام قدریہ اور اخبار صادقہ کی تفصیل ہے۔(تفسیر سعدی: 1139/2)(9) ﴿ **لَا رَيْبَ فِيْهِ** ﴾ ’’اس میں کوئی شک نہیں‘‘ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا کلام ہے۔(10) ﴿ **مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ﴾ ’’اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے‘‘ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔(11) یعنی کسی بھی پہلو سے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، بلکہ یہ یقینی حق ہے اور جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ جس نے اپنی نعمتوں کے ذریعے سے تمام مخلوق کی پرورش اور اس کی تربیت کی۔ سب سے بڑی تربیت کی قسم یہ ہے کہ اس نے ان پر یہ کتاب نازل فرمائی جو ان کے دینی اور دنیاوی مصالح پر مبنی اور مکارم اخلاق اور محاسن اخلاق پر مشتمل ہے۔(تفسیر سعدی: 1139/2)(12) قرآن مجید کے رب العالمین کی طرف سے ہونے پر دلیل ہے۔ ﴿ **وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا** ﴾ اور اگر وہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں وہ یقیناً بہت زیادہ اختلاف پاتے۔(النساء: 82)

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (38) ﴾

’’یا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیں تو اس جیسی ایک سورت تم لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم استطاعت رکھتے ہو ان کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔‘‘ (38)

سوال 1: ﴿ **اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ** ﴾ ’’یا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ** ﴾''یا وہ لوگ کہتے ہیں''یعنی کتاب کو جھٹلانے والے ضد اور دشمنی کی بنا پر کہتے ہیں۔(2)﴿ **افۡتَرٰىهُ** ﴾ **محمد** ﷺ نے اسے خود گھڑ لیا ہے یعنی اپنی طرف سے اسے بنا لیا ہے۔(3)یعنی اگر قرآن میں تمہیں شبہ ہے اور تمہارا یہ الزام ہے کہ **محمد** ﷺ نے اسے خود بنا لیا ہے۔(مختصر ابن کثیر:795/1)

سوال2:﴿ **قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ** ﴾''آپ کہہ دیں تو اس جیسی ایک سورت تم لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم استطاعت رکھتے ہو ان کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **قُلۡ** ﴾''آپ کہہ دیں''اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ کہہ دیجیے۔(2)﴿ **فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ** ﴾''اس جیسی ایک سورت تم لے آؤ''قتادہ کا قول ہے یعنی اس قرآن کی طرح حق اور سچائی لیے ہوئے، اس میں کوئی جھوٹ اور باطل نہ ہو۔(تفسیر ابن ابی حاتم:1953/6)(3)یعنی قرآن جیسی فصاحت و بلاغت اور حسن نظم اور معانی کی قوت رکھنے والی کتاب لے آؤ۔یہ چیلنج اس لیے دیا گیا کہ عرب فصحاء تھے اور اپنی فصاحت، عربیت، نظم اور عبارت میں بے مثال تھے۔(تفسیر منیر:186/6)(4)اللہ تعالیٰ نے چیلنج کیا ہے کہ **محمد** ﷺ تم جیسے انسان اور امی ہیں ان کے مقابلے میں تم ایک سورت لے آؤ تو تمہاری بات درست ہے ورنہ باطل ہے۔(5)﴿ **وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ** ﴾''اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم استطاعت رکھتے ہو ان کو بلا لاؤ''یعنی قرآن جیسی سورت بنانے کے لیے انسانوں یا جنوں میں سے جس سے بھی مدد لینا چاہو، بلا لو اگر تم سچے ہو۔یہ چیلنج قرآن حکیم میں اور مقامات پر بھی کیا گیا۔﴿ **قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا** ﴾ آپ کہہ دیں یقیناً اگر تمام انسان اور تمام جن اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو وہ اس جیسی نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔(بنی اسرائیل:88)﴿ **اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ** ﴾یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود یہ (قرآن) گھڑ رکھا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جسے بھی تم بلا سکتے ہو بلا لاؤ اگر واقعی تم سچے ہو؟(ہود:13)اور دیکھو اگر ایسا کرنا ممکن ہوتا تو تم ایسی کتاب بنا کر دکھا دیتے۔اب چونکہ تم بے بس ہو گئے ہو تو تمہارا قول باطل ہو گیا ہے۔(6)﴿ **اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ** ﴾''اگر تم سچے ہو''یعنی اپنے اس دعوے میں کہ قرآن گھڑا گیا ہے۔(فتح القدیر:557/2)(7)رب العزت نے فرمایا:﴿ **وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ** ﴾اور اگر تم اس بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔(البقرۃ:23)(8)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''ہر نبی کو ایسے ایسے معجزات عطا کئے گئے کہ (انہیں دیکھ کر) لوگ ان پر ایمان لائے (بعد کے زمانے میں ان کا کوئی اثر نہیں رہا) اور مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی (قرآن) ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہے (اس کا اثر قیامت تک باقی رہے گا) اس لئے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے تابع فرمان لوگ دوسرے

پیغمبروں کے تابع فرمانوں سے زیادہ ہوں گے۔'' (بخاری:4981)

﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ(39) ﴾

'' بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا ہے جس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا حالانکہ ابھی ان کے پاس اس کی اصل حقیقت نہیں آئی تھی۔ ایسے ہی ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے،تو آپ دیکھ لو ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔'' (39)

سوال1: ﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾ '' بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا ہے جس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا حالانکہ ابھی ان کے پاس اس کی اصل حقیقت نہیں آئی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) '' بلکہ انہوں نے جھٹلا دیا ہے'' یعنی ان لوگوں نے بے سوچے سمجھے قرآن کو جھٹلا دیا ہے۔ (2) ﴿ بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ ﴾ '' جس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا'' یعنی اپنی نادانی سے اس کتاب کے علم اور اس کی حقیقت تک نہ پہنچ پائے۔ (3) وہ چیز جس نے ان کو قرآن، جو حق پر مشتمل ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی حق نہیں، کی تکذیب پر آمادہ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اس کا علم نہیں رکھتے۔ اگر وہ اس کا علم رکھتے ہوتے۔ اور اگر انہوں نے اس کو سمجھ لیا ہوتا جیسا کہ سمجھنے کا حق ہے، تو وہ ضرور اس کی حقانیت کی تصدیق کرتے۔ (تفسیر سعدی:1140/2)
(4) ﴿ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾ '' حالانکہ ابھی ان کے پاس اس کی اصل حقیقت نہیں آئی تھی'' یعنی ان کے پاس وہ عذاب نہیں آیا، انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے کی حقیقت نہیں پہنچی کہ وہ ان پر عذاب نازل کرے گا۔

سوال2: قرآن کو جھٹلانے والے کیوں جھٹلاتے ہیں؟

جواب: (1) قرآن کو جھٹلانے والے، جھٹلانے کے نتائج سے بے خوف ہیں۔ (2) قرآن کو جھٹلانے والے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ وہ کسی عذاب کی پکڑ میں آجائیں گے۔

سوال3: قرآن کو جھٹلانے والوں کی مخالفانہ روش کا سبب کیا ہے؟

جواب: قرآن کو جھٹلانے والوں کی مخالفانہ روش کا سبب بے خوفی ہے۔ بے خوف انسان کسی عقلی دلیل کی بناء پر بے خوف نہیں ہوتا اسی وجہ سے اس کے اندر غیر سنجیدگی پیدا ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے مخالفت ابھرتی ہے۔

سوال4: ﴿ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ '' ایسے ہی ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے ،تو آپ دیکھ لو ظالموں کا انجام کیسا ہوا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ '' ایسے ہی ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے'' یعنی ان جھٹلانے والوں کی طرح اللہ

تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کو جھٹلانے والے پہلے بھی جھٹلاتے رہے اور اپنے انجام کو پہنچے۔(2)﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾"تو آپ دیکھ لو ظالموں کا انجام کیسا ہوا" یہاں ظالموں کے انجام سے مراد عذاب ہے جس نے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح علیہ السلام کو ظلم کی وجہ سے غرق کر دیا، قوم ہود کو تیز ہواؤں سے، قوم صالح علیہ السلام کو چنگھاڑ سے، قوم شعیب علیہ السلام کو زلزلے سے اور بعد کی قوموں کو عذاب کی دوسری قسموں سے۔ پھر اگر یہ لوگ توبہ نہیں کریں گے تو ان پر بھی عذاب آئے گا جیسا کہ پہلے لوگوں پر آیا تھا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾"اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں۔(ابراہیم:42)(3) یہ آیت کریمہ تمام امور میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور اس سے یہ راہ نمائی بھی حاصل ہوتی ہے کہ انسان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی چیز کے بارے میں پوری حقیقت حال معلوم کیے بغیر اسے قبول یا رد کر دے۔(تفسیر سعدی:1140/2)

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ (40) ﴾

"اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔"(40)

سوال1: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ﴾"اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ﴾"اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں" یعنی قرآن پر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ ایک پر ایمان دوسرے پر ایمان لانے کا تقاضا کرتا ہے۔(ایسر التفاسیر:606,607)(2) جن لوگوں نے قرآن کو جھٹلایا ان میں سے کچھ اس پر دل سے ایمان لاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ حق اور سچ ہے لیکن وہ اپنے تکبر اور عناد کی وجہ سے جھٹلاتے ہیں۔(فتح القدیر:558/2)(3) یعنی کچھ لوگ قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں۔(4)﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ﴾"اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے" جو لوگ دل سے اس کی تصدیق نہیں کرتے، بلکہ نادان اسے جھٹلاتے ہیں۔(5) جو لوگ تدبر نہیں کرتے وہ قرآن مجید پر دل سے یقین نہیں رکھتے۔(6) یعنی کچھ لوگ تو قرآن پر ایمان لا کر اطاعت گزار بن جائیں گے اور کچھ کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔

سوال2: ﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴾"اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)"اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے" یعنی اللہ تعالیٰ شریر لوگوں کو خوب جانتا ہے، اسے معلوم ہے کہ کون ہدایت کا حق رکھتا ہے اور کون نہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق ہدایت دیتا ہے یا گمراہ کرتا ہے۔ وہ عادل ہے کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ پاک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا حق نہیں رکھتا۔(2) مفسدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے ظلم، عناد اور فساد کی بنا پر قرآن پر ایمان

نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فساد کی پاداش میں انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔(تفسیر سعدی:1140/2)(3) مسلمانوں میں اگرچہ بے شمار اختلاف اور فرقے ہیں تاہم یہ سب کے سب گمراہ نہیں بلکہ فرمان رسول ﷺ کے مطابق ان میں تا قیامت ایک فرقہ ایسا موجود ہے اور موجود رہے گا جو حق پر قائم رہے گا اور یہ فرقہ وہ ہے جو صرف کتاب وسنت پر انحصار کرتا ہے۔(تیسیر القرآن:301/2)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی نظر میں مفسد کون ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایمان نہ لانے والا مفسد ہے کیونکہ وہ حق قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو استعمال نہیں کرتا۔ ایمان نہ لانے والا کھلے دلائل کو نظر انداز کرتا ہے سُنی ان سنی کرتا ہے حق کو سمجھ کر نہیں سمجھتا۔ ایمان نہ لانے والا اپنے تعصّبات اور مفادات کو ترجیح دیتا ہے۔

رکوع نمبر:10

﴿وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ(41)﴾

''اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل، جو کچھ میں کرتا ہوں اس سے تم بری ہو اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس سے میں بری ہوں۔''(41)

سوال 1: ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ ''اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ﴾ ''اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں''یعنی وہ اگر آپ ﷺ کو جھٹلانے پر ڈٹے رہیں تو آپ ﷺ بھی انہیں حق کی دعوت پہنچاتے رہیں۔(2) ﴿فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ﴾ ''تو کہہ دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے''یعنی میرا عمل تو تبلیغ ہے، رسالت ہے، خوش خبریاں دینا، ڈراوے دینا، اطاعت اور ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے اس پر جزا دے گا۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا﴾ جس نے نیک عمل کیا تو اس کے اپنے ہی لیے ہے اور جس نے برائی کی سو اسی پر ہے۔(حم السجدہ:46)(3) ﴿وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ ''اور تمہارے لیے تمہارا عمل''، اور وہ ظلم، شرک اور فساد ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر تمہیں بدلہ دے گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اس کا جو تم کماتے تھے۔(یونس:52)

سوال 2: حق کا داعی کس موڑ پر یہ بات کہتا ہے ﴿لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ ''میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل''؟

جواب: یہ بات کہ ''میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے'' اس موڑ پر کہی جاتی ہے جہاں جھٹلانے والے کسی صورت میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

سوال3: یہ بات کہنا کیوں مشکل ہے ﴿ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ﴾ ’’میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل‘‘؟

جواب: یہ جملہ کہنا ان لوگوں کو اپنی شکست دکھائی دیتا ہے جو آخری وقت تک بحث جاری رکھنا چاہتے ہیں اور شکست تسلیم کرنا آسان نہیں ہوتا۔

سوال4: ﴿ اَنْتُمْ بَرِيْٓــــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ’’جو کچھ میں کرتا ہوں اس سے تم بری ہو اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس سے میں بری ہوں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ اگر چہ یہ مشرک آپ ﷺ کو جھٹلا رہے ہیں مگر آپ ان سے اور ان کے اعمال سے بری ہیں۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیں یقیناً میں ان کاموں سے بے زار ہوں جو تم کرتے ہو۔ (الشعراء:216) (2) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے براءت کا اظہار کرنے کے لیے کہا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴾ آپ کہہ دیں کہ اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ (الکافرون:1-6) (3) یہ بات ایسے موڑ پر کہی جاتی ہے جہاں جھٹلانے والے کسی صورت میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ حق کا داعی فتح اور شکست کی نفسیات سے اوپر ہو کر دعوت حق کا کام کرتا ہے اس لیے جب وہ دیکھتا ہے کہ مدعو ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو گیا تو وہ یہ کہہ کر الگ ہو جاتا ہے کہ اصل فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا جو شخص جیسا ہوگا ویسے ہی انجام کو پہنچ جائے گا۔

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ (42) ﴾

’’اور ان میں سے کچھ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے، اگر چہ وہ نہ سمجھتے ہوں؟‘‘ (42)

سوال1: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ﴾ ’’اور ان میں سے کچھ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ﴾ ’’اور ان میں سے کچھ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں‘‘ اللہ رب العزت نے ان لوگوں کے بارے میں خبر دی جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو جھٹلاتے ہیں کہ ان میں سے بعض لوگ بڑی توجہ سے کان لگا کر نبی ﷺ سے قرآن حکیم کو سنتے ہیں لیکن ان کا مقصد ہدایت حاصل کرنا نہیں بلکہ جھٹلانا اور کمزوریاں تلاش کرنا ہوتا ہے۔ اس نیت اور ارادے کے ساتھ سننا سننے والے کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ وہ سننے کے فائدے سے محروم ہو گئے کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ (2) قرآن حکیم کو سننے سے دینی اور دنیاوی اصلاح ہو سکتی ہے لیکن ہدایت اللہ تعالیٰ کے

اختیار میں ہے۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

سوال 2: کچھ لوگ دعوت حق کو اس طرح کیوں سنتے ہیں گویا کہ وہ کچھ نہیں سنتے ؟

جواب: دعوت حق کو سننے والے کچھ لوگ بظاہر اسے سنتے ہیں گویا کہ وہ سمجھنا چاہتے ہیں حالانکہ انہوں نے دل میں طے کر رکھا ہوتا ہے کہ انہوں نے دعوت کو نہیں سمجھنا۔ اس طے شدہ پروگرام کی وجہ سے وہ سن کر بھی کچھ نہیں سنتے۔

سوال 3: ﴿ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ '' تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے، اگر چہ وہ نہ سمجھتے ہوں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) '' تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے، اگر چہ وہ نہ سمجھتے ہوں؟'' جیسے بہرے کو کلام سنانے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا اسی طرح جھٹلانے والوں، عقل سے محروم لوگوں کو بھی کلام اللہ نہیں سنایا جا سکتا جس سے وہ نفع اٹھا سکیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴾ ان کے رب کی طرف سے کوئی بھی نیا ذکر ان کے پاس نہیں آتا مگر وہ اس کو مشقت سے سنتے ہیں، اور وہ کھیل رہے ہوتے ہیں۔ اس حالت میں (کہ) دل ان کے غافل ہیں۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے خفیہ سرگوشی کی کہ یہ تمہارے ہی جیسا آدمی ہے؟ تو کیا تم اس کے جادو میں آتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو؟ (الانبیاء: 2,3) ہاں اتنا ضرور ہے کہ سننے والوں پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ (2) سماعت علم حاصل کرنے کے راستوں میں سے ایک بڑا راستہ ہے جو جھٹلانے والوں پر بند ہو جاتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ (الانفال: 21)

سوال 4: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سن کر نہ سننے والوں کا کیا مقام ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو کانوں کی صلاحیت رکھنے کے باوجود نہیں سنتے بہرہ قرار دیتے ہیں اور ایسا فرد جس کے پاس کوئی عقل نہیں ہوتی۔

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ (43) ﴾

'' اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھائیں گے اگر چہ وہ نہ دیکھتے ہوں؟'' (43)

سوال 1: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ﴾ '' اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے دوسرے راستے کے بند ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی نظر کا راستہ '' اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں''، یعنی تلاوت قرآن کے وقت وہ تعجب کی نظر سے آپ ﷺ کو دیکھتے ہیں لیکن نور ایمان سے نہیں دیکھتے۔ (2) وہ آپ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں اور آپ ﷺ کی صداقت کی علامات کو دیکھتے ہیں لیکن یہ نہیں پہچانتے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول

ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کردیا ہے۔(2)ان کا آپ کی طرف دیکھنا ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا اور نہ آپ کو کوئی راحت دے سکتا ہے۔پس جس طرح آپ اندھوں کو راہ نہیں دکھا سکتے جو بصارت سے محروم ہیں اسی طرح آپ بہروں کی بھی راہ نمائی نہیں کر سکتے۔جب ان کی عقل، سماعت اور بصارت، جو حصول علم اور معرفت حقائق کا ذریعہ ہیں، خرابی کا شکار ہو جائیں، تب ان کے لیے حق تک پہنچنے کا کون سا راستہ ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ﴾ دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے احوال، آپ کے طریقوں، آپ کے اخلاق اور آپ کے اعمال کو دیکھنا آپ اور آپ کی دعوت کی صداقت پر دلائل مہیا کرتا ہے اور یہ نظر، صاحب بصیرت کو دیگر دلائل سے مستغنی کر دیتی ہے۔(تفسیر سعدی:2/1141,1142)

سوال 2: دعوت حق کے دلائل اور داعی کی صداقت کی نشانیوں کو کچھ لوگ دیکھ کر بھی کیوں نہیں دیکھتے؟

جواب: جو لوگ دعوت اور داعی کے بارے میں پہلے سے یہ طے کر لیتے ہیں کہ اس کو ماننا نہیں ہے۔وہ اگرچہ بظاہر یوں محسوس کرواتے ہیں۔جیسے وہ کھلے دل سے مشاہدہ کرنا چاہتے ہوں مگر وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

سوال 3: داعی کی صداقت کو دیکھنے کے باوجود نہ ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کیا مقام دیتے ہیں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کے نزدیک آنکھیں رکھنے کے باوجود وہ اندھے ہیں۔(2)اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں کو حق قبول کرنے کی توفیق نہیں دی جاتی۔

سوال 4: ایک داعی دل کے اندھے کو کیوں راستہ دکھانا چاہتا ہے؟

جواب: داعی کے دل میں دعوت پہنچانے کی حرص ہوتی ہے اس وجہ سے وہ لوگوں کے ظاہری رویے سے خوش گمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ شاید وہ واقعی ایک داعی کے سچے طرز عمل کو دیکھنا چاہتے ہیں حالانکہ مدعو آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

سوال 5: ﴿أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ﴾ "تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھائیں گے اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں؟" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)یعنی آپ ﷺ ان کو راستہ نہیں دکھا سکتے جو بصارت سے محروم ہوں کیونکہ وہ درحقیقت دل سے نہیں دیکھتے اور آپ ﷺ ان کی ہدایت پر قدرت نہیں رکھتے کیونکہ وہ بصیرت سے محروم ہیں۔رب العزت نے فرمایا: ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ پس یقیناً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔(الحج:46)(2)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿لَا يُبْصِرُونَ﴾ سے مراد ہے کہ وہ حق کو نہیں دیکھتے۔(ابن ابی حاتم:6/1954)(3)اہل سنت نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے کیونکہ کفار کے دلوں کی نسبت ایمان کی طرف بہرے کی طرح جو کلام سنتا ہے اور اندھے کی طرح جو چیزوں کو دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو ہدایت پر قدرت رکھتا ہے۔(تفسیر منیر:6/198)

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ(44) ﴾

’’یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنے آپ پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔‘‘(44)

سوال 1: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنے آپ پر خود ہی ظلم کرتے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا ﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا‘‘، یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی برائیوں کو بڑھا گھٹا کر، کسی کی نیکیوں میں کمی بیشی کر کے کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (2) اللہ تعالیٰ قرآن حکیم سے کسی کو ہدایت دیتا ہے، اندھوں کو بینائی عطا کرتا ہے، بہروں کو سنواتا ہے یا دلوں کے پردے ہٹاتا ہے یا کچھ لوگوں کو گمراہ اور بے ایمان بناتا ہے تو کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ جو کام کرتا ہے اپنے علم اور حکمت اور کمال عدل سے کرتا ہے۔ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (3) ﴿ وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴾ ’’لیکن لوگ اپنے آپ پر خود ہی ظلم کرتے ہیں‘‘ ان کے پاس جب حق آتا ہے تو اسے قبول نہیں کرتے پھر اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ نے انسان کو سننے، سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحتیں عطا کی ہیں۔ تاکہ انسان غور وفکر کر کے گمراہی کا راستہ اختیار نہ کرے۔ مگر انسان اپنے آپ کو آزاد محسوس کر کے سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو صلاحتیں اسے آزمائش کے لیے دی ہیں۔ انسان انہیں اپنا حق سمجھ کر ظلم کرتا ہے۔ (5) ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی حرام کر دیا ہے لہٰذا کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ اسی کے اختتام پر ہے: اے میرے بندو! یہ تمہارے عمل ہی ہیں جن کو میں گن گن کر رکھتا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ لہٰذا جو بھلائی پائے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور جو برائی پائے اسے اپنے آپ ہی کو ملامت کرنی چاہیئے۔ (مسلم)

﴿ وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ(45) ﴾

’’اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع کرے گا، گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر دن میں بس ایک گھڑی، اس میں وہ ایک دوسرے کو پہچانتے رہے۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا یقیناً وہ خسارے میں پڑے رہے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں تھے۔‘‘(45)

سوال 1: ﴿ وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ﴾ ’’اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع کرے گا، گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر دن میں بس ایک گھڑی، اس میں وہ ایک دوسرے کو پہچانتے رہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ ﴾ ’’اور جس دن انہیں جمع کرے گا‘‘، یعنی وہ دن جس میں کوئی شک نہیں انہیں ان کی قبروں سے اٹھایا جائے

گا۔(2)﴿ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ ﴾ ''گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر دن میں بس ایک گھڑی'' اللہ تعالیٰ نے قیامت کی گھڑی کو یاد دلایا ہے کہ کیسے سب اپنی قبروں میں میدان حشر میں جمع ہوں گے تو انہیں یوں لگے گا کہ گویا وہ دن کی ایک گھڑی ٹھہرے ہیں۔دنیا کی زندگی انہیں بہت کم لگے گی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴾ جس دن وہ اسے دیکھ لیں گے تو (سمجھیں گے) گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اس کی ایک صبح۔(النازعات:46)(3)﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے۔اسی طرح وہ بہکائے جاتے تھے۔(الروم:55)(4)﴿ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ﴾ ''وہ ایک دوسرے کو پہچانتے رہے''یعنی لوگ ایک دوسرے کو اسی طرح پہچانیں گے جیسے دنیا میں پہچانتے تھے لیکن کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴾ اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہ پوچھے گا۔(المعارج:10)(5) آخرت کے مقابلے میں دنیا کی عمر کی،دنیا کی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں۔

سوال 2:﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾ ''جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا یقیناً وہ خسارے میں پڑے رہے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اس دن وہ لوگ خسارے میں رہیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا اور متقی لوگ کامیاب ہوں گے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ بڑی ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔(المطففین:10,11)(2) جیسا کہ ارشاد ہے:﴿ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ آپ کہہ دیں کہ یقیناً خسارہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا،سن لو! یہی کھلا خسارہ ہے۔(الزمر:51)(3)﴿ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾ ''اور وہ ہدایت پانے والے نہیں تھے''یعنی وہ دین قیم پر نہ چلے۔(4) یعنی کفر اور گمراہی سے نہ نکلے۔(تفسیر قاسمی:38/9) یعنی اپنی زندگی میں انہوں نے ہدایت نہ پائی اسے خسارے اور عذاب الیم کے لیے ختم کیا۔(ایسر التفاسیر:607,608)

سوال 3: آخرت کا معاملہ کس کو دور کا معاملہ محسوس ہوتا ہے؟

جواب: جو شخص آخرت کے معاملہ میں سنجیدہ نہیں ہوتا اسے آخرت کا معاملہ دور کا معاملہ محسوس ہوتا ہے۔

سوال 4: انسان کو دنیا کی زندگی کب چھوٹی محسوس ہوتی ہے؟

جواب: جب آخرت سب سے بڑی حقیقت کی صورت میں واقع ہو جائے گی۔اس وقت انسان کو دنیا میں رہنا ایک گھڑی کی طرح محسوس ہوگا۔جس گھڑی وہ غفلت میں مبتلا تھا۔اور آخرت کے لیے سوچنے کو بھی تیار نہ تھا۔

سوال 5: دنیا کی زندگی کی تشبیہ سے اللہ تعالیٰ نے کیا سمجھایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ انسان کو سمجھاتے ہیں کہ دنیا کی زندگی اتنی ہی ہے گویا کہ لوگ دنیا میں آئے اور گئے یہاں صرف تعارف ہوا اور لوگوں نے کچھ کیا ہی نہیں بلکہ تعارف بھی مکمل نہیں ہوتا اور لوگ چلے جاتے ہیں پھر اس دنیا کی زندگی سے جو فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں وہ گھاٹے میں رہتے ہیں ہدایت نہیں پاتے۔

سوال 6: نقصان اٹھانے والے کس وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں؟

جواب: نقصان اٹھانے والے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلاتے ہیں اس لیے ہدایت نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ کا راستہ گم کر کے نقصان اٹھاتے ہیں۔

﴿ وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ(46) ﴾

''اور اگر ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیں جو ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو اٹھا لیں تو ہماری ہی طرف انہیں لوٹنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس پر اچھی طرح گواہ ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔''(46)

سوال 1: ﴿ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ''اور اگر ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیں جو ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو اٹھا لیں تو ہماری ہی طرف انہیں لوٹنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس پر اچھی طرح گواہ ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ ﴾ ''اور اگر ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیں جو ان سے وعدہ کرتے ہیں'' مجاہد نے کہا کہ اگر ہم آپ ﷺ کی زندگی میں انہیں عذاب دکھا دیں گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: 1955/6) (2) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یوم بدر میں دکھایا۔ (تفسیر منیر: 203/6) (3) ﴿ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ﴾ ''یا ہم آپ کو اٹھا لیں'' یا ان کو عذاب دینے سے پہلے آپ ﷺ کو وفات دے دیں۔ (4) ﴿ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ﴾ ''تو ہماری ہی طرف انہیں لوٹنا ہے'' ہر حال میں انہیں اپنی موت کے بعد ہماری طرف لوٹنا ہے۔ (ایسر التفاسیر: 608) (5) یعنی ہم آپ ﷺ کو آخرت میں ان کا انجام دکھائیں گے۔ (تفسیر منیر: 203/6) (6) ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ اس پر اچھی طرح گواہ ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں'' یعنی دنیا کی زندگی میں جو کچھ یہ کر رہے ہیں آپ ﷺ ان کے بارے میں غم نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو محفوظ کر رکھا ہے جب کہ وہ بھول گئے ہیں۔ (7) اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر بدلتی نہیں۔ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے چاہے سزا رسول کی زندگی میں ملے یا وفات کے بعد۔ رسول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے پیغام پہنچانا ہے اس کے بعد فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا جو برحق ہے۔ (8) اس آیت کریمہ میں کافروں کے لیے سخت وعید اور

رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے جن کو ان کی قوم نے جھٹلا دیا اور ان سے عناد رکھا۔ (تفسیر سعدی:1143/2)

﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ(47)﴾

''اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے تو جب کسی امت کا رسول آجاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔'' (47)

سوال 1: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے تو جب کسی امت کا رسول آجاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ﴾ ''اور ہر امت کے لیے'' یعنی پچھلی امتوں میں سے ہر امت کے لیے۔ (2) ﴿رَّسُوْلٌ﴾ ایک رسول بھیجا گیا جو انہیں دین کی، خیر اور بھلائی کی، سیدھے راستے کی دعوت دیتا رہا۔ (3) ﴿فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ﴾ ''تو جب کسی امت کا رسول آجاتا ہے'' یعنی جب رسول ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی آیات کو لے کر آتے۔ (4) ﴿قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ ''تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے'' یعنی رسول کے پیغام پہنچانے کے بعد کچھ لوگ تصدیق کرتے اور دوسرے لوگ جھٹلا دیتے پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان انصاف کرتا رسول اور ایمان لانے والوں کو نجات دیتا اور کافروں کو ہلاک کر دیتا۔ (5) ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا'' یعنی بغیر گناہ کے انہیں عذاب نہیں دیا گیا اور بغیر حجت کے انہیں پکڑا نہیں گیا۔ (قرطبی:209/4) (6) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیجیں۔ (بنی اسرائیل:15) (7) رسول آنے کے بعد قیامت کے دن لوگوں کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔ ﴿وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور انبیاء اور گواہوں کو لایا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الزمر:69) (8) اللہ تعالیٰ نے گزشتہ قوموں کی مشابہت سے روکا ہے کہ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ عذاب دیر سے آئے گا اور ان کے دیکھتے دیکھتے عذاب نازل ہو جائے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ رسول کو بھیج کر کیسے حجت تمام کرتے ہیں؟

جواب: (1) رسول آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے کہ جب تک رسول پیغام نہیں پہنچا دیتا اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں آتا۔ (2) ہر قوم کو صرف اس وقت تک مہلت ملتی ہے جب تک رسول نہیں آجاتا۔ (3) جب رسول اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ قوم کا معاملہ چکا دیتا ہے اور ظلم نہیں کرتا۔

سوال 3: رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان کیسے لیتے ہیں؟

جواب: رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے پہلے کون اللہ تعالیٰ کے نمائندے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو بن دیکھے اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتے ہیں وہ اس امتحان میں کامیاب ہو کر جنت میں پہنچتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتا وہ جہنم میں پہنچتا ہے۔

﴿ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ(48) ﴾

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟'' (48)

سوال 1: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں'' یعنی مشرک رسول اللہ اور ان کے اصحاب سے کہتے ہیں۔ (2) ﴿ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ﴾ ''یہ وعدہ کب پورا ہوگا'' یعنی قیامت کے دن کے عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ یہ سوال جھٹلانے کے لیے کرتے تھے کیونکہ اسے بعید خیال کرتے تھے اور جھٹلاتے تھے۔ (3) ﴿ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ''اگر تم سچے ہو؟'' یہ ان کی طرف سے ظلم کا رویہ ہے کہ وہ نبی ﷺ سے اس کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ نبی کے اختیار میں تو صرف پہنچا دینا ہے۔ جہاں تک حساب کتاب اور عذاب کا معاملہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جب مدت پوری ہو جائے گی تو گھڑی بھر کی تاخیر بھی نہیں ہوگی اس لیے جھٹلانے سے بچیں۔

سوال 2: لوگ عذاب کا وعدہ پورا کرنے کے لیے چیلنج کیوں دیتے ہیں؟

جواب: لوگ دنیا میں اپنے آپ کو خود مختار پاتے ہیں انہیں یوں لگتا ہے کوئی دیکھنے والا، کوئی پکڑنے اور سزا دینے والا نہیں یہ صورت حال انسانوں کو سرکش بنا دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا جب برے انجام سے ڈراتا ہے تو مذاق اڑا کر یہ کہا جاتا ہے کہ اس عذاب کی دھمکی کب پوری ہوگی۔

﴿ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ(49) ﴾

''کہہ دو میں اپنی جان کے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے، ہر امت کے لیے ایک وقت ہے جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں۔'' (49)

سوال 1: ﴿ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ ''کہہ دو میں اپنی جان کے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ

تعالیٰ چاہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِیۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ﴾ '' کہہ دو میں اپنی جان کے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں'' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ انہیں بتا دیں۔ (2) ﴿ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِیۡ ضَرًّا ﴾ '' کہہ دو میں اپنی جان کے لیے نقصان کا مالک نہیں''، یعنی میں اپنے سے نقصان کو دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ (3) ﴿ وَّلَا نَفۡعًا ﴾ '' اور نہ نفع کا''، یعنی میں اپنی ذات کو بھی نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔ (4) ﴿ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ﴾ '' مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے''، یعنی اللہ تعالیٰ ہی نفع ونقصان پر قادر ہے۔ (5) امام شوکانی نے لکھا ہے کہ یہ آیت صریح دلیل ہے کہ کسی مصیبت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا شرک اکبر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسری ذات اس پر قادر نہیں ہے، چاہے وہ کوئی نبی ہو یا ولی ہو یا کوئی نیک بندہ۔ (تیسیر الرحمٰن: 616/1)

سوال 2: ﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴾ '' ہر امت کے لیے ایک وقت ہے جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ﴾ '' ہر امت کے لیے ایک وقت ہے''، ہر امت کے لیے ہلاکت کا وقت معین ہے۔ (ایسر التفاسیر: 608) (2) یعنی ماضی کی امتوں کی ہلاکت کا وقت مقرر تھا۔ (3) ﴿ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ ﴾ '' جب ان کا وقت آ جاتا ہے''، یعنی جب ان کی مدت پوری ہوگئی۔ (4) ﴿ فَلَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً ﴾ '' تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہتے ہیں'' تو وہ اپنی اجل سے ایک گھڑی پیچھے نہ ہو پائے۔ (5) ﴿ وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴾ '' اور نہ آگے بڑھتے ہیں''، اور نہ اس سے ایک گھڑی آگے بڑھ پائے تو کیا اس عذاب کے لیے آپ جلدی مچاتے ہو؟ (6) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱﴾ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو ہرگز مہلت نہیں دے گا جب اس کی مقررہ مدت آ جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ (المومنون: 43) (7) ہر قوم کے لیے ایک مدت مقرر ہے۔ قوموں کا اٹھنا اور بیٹھنا اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ہوتا ہے۔ جب کسی قوم کا وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی کی تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔ قوموں کا عروج وزوال نہ اتفاقی ہے نہ بے مقصد نہ ظلم کے طور پر۔

سوال 3: یہ بات کیا ثابت کرنے کے لیے کہی گئی ہے کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا مالک بھی نہیں ہوں؟

جواب: (1) یہ بات اس کو ثابت کرنے کے لیے کہی گئی ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ (2) یہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے جب چاہے عذاب لے آئے نبی ﷺ کا بھی اختیار نہیں ہے۔

﴿ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَتٰىكُمۡ عَذَابُهٗ بَیَاتًا اَوۡ نَهَارًا مَّاذَا یَسۡتَعۡجِلُ مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ (50) ﴾

آپ کہہ دو کیا تم نے دیکھا اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو آ جائے؟ اس میں سے کون سی چیز مجرم جلدی مانگیں گے؟ (50)

سوال 1: ﴿ **قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ** ﴾ ''آپ کہہ دو کیا تم نے دیکھا اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو آجائے؟ اس میں سے کون سی چیز مجرم جلدی مانگیں گے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **قُلْ أَرَأَيْتُمْ** ﴾ ''آپ کہہ دو کیا تم نے دیکھا'' یعنی آپ انہیں کہہ دیں مجھے بتائیں۔ (2) ﴿ **إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا** ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر رات کو آجائے؟'' یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب رات کو سوتے میں آجائے۔ (3) ﴿ **أَوْ نَهَارًا** ﴾ ''یا دن کو'' یعنی تمہارے غافل ہونے کے وقت۔ (4) ﴿ **مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ** ﴾ ''اس میں سے کون سی چیز مجرم جلدی مانگیں گے؟'' یعنی مشرک کس چیز کی جلدی مچا رہے ہیں؟ کس چیز کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں؟ (5) عذاب کے لیے جلدی مچانے یا اس کی تاریخ معلوم کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

سوال 2: عذاب کے جلدی مطالبہ کے جوابات میں اللہ تعالیٰ نے کیسے شعوری طور پر جھنجھوڑا ہے؟

جواب: عذاب تو بس آہی چکا ہے وقت معلوم نہیں ہوسکتا ہے دن کو آجائے جب تم کام کر رہے ہو، یا رات کو جب تم غافل سو رہے ہو۔ نہ تم جاگتے ہوئے اس کو رد کر سکو اور سوتے ہوئے تو تم کر ہی نہیں سکتے۔ عذاب تو گویا آہی چکا ہے دیکھ لو کہ عذاب کے موقع پر تمہاری حالت کیا ہوگی۔

﴿ **أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ** (51) ﴾

کیا پھر جونہی عذاب واقع ہوگا، اس پر تم ایمان لاؤ گے؟ کیا اب! حالانکہ اس کو تم خود جلدی طلب کرتے تھے؟ (51)

سوال 1: ﴿ **أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ** ﴾ ''کیا پھر جونہی عذاب واقع ہوگا، اس پر تم ایمان لاؤ گے؟ کیا اب! حالانکہ اس کو تم خود جلدی طلب کرتے تھے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ** ﴾ ''کیا پھر جونہی عذاب واقع ہوگا'' یعنی کیا تم جھٹلانے کا سلسلہ جاری رکھو گے پھر جب تم پر عذاب نازل ہوگا تو تم ایمان لاؤ گے؟ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا کہ کافر عذاب دیکھ کر کہیں گے: ﴿ **رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ** ﴾ اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا چنانچہ ہمیں واپس بھیج دے ہم نیک عمل کریں گے بلاشبہ ہم یقین کرنے والے ہیں۔ (السجدہ: 12) کیا اس دن ایمان لانا تمہیں نفع دے گا؟ اس وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ **فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ** ﴾ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور ہم نے ان کا انکار کیا جسے ہم اس کے ساتھ شریک بناتے تھے۔ (غافر: 84) (2) ﴿ **آلْآنَ** ﴾ اب یعنی اس وقت زجر و توبیخ کے طور پر کہا جائے گا یعنی اب، اس عذاب کے وقت، اس شدت کی سختی کے وقت۔ (3) ﴿ **وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ** ﴾ ''حالانکہ اس کو تم خود جلدی طلب کرتے تھے؟'' یعنی اس عذاب کے لیے تم جلدی مچاتے تھے۔ (4) اپنے بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وقوع عذاب سے قبل اگر وہ اسے ماننے کی

کوشش کرتے ہیں تو وہ ان سے اپنی ناراضگی کو دور کر دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا عذاب واقع ہو جاتا ہے، تو کسی نفس کو اس کا ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دیتا، جیسا کہ فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب وہ ڈوبنے لگا، تو اس نے کہا: ﴿ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ میں ایمان لایا اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ (یونس:90) اس کو جواب دیا گیا: ﴿ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ کیا اب؟ حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ (یونس:91) (تفسیر سعدی: 1145,1144/2)

سوال 2: ﴿ آٰلْـٰٔنَ ﴾ کہہ کر کس چیز کی طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب: '' کیا اب بچنا چاہتے ہو'' یہ کہہ کر انسان کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو تم عذاب کے لیے جلدی مچا رہے تھے وہ تو آ گیا اور اب تم ایمان لا چکے مگر ایمان لانے کا کیا فائدہ۔

﴿ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (52) ﴾

'' پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھو، تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اس کا جو تم کماتے تھے۔'' (52)

سوال 1: ﴿ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴾ '' پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھو، تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اس کا جو تم کماتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ '' پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا'' یعنی جب قیامت کے دن ان مجرموں کو آگ میں داخل کیا جائے گا جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا یعنی شرک اور نافرمانی کے کام کیے۔ (2) جہنم کے داروغے ان سے کہیں گے۔ (3) ﴿ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ﴾ '' ہمیشگی کا عذاب چکھو'' ظالموں سے قیامت کے دن انہیں شرمسار کرنے کے لیے ڈانٹ کر کہا جائے گا اب عذاب کا مزہ چکھو۔ وہ عذاب جس میں تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو گے یعنی دردناک دائمی عذاب۔ (4) ﴿ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴾ '' تمہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اس کا جو تم کماتے تھے'' یعنی یہ تمہارے کفر کی، نافرمانیوں کی اور رسول کو جھٹلانے کی جزا ہے۔ وہی آگ ہے جسے تم نہیں مانتے تھے۔ اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے؟ (5) یہ اسی کی جزا ہے جو دنیا میں تم کہتے اور کرتے تھے۔ (تفسیر قاسمی: 43/9)

سوال 2: '' ہمیشگی کا عذاب چکھو'' کہہ کر انسان کے شعور کو اللہ تعالیٰ کہاں پہنچا دیتے ہیں؟

جواب: '' ہمیشگی کا عذاب چکھو'' کہہ کر اس انسان کو جو ابھی دنیا کے عذاب میں گرفتار ہوا تھا میدان حشر میں پہنچا دیا گیا۔ یوں انسان کو سرکشی کے انجام تک پہنچا کر شعوری طور پر اسے جھنجوڑا ہے کہ دیکھو سرکشی سے کہاں پہنچ جاؤ گے عقل سے فیصلہ کرو۔ کیا ہمیشگی کا عذاب قابل

برداشت ہے؟ یہ سرکشی کی کتنی بھاری قیمت ہے۔

﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَ رَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ ۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ(53) ﴾

''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ واقعی حق ہے؟ آپ فرمادیں کہ ہاں میرے رب کی قسم! یقیناً وہ حق ہے اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں۔''(53)

سوال 1: ﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ ''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ واقعی حق ہے؟ آپ فرمادیں کہ ہاں میرے رب کی قسم! یقیناً وہ حق ہے اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ ﴾ ''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں'' یعنی وہ ہدایت کے لیے، وضاحت اور تحقیق کے لیے نہیں بلکہ دشمنی اور تنقید کرتے ہوئے پوچھتے ہیں۔ (2) ﴿ اَحَقٌّ هُوَ ﴾ ''کیا وہ واقعی حق ہے'' یعنی کیا یہ سچ ہے یعنی ہمیشہ کا عذاب یا نبوت یا قرآن۔ (تفسیر قاسمی: 43/9) (3) یعنی کیا یہ سچ ہے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ملے گی جب سب کو دوبارہ زندہ کر کے جمع کیا جائے گا پھر ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ (4) ﴿ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ﴾ ''آپ فرمادیں کہ ہاں میرے رب کی قسم! یقیناً وہ حق ہے'' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ موت کے بعد کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کی صداقت پر قسم اٹھاتے ہوئے کہہ دیں کہ میرے رب کی قسم اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ قیامت ہم پر نہیں آئے گی، آپ کہہ دیں کہ کیوں نہیں! قسم ہے میرے عالم الغیب رب کی! وہ تم پر ضرور آئے گی اُس سے ذرہ برابر کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے نہ ہی آسمانوں میں اور نہ ہی زمین میں اور نہ ذرے سے چھوٹی اور نہ ہی اس سے بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے۔ (سبا: 3) (5) ﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے گمان کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے آپ کہہ دیجیے کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم نے کیا تمہیں ضرور بتایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ پر یہ بہت آسان ہے۔ (التغابن: 7) (6) ﴿ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ ''اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کو موت کے بعد دوبارہ زندگی دینے سے عاجز نہیں کر سکتے جس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا ایسے ہی دوبارہ تمہیں پیدا کرے گا اور تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ (تفسیر سعدی: 1145,1146/2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ اور تم نہ زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ ہی آسمان میں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ (العنکبوت: 22) (7) جب دنیا میں انسان دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا قانون حرکت میں نہیں آرہا تو وہ غافل ہو جاتا ہے مگر جب

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا تو انسان خودکو بے بس پا کر سب کچھ مان لے گا۔ جب سچائی سامنے آئے گی تو انسان سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

سوال 2: منکرین کے سوال پر کہ ''کیا یہ حق ہے''، رب کی قسم کھا کر کیوں یقین دلانے کی کوشش کی ہے جب کہ وہ رب کو نہیں مانتے؟

جواب: (1) جس رب کی طرف رسول بلاتا ہے وہ اس کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یہ بات منکرین بھی جانتے تھے۔ (2) یہ بات ہی اتنی سچی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

رکوع نمبر:11

﴿وَ لَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ(54)﴾

''اور اگر ہر نفس کے لیے جس نے ظلم کیا، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے وہ اس کو ضرور فدیہ میں دے دے گا اور وہ شرمندگی کو چھپائیں گے، جب وہ عذاب دیکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (54)

سوال 1: ﴿وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ﴾ ''اور اگر ہر نفس کے لیے جس نے ظلم کیا، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے وہ اس کو ضرور فدیہ میں دے دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ﴾ ''اور اگر ہر نفس کے لیے جس نے ظلم کیا ہو'' یعنی اگر ہر گناہ گار کے پاس جس نے ظلم کیا یعنی کفر، شرک، نافرمانی کے کام۔ (2) ﴿مَا فِي الْاَرْضِ﴾ ''وہ سب کچھ جو زمین میں ہے'' یعنی زمین کا سونا، چاندی، ہیرے جواہرات۔ (3) ﴿لَافْتَدَتْ بِهٖ﴾ ''وہ اس کو ضرور فدیہ میں دے دے گا'' اپنی جان چھڑانے کے لیے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے سب کچھ فدیے میں دے دے گا۔ (4) مگر یہ فدیہ دینا اس کے کسی کام نہ آئے گا، کیونکہ نفع ونقصان اور ثواب وعذاب تو نیک اور برے اعمال پر منحصر ہے۔ (تفسیر سعدی:1146/2) (5) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافروں کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اگر آپ کے پاس زمین بھر سونا ہو تو کیا اسے فدیے میں دے دو گے؟ فرمایا: تو وہ کہے گا: ہاں۔ فرمایا: تو وہ کہے گا: میں نے تمھیں جس چیز کا مکلّف بنایا تھا وہ اس سے بہت آسان تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ان کے لیے جہنم ہے جہاں یہ داخل ہوں گے اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:1956/6)

سوال 2: ﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ ''اور وہ شرمندگی کو چھپائیں گے، جب وہ عذاب دیکھیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) حشر کے میدان میں ظلم کرنے والے عذاب دیکھ کر دل ہی دل میں پچھتائیں گے کیونکہ ان کا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (2) وہ اپنے دلوں میں ایمان اور نیک اعمال چھوڑ دینے پر پچھتائیں گے۔ (ایسر التفاسیر:609,610)

سوال 3: ﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴾ ''اوران کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اوران پر ظلم نہیں کیا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ﴾ ''اوران کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا'' ان کے درمیان مکمل انصاف کیا جائے گا۔ (2) ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴾ ''اوران پر ظلم نہیں کیا جائے گا'' یعنی ان کے اعمال کے بارے میں ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے ان کے حساب میں کمی نہیں کی جائے گی، نہ ان کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:1956/6) (3) یعنی جوانہوں نے نہیں کیا اس پر انہیں پکڑا نہیں جائے گا۔ (ایسر التفاسیر:610)

سوال 4: کیا فدیہ قبول نہ ہونا انسانوں کے ساتھ انصاف ہوگا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کریں گے۔ جس انسان نے زندگی بھر سرکشی کی ہوگی اور مال بچایا ہوگا۔ حشر کے دن زمین میں جو کچھ موجود ہوگا قبول نہ ہوگا کیونکہ عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوگا۔ انسان کے بعد کچھ قبول نہ ہوگا۔ فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

﴿ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (55) ﴾

''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے، سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔''(55)

سوال 1: ﴿ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ ''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) آسمان وزمین کا مالک، بادشاہ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ (2) یعنی وہ ان کے درمیان حکم دینی اور حکم قدری کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور قیامت کے روز وہ حکم جزائی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کیسا مالک ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی ہر چیز کا مالک ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ ایسا مالک ہے جو اپنے وعدے کو شمار کر سکتا ہے لہٰذا حشر برپا ہوگا۔

سوال 3: ﴿ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ ''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَلَآ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ ﴾ ''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا وہ حق ہے اور پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ (2) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء سے ثواب کا اور اپنے دشمنوں سے عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (تفسیر وسیط: 550/1) (3) ﴿ وَّلٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴾ ''لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے'' یعنی لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اس کے وعدوں اور وعیدوں کو قبول نہیں کرتے۔ اسی لیے اس کے سامنے حاضری کی تیاری نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ (4) لوگوں کی اکثریت اس علم سے محروم رہتی ہے۔

﴿ ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ (56) ﴾

''وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' (56)

سوال 1: ﴿ ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴾ ''وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ﴾ ''وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے'' یعنی وہ زندگی اور موت میں تصرف کرتا ہے اور وہ ہر قسم کی تدبیر کرتا ہے اور تدبیر کائنات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ (تفسیر سعدی: 1146/2) (2) یعنی موت اور زندگی اس کے اختیار میں ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اسے معلوم ہے کہ جسم کے بکھرے ہوئے اجزاء کہاں ہیں اور کس کس روپ میں ہیں لہٰذا جب وہ چاہے انہیں جمع کرنے پر قادر ہے۔ تم سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ وہی تم کو تمہارے عملوں کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا۔ (مختصر ابن کثیر: 801/1) (3) ﴿ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴾ ''اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے'' اور قیامت کے دن جب تم اس کے سامنے حاضر ہو گے وہ تمہیں تمہارے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

﴿ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ مَّوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ ۬ۙ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ (57) ﴾

''اے لوگو! بلاشبہ تمہارے رب کی جانب سے تمہارے پاس عظیم نصیحت آ گئی ہے اور شفا ہے اس کے لیے جو دلوں میں ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔'' (57)

سوال 1: ﴿ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ مَّوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوۡرِ ۬ۙ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴾ ''اے لوگو! بلاشبہ

تمہارے رب کی جانب سے تمہارے پاس عظیم نصیحت آ گئی ہے اور شفا ہے اس کے لیے جو دلوں میں ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** ﴾''اے لوگو!'' اللہ رب العزت نے ساری انسانیت کو مخاطب کر کے قرآن مجید کی وہ صفات بیان کی ہیں جو بندوں کی ضرورت ہیں۔ان اوصاف کو بیان کر کے قرآن کریم کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دلائی ہے۔(2) اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے قبل توحید، نبوت، بعث اور جزا کے دلائل دینے کے بعد عرب وعجم کو ندا دی ہے۔(ایسر التفاسیر:610)(3)﴿ **قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** ﴾'' بلاشبہ تمہارے رب کی جانب سے تمہارے پاس عظیم نصیحت آ گئی ہے''یعنی تمہارے رب نے تمہیں نصیحت کی ہے اور تمہیں ان اعمال سے بچانے کے لیے ڈرایا ہے جو اس کی ناراضگی کا باعث بننے والے ہیں اور اس کے عذاب کا باعث بنتے ہیں۔اس نے اعمال کی خرابیوں اور ان کے اثرات اور نتائج سے آگاہ کر کے تمہیں بچایا ہے۔(3)﴿ **وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ** ﴾'' اور شفا ہے اس کے لیے جو دلوں میں ہے''(الف) کتاب دل کی بیماریوں کو دور کرتی ہے (ب) کتاب ذہن کے شکوک کو دور کرتی ہے۔(ج) کتاب دل ودماغ کے غلط تصورات کو نکالتی ہے۔(د) کتاب یقین کی دولت سے دلوں کو بھرتی ہے۔(4) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے سینے میں تکلیف ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ **وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ** ﴾یعنی قرآن شفاء ہے ان تمام بیماریوں کی جو سینوں میں ہوتی ہیں۔(روح المعانی از ابن مردویہ)(5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو تندرستی پیدا کرنے والی چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرلو۔شہد اور قرآن۔(ابن ماجہ:3452) (6) عبداللہ سے روایت ہے کہ قرآن میں دو شفاؤں کا ذکر ہے۔ایک قرآن اور دوسرے شہد۔قرآن اس کے لیے شفا ہے جو سینوں میں ہے اور شہد ہر بیماری کا علاج ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم:1957/6)(7) اور وہ یہی قرآن ہے جو امراض قلب، مثلاً امراض شہوات، جو شریعت کی اطاعت سے روکتے ہیں اور امراض شبہات، جو علم یقینی میں قادح ہیں۔۔۔کے لیے شفا ہے۔اس کتاب کریم کے اندر مواعظ، ترغیب وترہیب اور وعدہ وعید کے جو مضامین ہیں وہ بندے کے لیے رغبت ورہبت کے موجب ہیں۔جب آپ اس کتاب کریم میں بھلائی کی طرف رغبت، برائی سے ڈراور قرآن کے معانی میں بتکرار ایسا اسلوب پاتے ہیں، تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مراد کو نفس کی مراد پر مقدم رکھنے کی موجب بنتی ہے اور بندہ مومن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضا شہوت نفس سے زیادہ محبوب بن جاتی ہے۔اسی طرح اس کے اندر جو دلائل وبراہین ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے ذکر کیا ہے اور انہیں بہترین اسلوب میں بیان کیا ہے جو ایسے شبہات کو زائل کر دیتا ہے جو حق میں قادح ہیں اور اس کے ذریعے سے قلب یقین کے بلند ترین مراتب پر پہنچ جاتا ہے اور جب قلب اپنی بیماری سے صحت یاب ہو جاتا ہے اور وہ لباس عافیت کو زیب تن کر لیتا ہے، تو جوارح اس کی پیروی کرتے ہیں اس لئے کہ جوارح، دل کی درستی سے درست رہتے ہیں اگر دل فاسد ہو جاتا ہے تو جوارح بھی خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1147/2)(8)﴿ **وَهُدًى** ﴾یعنی حق اور خیر کے راستے کو باطل اور شر

کے راستے سے واضح کرنا۔(ایسر التفاسیر:610)(9)﴿ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾''اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے''پس ہدایت حق کے علم اور اس پر عمل کرنے کا نام ہے۔اور''رحمت''سے مراد وہ بھلائی،احسان اور دنیاوی واخروی ثواب ہے جو ہدایت یافتہ انسان کو حاصل ہوتا ہے۔تب معلوم ہوا کہ ہدایت جلیل ترین وسیلہ اور رحمت کامل ترین مقصود ومطلوب ہے۔اس کی طرف صرف اہل ایمان ہی کو راہ نمائی عطا ہوتی ہے اور اہل ایمان ہی رحمت سے نوازے جاتے ہیں۔جب بندہ مومن کو ہدایت حاصل ہوتی ہے اور اسے ہدایت سے جنم لینے والی رحمت سے نواز دیا جاتا ہے تو وہ سعادت،فلاح،نفع،کامیابی،فرحت اور سرور کے حصول میں کامیاب ہوجاتا ہے۔(تفسیر سعدی: 1147,1148/2)(10)سیدنا عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔''(مسلم:1897)(11)سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہدایت ہے اور روشنی ہے جس نے اس کو مضبوطی سے پکڑ رکھا وہ ہدایت پر قائم ہوگیا اور جس نے غفلت برتی وہ گمراہ ہوگیا اور زید بن ارقم کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ''اللہ تعالیٰ کی کتاب جو اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو اس کی پیروی کرے گا ہدایت پر ہوگا اور جو اسے چھوڑے گا گمراہ ہوجائے گا۔''(مسلم:6228)(12)قرآن مجید دلوں کے شکوک وشبہات کو دور کر کے انہیں اطمینان دیتا ہے۔قرآن مجید ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے مگر یہ انہیں کو نصیب ہوتی ہے جن کا اس قرآن پر اور اس کے احکامات پر یقین ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴾اور ہم اس قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور جو ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔(بنی اسرائیل:82)(13)﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴾آپ کہہ دیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں یہ(قرآن)ان کے لئے ہدایت اور شفا ہے،اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے یہ ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان کے حق میں اندھا پن ہے،یہی لوگ ہیں جنہیں دور کی جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔(فصلت: 44)

سوال2: قرآن مجید موعظہ''نصیحت''ہے۔وضاحت کریں؟

جواب:(1)قرآن مجید دلوں کو زندہ کرنے والی کتاب ہے۔اس میں واقعات ہیں،گزشتہ قوموں کے حالات ہیں جو ہر دور کے لوگوں کے لیے نصیحت بنتے ہیں۔(2)قرآن مجید سلامتی کا راستہ دکھاتا ہے۔گزشتہ اقوام میں سے جو لوگ سلامتی کے راستے پر چلے،ان انعام یافتہ لوگوں کی کامیابیوں اور اجر عظیم کے تذکرے سے بعد میں آنے والوں کے لیے سلامتی کے راستے پر چلنے کے لیے ان واقعات کو نصیحت کا سبب بناتا ہے۔اس اعتبار سے قرآن مجید موعظہ ہے۔(3)قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے غضب اور گمراہی سے بچانے والی راہ نما کتاب ہے۔اس میں مغضوب اور گمراہ لوگوں کے واقعات ہیں۔ان کے انجام کے تذکرے سے یہ بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

سوال3: قرآن مجید انسان کے لیے کب نصیحت بنتا ہے؟

جواب: (1) قرآن مجید انسان کے لیے تب نصیحت بنتا ہے جب وہ اس کو اپنے لیے نصیحت بنانے کا ارادہ کر لے۔ (2) جب انسان کی فکر درست ہو تو قرآن مجید نصیحت بنتا ہے۔

سوال4: قرآن مجید کس کے لیے نصیحت نہیں بنتا؟

جواب: جو انسان اپنے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو بگاڑ لیتا ہے قرآن مجید اس کے لیے نصیحت نہیں بنتا۔

﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ(58) ﴾

''آپ کہہ دیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، سو اسی کے ساتھ تو لازم ہے کہ وہ خوش ہوں، وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔'' (58)

سوال 1: ﴿ **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ** ﴾ ''آپ کہہ دیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، سو اسی کے ساتھ تو لازم ہے کہ وہ خوش ہوں، وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ** ﴾ ''آپ کہہ دیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے''، فضل سے مراد قرآن ہے جو سب سے بڑی نعمت، احسان اور اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا افضل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ **وَبِرَحْمَتِهٖ** یعنی دین، ایمان، اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کی محبت اور اس کی معرفت۔ (تفسیر سعدی:1148/2) (2) یعنی جو انہیں ایمان اور عمل صالح کی ہدایت ملی اور شرک اور نافرمانیوں سے اجتناب کی توفیق ملی وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ (ایسر التفاسیر:610) (3) صاحب مدارک التنزیل لکھتے ہیں کہ فضل اور رحمت سے کتاب اللہ اور دین اسلام مراد ہیں۔ (انوار البیان:707/2) (4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہیں اہل القرآن میں سے بنایا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:1959/6) (5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فضل قرآن اور اس کی رحمت قرآن ہے۔ (ابن ابی حاتم:1959/6) (6) ﴿ **فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا** ﴾ ''سو اسی کے ساتھ تو لازم ہے کہ وہ خوش ہوں''، یعنی علم اور تقویٰ کے بعد ایمان اور عمل صالح پر خوش ہوں اور خوشیاں منائیں۔ (ایسر التفاسیر:610) (7) اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت پر خوش ہونے کا صرف اس لئے حکم دیا ہے کہ یہ نفس کے انبساط، نشاط، اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے شکر، اس کی قوت، علم و ایمان میں شدید رغبت کا موجب اور علم و ایمان میں ازدیاد کا داعی ہے۔ یہ فرحت اور خوشی محمود ہے۔ اس کے برعکس دنیا کی شہوات ولذات اور باطل پر خوش ہونا مذموم ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قارون کے بارے میں اس کی قوم کا قول نقل فرمایا ہے: ﴿ **لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ** ﴾ خوشی میں اتراؤمت! اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (القصص:76) اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو اپنے اس باطل پر اتراتے تھے

جوانبیاء ورسل کی لائی ہوئی وحی کے متناقض تھا۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ پھر جب ان کے رسول ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اپنے علم پر خوش ہو رہے جو ان کے پاس تھا۔ (مومن:83) (تفسیر سعدی:1148/2) (8) ﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ ’’وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں‘‘ یعنی یہ قرآن مجید اس فانی دنیا اور اس کے برے اثرات سے جن کی انسان طاقت نہیں رکھتا ان سب سے بہتر ہے۔ (ایسر التفاسیر:611,610) (9) عقبہ بن ولید صفوان بن عمرو سے روایت کرتے ہیں۔ میں نے ابن عبداللہ الکلاعی کو یہ کہتے سنا جب عراق کا خراج سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے آزاد کردہ غلام نکلے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹ گننا شروع کر دیے جب وہ گنے تو وہ زیادہ تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الحمد للہ۔ ان کے مولیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے جھوٹ بولا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت وہ نہیں ہے جو تم کہتے ہو وہ تو: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ ۔۔۔ ہے۔ ابن ابی حاتم اور طبرانی میں ہے کہ جب عراق فتح ہو گیا اور وہاں سے خراج دربار فاروق میں پہنچا تو آپ نے اونٹوں کی گنتی کرانا چاہی لیکن وہ بے شمار تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اسی آیت کی تلاوت کی۔ (ابن کثیر:58/2) (10) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔‘‘ (مسلم:1897) (11) سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’سنو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو اللہ تعالیٰ کی رسی ہے۔ جو اس کی پیروی کرے گا ہدایت پر ہوگا اور جو اسے چھوڑے گا گمراہ ہو جائے گا۔‘‘ (مسلم:6228)

سوال 2: قرآن مجید کے نزول پر انسان کو کیوں خوشیاں منانی چاہیں؟

جواب: (1) قرآن مجید کا نزول اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہے اس پر انسان کو خوشیاں منانی چاہئیں۔ (2) قرآن مجید انسان کو دنیا کی آلودگیوں اور زوال پذیر چیزوں کی محبت سے نکالتا ہے اس پر خوشیاں منانی چاہئیں۔ (3) قرآن مجید انسان کو دنیا کی پرستش اور غلامی سے آزاد کرواتا ہے اس پر خوشیاں منانی چاہئیں۔ (4) قرآن مجید انسان کا ذہنی افق وسیع کر دیتا ہے اس پر خوشیاں منانی چاہئیں۔ (5) قرآن مجید انسانی معاشرے کو اعلیٰ اقدار دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے جو دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (59)﴾

’’آپ کہہ دیں کہ تمہارا کیا خیال ہے جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اتارا ہے تم نے اس میں سے خود ہی کچھ حرام اور کچھ حلال بنا لیا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس کی اجازت دی ہے؟ یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو؟‘‘ (59)

سوال 1: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ﴾ '' آپ کہہ دیں کہ تمہارا کیا خیال ہے جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اتارا ہے تم نے اس میں سے خود ہی کچھ حرام اور کچھ حلال بنالیا ہے؟''

جواب: (1) مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانے اور حرام کو حلال کرنے کے لیے جو قانون بنائے تھے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ ﴾ '' آپ کہہ دیں کہ تمہارا کیا خیال ہے جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اتارا ہے''یعنی جانوروں، نباتات، کھانوں اور کھیتوں کی مختلف قسموں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے رزق اور رحمت بنایا ہے۔ (2) رزق سے عموماً کھانے پینے کی چیزیں ہی مراد لیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ وسیع مفہوم تک استعمال ہوتا ہے مثلاً آپ ﷺ یہ دعا مانگتے تھے۔ '' اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عِلْمًا نَافِعًا '' (یا اللہ مجھے نفع دینے والا علم عطا فرما) اسی طرح ایک مشہور دعا ہے۔ '' اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ '' اس پہلی دعا میں رزق کا لفظ عطا کرنے یا عطیہ کے معنوں میں آتا ہے۔ اور دوسری دعا میں توفیق عطا کرنے کے معنوں میں اور اصل یہ ہے کہ ہر چیز جو انسان کی جسمانی یا روحانی تربیت میں کوئی ضرورت پوری کرتی ہو وہ رزق ہے چنانچہ ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ یہاں بھی رزق سے مراد صرف مال و دولت نہیں جس سے صدقہ فرضی یا نفلی ادا کیا جائے بلکہ اگر اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہے تو وہ بھی رزق ہے اور اسے بھی خرچ کیا جائے یعنی دوسروں کو سکھایا جائے اور اگر صحت عطا کی ہے تو کمزوروں کی مدد کر کے صحت سے صدقہ ادا کیا جائے گا۔ (تیسیر القرآن: 308,309/2) (3) ﴿ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ﴾ '' تم نے اس میں سے خود ہی کچھ حرام اور کچھ حلال بنالیا ہے''یعنی تم بغیر کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہو۔ محض اپنی خواہشات اور اپنی رائے سے حلال و حرام بدلتے ہو۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں سے جو اس نے پیدا کیا کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے، پس انہوں نے اپنے خیال کے مطابق کہا، یہ اللہ تعالیٰ کا (حصہ) ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا (حصہ) ہے، چنانچہ جو ان کے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو وہ ان شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے، برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں! (الانعام: 136) (4) مسند احمد میں ہے سیدنا عوف بن مالک بن فضیلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت میری حالت یہ تھی کہ میلا کچیلا جسم بکھرے ہوئے بال، اونٹ، غلام گھوڑے بکریاں وغیرہ، غرض ہر قسم کا مال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تجھے سب کچھ دے رکھا ہے تو اس کا اثر بھی تیرے جسم پر ہونا چاہئے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیرے ہاں اونٹنیاں بچے دیتی ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا: وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں پھر تو اپنے ہاتھ میں چھری لے کر کسی کا کان کاٹ کے اس کا نام بحیرہ رکھ لیتا ہے کسی کی کھال کاٹ کر حرام نام رکھ لیتا ہے پھر اسے اپنے اوپر اور اپنے والوں پر حرام سمجھ لیتا ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سن اللہ تعالیٰ نے تجھے جو مال دیا ہے وہ حلال ہے۔ (ابن کثیر: 441/2)

سوال 2: ﴿ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴾ ’’آپ کہہ دیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس کی اجازت دی ہے؟ یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ ﴾ ’’آپ کہہ دیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس کی اجازت دی ہے؟‘‘ یعنی تم یہ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بحیرہ، سائبہ، وسیلہ، حام کا حکم نہیں دیا۔ (2) ﴿ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴾ ’’یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو؟‘‘ یعنی غور کرو حلال وحرام کو اپنی رائے سے بدل کر تم اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرتے ہو۔

﴿ وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ (60) ﴾

’’اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں قیامت کے دن کے بارے میں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔‘‘ (60)

سوال 1: ﴿ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ’’اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں قیامت کے دن کے بارے میں؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ’’اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں قیامت کے دن کے بارے میں؟‘‘ یعنی جب قیامت کے دن وہ لوٹ کر رب العزت کے پاس جائیں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ﴾ اور قیامت کے دن آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (الزمر:60)

سوال 2: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑے فضل وکرم والا ہے اس لیے دنیا میں مہلت دیتا ہے اور یہ بھی اس کا فضل ہے کہ اس نے مفید اشیاء کو حلال اور نقصان دہ چیزوں کو حرام کیا ہے۔ (2) ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ ’’لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ٹھکرا کر اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو تنگی میں ڈالتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال کرتے ہیں۔ (3) اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف نہیں کرتے۔ (4) قلیل لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی فرماں برداری کے کاموں میں استعمال

کرتے ہیں۔(5)اس آیت کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ کھانے والی تمام اشیاء میں اصل حلت ہے جب تک کہ اس کی حرمت پر شرعی حکم وارد نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پرنکیر فرمائی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس رزق کوحرام قرار دے دیا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نازل کیا۔(تفسیر سعدی:1149/2)(6) نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کا ہر موقع پر شکرادا کرتے تھے۔آپ ﷺ کی امت کا نام حمادون اسی لیے ہے کہ وہ بھی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے والے ہیں اور قیامت کے دن لواء الحمد اللہ تعالیٰ کی حمد کا جھنڈا بھی نبی ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا۔یا اللہ ہمیں ان قلیل لوگوں میں شامل فرمالینا جوآپ کا شکرادا کرتے ہیں۔

سوال3:''ان کا کیا گمان ہے کہ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا'' یہ سوال انسان کے شعور پر کیسا اثر ڈالتا ہے؟

جواب: یہ سوال اتنا خوف ناک ہے کہ سخت سے سخت دل انسان کا دل بھی پگھلا دیتا ہے۔

سوال4: انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر کا جذبہ کب ابھرتا ہے؟

جواب: انسان جب اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھے۔اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کرے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا شکرابھرتا ہے۔شیطان کوشش کرتا ہے کہ رزق کو استعمال کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی یاد نہ آئے تا کہ انسان ناشکرا بن جائے۔

رکوع نمبر:12

﴿ وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَ لَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ(61) ﴾

''اورآپ کسی حال میں نہیں ہوتے اور نہ آپ اس کی طرف سے قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہیں اور نہ کوئی عمل کرتے ہیں مگر ہم تمہارے اوپر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو اورآپ کے رب سے نہ کوئی ذرہ برابر چیز زمین میں غائب ہوتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے۔''(61)

سوال1:﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ﴾''اورآپ کسی حال میں نہیں ہوتے اور نہ آپ اس کی طرف سے قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہیں اور نہ کوئی عمل کرتے ہیں مگر ہم تمہارے اوپر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے عام مشاہدے کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اورآپ ﷺ کی امت کی ہر حالت

سے آگاہ ہے۔(2)﴿ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ ﴾ ”اور آپ کسی حال میں نہیں ہوتے“ یعنی آپ ﷺ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر وقت آپ ﷺ کے حالات سے خبردار رہتا ہے۔(3) اللہ تعالیٰ کے علم سے اس کائنات کی چھوٹی بڑی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔(4) اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا اندراج روشن کتاب میں ہوتا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴾ اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا، اور وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں گرتا اور نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر سب کھلی کتاب میں ہے۔(الانعام:59)(5) اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کی ہر حرکت اور ہر حالت سے باخبر ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴾ زمین میں چلنے والا کوئی جان دار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ ایک واضح کتاب میں ہے۔(ہود:6)(6) اس ضمن میں اللہ تعالیٰ انہیں دائمی مراقبے کی دعوت دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:1150/2)(7)﴿ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ ﴾ ”اور نہ آپ اس کی طرف سے قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہیں“ یعنی آپ ﷺ کی طرف جو وحی کی گئی اس قرآن میں سے آپ جو کچھ تلاوت کرتے ہیں۔(8)﴿ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ ﴾ ”اور نہ کوئی عمل کرتے ہیں“ یعنی کوئی بھی عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔(9)﴿ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ﴾ ”مگر ہم تمہارے اوپر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو“ یعنی تمہارے کام شروع کرنے اور اس کام میں تمہارے استمرار کے وقت، لہٰذا اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی نگہبانی کو مدنظر رکھو اور تمام اعمال کو خیر خواہی اور خوب کوشش سے بجالاؤ۔ جو امور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ان سے بچو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام باطنی اور ظاہری امور سے آگاہ ہے۔(تفسیر سعدی:1150/2)

سوال2: اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا احساس انسان پر کیسے اثرات مرتب کرتا ہے؟

جواب: (1) یہ شعور امید افزا بھی ہے اور خوف ناک بھی۔ امید افزا ایسے ہے کہ اللہ تعالیٰ چھوٹے ذرے کو بھی تنہا نہیں چھوڑتا اس کی تدبیر کرتا ہے تو انسان کو کیسے تنہا چھوڑ سکتا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا احساس خوف ناک اس لحاظ سے ہے کہ انسان کے دل کے احساسات، زبان پر آنے والی بات، دوسروں سے معلومات کچھ بھی اس سے چھپا نہیں۔ اس کی نگاہوں کا احساس انسان کو الرٹ رکھتا ہے۔(3) انسان ڈرتے ڈرتے اللہ تعالیٰ سے امید باندھ لیتا ہے۔

سوال3: ایک داعی پر اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا احساس کس طرح سے اثر کرتا ہے؟

جواب: (1) داعی یہ محسوس کرتا ہے کہ نہ تلاوت کرنا اس سے چھپ سکتا ہے، نہ دعوت دینا، نہ عمل کرنا، ہر عمل اس کے سامنے حاضر ہے یہ احساس داعی کی دعوت کو مؤثر بنا دیتا ہے۔(2) انسان کا شعور اس کائنات کے ذروں کے بارے میں محسوس کرتا ہے کہ ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ کے

علم میں ہے، ہر چیز کی نگہبانی ہو رہی ہے یہ سوچتے ہی اس کے دل پر خوف بھی چھا جاتا ہے لیکن وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہیں پھر امید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ کے لیے دعائیں کرتا ہے اس کے شعور میں انس بھی ہے اطمینان بھی یہ اللہ تعالیٰ اور دعوت الی اللہ دینے والے کا تعلق ہے۔

سوال 4: ﴿ **وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ** ﴾ ''اور آپ کے رب سے نہ کوئی ذرہ برابر چیز زمین میں غائب ہوتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ** ﴾ ''اور آپ کے رب سے نہ غائب ہوتی ہے'' یعنی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ ہر چیز اس کے علم، اس کی سماعت، اس کی بصارت اور اس کے مشاہدے کے اندر ہے۔ (2) ﴿ **مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ** ﴾ ''نہ کوئی ذرہ برابر چیز زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ذرہ برابر اور اس سے بڑی چھوٹی چیزوں کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔ اس نے ہر چیز کو قلم سے تحریر کروا رکھا ہے۔ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے باہر نہیں۔ (3) اس کا علم تمام اشیاء کا احاطہ کرنے والا ہے اور اس کی تقدیر تمام وقوع پذیر ہونے والے امور کا احاطہ کرنے والی ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ **أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذٰلِكَ فِي كِتٰبٍ ۗ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ** ﴾ کیا آپ نہیں جانتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے؟ یقیناً یہ سب ایک کتاب میں ہے، یقیناً یہ اللہ تعالیٰ پر بہت ہی آسان ہے۔ (الحج:70)

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (62) ﴾

''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔'' (62)

سوال 1: ﴿ **أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ** ﴾ ''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پسندیدہ افراد، ان کی صفات اور اعمال اور ان کے ثواب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ **أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ** ﴾ ''سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ خوف ہے'' یعنی حشر کے میدان میں جو خوفناک حالات ہوں گے وہاں اولیاء اللہ کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (2) ولی کے لغوی معنی قریبی ہیں اور اولیاء اللہ سے مراد خالص مومن ہیں گویا کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اپنی اطاعت اور نافرمانی سے اجتناب کی وجہ سے قریب ہیں۔ (فتح القدیر:571/2) (3) اولیاء اللہ کے لیے ایمان اور تقویٰ کی شرط ہے۔ تقویٰ

والا مومن ہی اللہ تعالیٰ کا ولی ہوسکتا ہے اور بے ایمان و غیر پارسا ولی نہیں ہوسکتا اگرچہ ولایت کا دعویٰ کرتا ہو۔ (مختصر ابن کثیر: 803/1) (4) سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جن کا چہرہ دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔ (مسند بزار) (5) علماء نے لکھا ہے کہ ولایت کی ایک نشانی یہ ہے کہ ولی مستجاب الدعوت ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ (تیسیر الرحمٰن: 619/1) (6) ابن جریر میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جن پر انبیا اور شہداء بھی رشک کریں گے تو لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ ہمیں بتائیے تاکہ ہم بھی ان سے الفت و محبت رکھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں، مالی فائدے کی وجہ سے نہ رشتہ داری اور نسب کی بناء پر۔ صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی وجہ۔ سے ان کے چہرے نورانی ہوں گے، سب کو ڈر خوف ہوگا لیکن یہ بالکل بے خوف اور محض نڈر ہوں گے، جب لوگ غمزدہ ہوں گے یہ بے غم ہوں گے پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (ابن کثیر: 444/2) (7) ﴿ **وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** ﴾ اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے'' اولیاء اللہ کو اپنے گذشتہ اعمال پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ **لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ** ﴾ انہیں بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی اور فرشتے ان کے استقبال کو آئیں گے یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔ (الانبیاء: 103) (8) صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ارشاد خداوندی ہے جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ اور بندہ میرا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کے ذریعے حاصل کرتا ہے نیز بندہ نفلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (یعنی میری توفیق سے اس کے اعضاء و جوارح میری مرضی کے مطابق کام کرنے لگ جاتے ہیں)'' (انوار البیان: 711/2)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے ڈرنے کا مقام کیوں نہیں ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو خوف لاحق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے لیے دنیا و آخرت میں خوش خبریاں ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی حمایت ہے اس لیے ان کو خوف کیسے لاحق ہوسکتا ہے۔

﴿ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ (63)** ﴾

''جو لوگ ایمان لائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔'' (63)

سوال1: ﴿ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ** ﴾ ''جولوگ ایمان لائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔ (2) ﴿ **وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ** ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے'' یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی فرماں برداری کی اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کے نواہی سے اجتناب کیا اور اپنے ایمان کے دعوے کو سچ ثابت کیا۔ (3) نبی ﷺ نے فرمایا: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اعبد الناس کہ تو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچ، ایسا کرنے سے تو دوسروں سے بڑھ کر عبادت گزار ہو گا۔ (مشکوۃ المصابیح: 440) (4) تقویٰ دراصل سنت کی اتباع کے ساتھ آتا ہے اور اتباع کرنے والا ہی اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین حضرات نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبی ﷺ سے کیا مقابلہ! آپ ﷺ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر نبی ﷺ تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے ہی یہی باتیں کہی ہیں؟ سن لو اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اللہ رب العالمین سے تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، میں تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں، رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ جس نے میرے طریقے سے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔'' (بخاری: 5063) (5) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو نبی ہوں گے نہ شہید، مگر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں (بلند) مراتب و منازل کی وجہ سے انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں بتائیں، وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو آپس میں اللہ تعالیٰ کی کتاب (یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت) کی بنا پر محبت کرتے تھے۔ حالانکہ ان کا آپس میں کوئی رشتہ ناتا یا مالی لین دین نہ تھا۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ لوگ نور پر ہوں گے۔ جب لوگ خوف زدہ ہو رہے ہوں گے، تو انہیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ جب لوگ غمگین و پریشان ہو رہے ہوں گے، تو انہیں کوئی غم اور پریشانی نہ ہو گی۔'' آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''الا ان اولیاء اللہ لاخوف'' آگاہ رہو! اللہ تعالیٰ کے ولیوں کو کوئی خوف ہو گا، نہ وہ غم کھائیں گے۔'' (سنن ابی داؤد: 3527) (مسند ابی یعلیٰ: 6110) (نسائی: 11236)

سوال2: ایمان لانے کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: ایمان دل کا یقین ہے جس کی تصدیق انسان کا عمل کرتا ہے۔ اور عمل سے مراد ان باتوں سے رکنا جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور وہ کام کرنا جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اپنے اعمال میں محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنا۔

﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ(64) ﴾

’’ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘(64)

سوال1: ﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ ’’ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى ﴾ ان کے لیے قرآن کریم میں جنت کی بشارت ہے اور موت کے وقت اور سچے خوابوں سے جو وہ دیکھتا ہے یا آپ ان کے لیے خواب دیکھو۔(ایسر التفاسیر:612) (2) ﴿ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ’’دنیا کی زندگی میں بھی‘‘ دنیا میں بشارت سے مراد اچھا تذکرہ، ایمان والوں کے دلوں میں محبت، سچے خواب، اعمال صالح اور اخلاق کے راستوں کا آسان ہونا اور بندے کو اخلاقی خرابیوں سے پاک کرنا۔ (3) ﴿ وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ ’’اور آخرت میں بھی‘‘ آخرت کی بشارتوں میں سے پہلی بشارت موت کے وقت دی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے پھر وہ ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔(حم السجدۃ:30) دوسری قبر میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ہمیشہ رہنے والی جنتوں کی نعمتوں کو اور تیسری قیامت کے دن عذاب سے نجات اور جنت میں داخلے کی۔ (4) اولیاء کے لیے دنیا والی زندگی میں اور آخرت میں بشارت ہے، اس بشارت سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس بشارت سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی بات کا سوال کیا ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی دریافت نہیں کی۔ پھر فرمایا کہ اس سے اچھی خوابیں مراد ہیں جنہیں آدمی خود دیکھ لے یا اس کے لیے دیکھ لی جائے۔ (مسند احمد:315/5) (تفسیر انوار البیان:713/2) (5) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ارشاد فرمایئے ایک شخص کوئی خیر کا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں (اس کی وجہ سے اس کا ثواب ختم تو نہیں ہو جاتا جب کہ اس نے وہ عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ تو مومن کے لیے ایک بشارت ہے جو اسی دنیا میں اسے مل گئی۔ (مسلم:332/2) (6) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو ایک طویل حدیث اور مابعد الموت کے احوال کے بارے میں مروی ہے اس میں موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی بشارت کا ذکر ہے نیز قبر میں بشارت دیے جانے کا ذکر بھی ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:142) (تفسیر انوار البیان:713/2)

سوال2: اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے دنیا و آخرت میں کیا خوش خبریاں ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے دنیا میں خوش خبریاں یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں، اس کی نگاہوں میں ہیں، اس کی نگرانی میں ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہے اور آخری فتح حق کو حاصل ہونے والی ہے۔

سوال 3: حق کی دعوت دینے والا کس ماحول میں اللہ تعالیٰ کی خوش خبریوں پر، آخرت کی کامیابی پر یقین کرتا ہے؟

جواب: (1) دعوت دینے والا مخالف ماحول میں اپنے آپ کو پوری طرح سے دعوتی عمل میں شامل کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اسے یقین آتا ہے۔ (2) حق کی دعوت دینے والا جب حق کے دلائل دیتا ہے۔ اس کے اپنے عزیز تک اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ معاشرے میں اس کے خلاف پروپیگنڈا ہوتا ہے مخالفانہ کاروائیاں ہوتی ہیں۔ جب مخالفین خود کو کامیاب سمجھتے ہیں تو مخالفین کے بے دلیل ہو جانے۔ داعی کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا یقین آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور دنیا میں امتحان ہے جلد ہی یہ صورت حال بدل جائے گی اور آخرت میں بے فکری سے زندگی گزارنے کا موقع ملے گا نہ وہاں غم ہوگا نہ پچھتاوے اور حسرتیں۔ سچی عزت ہوگی پاکیزہ زندگی اور رب کی رضا جو سب سے بڑی کامیابی ہے۔

سوال 4: ﴿لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں'' اللہ کی باتوں یعنی اللہ کے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے جو بشارتیں دی ہیں وہ سچی ہیں ان کے مطابق انعام دیا جائے گا۔ (انوار البیان: 713)
(2) اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے جس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں، کیونکہ وہ اپنے قول میں سچا ہے اور اس کی مقرر کی ہوئی قضاوقدر میں کوئی شخص اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ (تفسیر سعدی: 2/1152) ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ نہ میرے پاس بات بدلی جاتی ہے اور میں اپنے بندوں پر ہرگز ظلم ڈھانے والا نہیں ہوں'' (ق: 29) (3) اسی میں مومنوں کو جنت کی بشارت بھی شامل ہے۔
(4) ﴿ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ''یہی بہت بڑی کامیابی ہے'' کیونکہ یہ تمام محذورات سے نجات اور ہر محبوب چیز کے حصول میں ظفریابی پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ''فوز'' کو حصر کے ساتھ بیان کیا ہے، کیونکہ فوز و فلاح اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ بشارت ہر خیر و ثواب کو شامل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ایمان اور تقویٰ پر مرتب فرمایا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1152) (5) الفوز دوزخ سے نجات اور جنت میں داخلہ ہے۔ (ایسر التفاسیر: 612)

﴿وَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (65)﴾

''اوران کی بات آپ کوغم زدہ نہ کرے، یقیناً ساری کی ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(65)

سوال 1: ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ ''اوران کی بات آپ کوغم زدہ نہ کرے، یقیناً ساری کی ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ﴾ ''اوران کی بات آپ کوغم زدہ نہ کرے'' رب العزت نے اپنے پیغمبر کوتسلی دی ہے کہ جھٹلانے والوں کی باتیں آپ کوغم زدہ نہ کریں۔ (2) افتراپردازی کرنے والے مشرکوں کی باتیں آپ کوغمگین نہ کریں کہ لَستَ مُرسَلاً آپ ﷺ رسول نہیں ہو اور آپ ﷺ شاعر ہو، ان کی باتیں ان کے برے انجام اوران کی شکست کے لیے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:613) (3) ﴿إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ ''یقیناً ساری کی ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے'' آپ ﷺ کا رب قادر، قوت والا عنقریب انہیں شکست دے گا اوران کے خلاف آپ ﷺ کی مدد کرے گا۔ اس لیے اب اس پر صبر کرو جو وہ کہتے ہیں اور نہ افسوس کرو نہ غم۔ (ایسر التفاسیر:613) (4) جھٹلانے والوں کی باتیں آپ ﷺ کی عزت کم اوران کی زیادہ نہیں کرسکتیں۔ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ جوعزت کا ارادہ رکھتا ہوتو عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ (فاطر:10) (5) اللہ تعالیٰ جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کرتا ہے۔ (6) جسے عزت چاہیے اسے جان لینا چاہئے کہ عزت تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ حالانکہ عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافق جانتے نہیں ہیں۔ (المنافقون:8) (7) جوعزت کا طلب گار ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ذریعے عزت حاصل کرے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ اسی کی طرف پاکیزہ بات چڑھتی ہے اور نیک عمل اس کو بلند کرتا ہے۔ (فاطر:10)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کولوگوں کی باتوں سے کیوں غمزدہ نہیں ہونا چاہیے؟

جواب: (1) اس دنیا میں داعی اکیلا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا جو علیم بھی ہے سمیع بھی۔ اللہ تعالیٰ حق کے دشمنوں کی باتیں، سازشیں سنتا ہے ان سے باخبر ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بچانے کی تدابیر کرتا ہے۔

سوال 3: ﴿هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ''وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هُوَ السَّمِيْعُ﴾ ''وہ سب کچھ سننے والا ہے'' وہ اپنے بندوں کے تمام اقوال اوران کی آوازوں کو سنتا ہے۔ (2) ﴿الْعَلِيْمُ﴾ ''سب کچھ جاننے والا ہے'' وہ اپنے بندوں کے اعمال اور احوال کو جانتا ہے۔ اس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔ (ایسر التفاسیر:613) (3) یعنی اس کی سماعت نے تمام آوازوں کا احاطہ کررکھا ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے اور اس کا علم تمام ظاہری اور باطنی چیزوں پر محیط

ہے۔آسمانوں اورزمین میں،کوئی چھوٹی یابڑی ذرہ بھربھی چیزاس سے اوجھل نہیں۔وہ آپ کی بات سنتا ہےاورآپ کے بارے میں آپ کے دشمنوں کی باتیں بھی سنتا ہے اور پوری تفصیل کاعلم رکھتا ہے۔پس آپ اللہ تعالیٰ کے علم اور کفایت کوکافی سمجھئے۔اس لئے کہ جواللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہےاللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔(تفسیرسعدی:1153,1152/2)

﴿ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَا یَتَّبِعُ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَکَآءَ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ(66) ﴾

''سن لو!جوکچھ آسمانوں میں ہےاورجوکچھ زمین میں ہے یقیناًاللہ تعالیٰ کے لیے ہےاور جولوگ اللہ تعالیٰ کےسوادوسروں کوپکارتے ہیں وہ کسی قسم کےشریکوں کی پیروی نہیں کررہے،وہ گمان کےسواکسی کی پیروی نہیں کرتے اوروہ محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔''(66)

سوال1:﴿ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ ﴾''سن لو!جوکچھ آسمانوں میں ہےاورجوکچھ زمین میں ہے یقیناًاللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نےفرمایا کہ آسمانوں اورزمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے کی ہے۔وہی ساری کائنات کاخالق ہے،ہرچیز اس کی ملکیت میں ہے۔وہ جیسے چاہتا ہےاس میں تصرف کرتا ہے۔ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی غلام ہے،اس کی تقدیراورتدبیر کےتحت ہے۔کوئی مخلوق اس کی شریک نہیں ہوسکتی۔اللہ تعالیٰ کےسواعبادت کسی کاحق نہیں۔

سوال2:اس دنیامیں انسان کے لیےکون ساسوال پریشان کن رہا ہے؟

جواب:اس دنیامیں انسان کے لیے یہ سوال پریشان کن رہا ہے کہ زمین وآسمان کے پیچھےکون ہے جواس کوسنبھالے ہوئے ہے،جوخالق ہے،مالک ہے۔رازق ہے،مدبر ہے،وارث ہے۔

سوال3:زمین وآسمان کی اصل سچائی تک کیسے پہنچاجاسکتا ہے؟

جواب:(1)زمین وآسمان کی اصل سچائی تک محض قیاس اورگمان کی بنیادپرنہیں پہنچاجاسکتا جب کہ عام طورپرانسان گمان کے پیچھے بھاگتا ہے۔(2)زمین وآسمان کی اصل سچائی تک حقیقی علم یعنی وحی کے ذریعے پہنچاجاسکتا ہے جواللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہمارے لیےمحفوظ کردی ہےاس دنیامیں پیغمبر کادیاہواعلم ایسا ہےجس پرواقعی بھروسہ کیاجاسکتا ہے۔

سوال4:وحی کے ذریعے سے جوعلم پیغمبروں تک پہنچااس سےاس کائنات کی سب سے بڑی سچائی کے بارے میں کیاپتہ چلتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کے انتظامات کرتا ہے۔

سوال5: ﴿ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ﴾ ''اور جولوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ کسی قسم کے شریکوں کی پیروی نہیں کررہے، وہ گمان کے سوا کسی کی پیروی نہیں کرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ﴾ ''اور جولوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ کسی قسم کے شریکوں کی پیروی نہیں کررہے'' اللہ تعالیٰ کے سوا لوگ جن بتوں کو پکارتے ہیں، ان کی پرستش کرتے ہیں وہ بالکل بے بس ہیں۔ اپنے ذاتی نفع اور نقصان پر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ (2) شرکاء سے مراد جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک سمجھتے ہیں کہ وہ انہیں نفع پہنچاتے ہیں اور نقصان دے سکتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:613) (3) ﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ﴾ ''وہ گمان کے سوا کسی کی پیروی نہیں کرتے'' یعنی وہ گمان جو حق کے مقابلے میں کام نہیں آتا یہ سب اس کی پیروی کرنے والے ہیں۔ (4) ظن کمزور شک کو کہتے ہیں۔

سوال6: ﴿ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴾ ''اور وہ محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی وہ بتوں کی عبادت میں افتراپردازی کرتے ہیں۔ اگر سچے ہیں تو ایسے اوصاف سامنے لائیں جس کی وجہ سے ان کے عبادت کے حق کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔ وہ ایسے اوصاف سامنے نہیں لاسکتے کیونکہ بت نہ تخلیق کرسکتے ہیں، نہ رزق دے سکتے ہیں، نہ مخلوقات میں کسی چیز کے مالک ہوسکتے ہیں۔

﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ (67) ﴾

''وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا، اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے واقعتاً نشانیاں ہیں جو سنتے ہوں۔'' (67)

سوال1: ﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو'' یعنی رات کی تاریکی کی وجہ سے تم نیند اور سکون حاصل کرو۔ (2) رات سکون کی علامت ہے رات آتی ہے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ سرگرمیاں سست پڑ جاتی ہے ہر چیز سکون چاہتی ہے اور سکون کی چابی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چاہت ہے انسان پرسکون رہیں اس لیے اس نے را

ت بنائی ہے۔(3)اگرسورج کی روشنی ہمیشہ رہتی تو کبھی سکون نہ ملتا۔(4)﴿ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ﴾ ’’اوردن کوروشن بنایا‘‘ اللہ تعالیٰ نے دن کوروشن بنایا،تاکہ دن کی روشنی میں مخلوق دیکھ سکے،لوگ اپنی معاش اوراپنے دینی اوردنیاوی مصالح کے لیےچل پھرسکیں۔(5)دن سرگرمی کی حرکت کی علامت ہے۔دن آتاہےتو روشنی ہوجاتی ہے۔روشنی سے ہر چیز میں حرکت آجاتی ہے۔انسان حرکت چاہتاہےاورحرکت کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔اللہ تعالیٰ کی چاہت ہے کہ انسان حرکت کریں مختلف سرگرمیوں میں مصروف رہیں اس لیےاس نے دن بنایاہےتاکہ انسانی زندگی کی سرگرمیاں جاری رہیں۔(6)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴾اور ہم نے رات اوردن کو دونشانیاں بنایا پھرہم نے رات کی نشانی کو بےنورکردیااوردن کی نشانی کوروشن بنایاہےتاکہ تم اپنے رب کافضل تلاش کرسکواورتاکہ تم برسوں کی تعداداورحساب معلوم کرسکواور ہر چیز کوہم نے خوب کھول کر بیان کیاہے،خوب کھول کر بیان کرنا۔(بنی اسرائیل:12)(7)﴿ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴾اورہم نے تمہاری نیندکو باعث آرام بنایا۔اورہم نے رات کو پردہ پوش بنایا۔اورہم نے دن کوروزی کمانے کاوقت بنایا۔(النبا:11-9)

سوال2:﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴾ ’’اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے واقعتاً نشانیاں ہیں جو سنتے ہوں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ﴾ ’’اس میں یقیناًواقعتاً نشانیاں ہیں‘‘یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کوسکون اوردن کوروشن بنایااس میں نشانیاں ہیں۔(2)﴿ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴾ ’’ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہوں‘‘جوسمجھنے،قبول کرنے اوررشدوہدایت طلب کرنے کے لیے سنتے ہیں۔عناداورنکتہ چینی کے لئےنہیں سنتے۔اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں اوران نشانیوں سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلامعبوداور برحق ہےاوراس کےسواہرایک ہستی کی الوہیت باطل ہےاوریہ کہ وہی رؤف ورحیم اورعلم وحکمت والاہے۔(تفسیر سعدی:1154/2)

﴿ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ الْغَنِيُّ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ(68) ﴾

’’وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولادبنارکھی ہے،وہ پاک ہے،وہ بے پرواہے،اسی کاہے جوکچھ آسمانوں میں ہےاور جوکچھ زمین میں ہے،تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں،کیاتم اللہ تعالیٰ پروہ کہتے ہوجوتم جانتے ہی نہیں ہو؟‘‘(68)

سوال1:﴿ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴾ ’’وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولادبنارکھی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ''وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنارکھی ہے''مشرکوں نے کہا ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہود ونصاریٰ نے بھی اللہ تعالیٰ کی اولاد بنائی۔

سوال2: ﴿**سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِىُّ**﴾ ''وہ پاک ہے، وہ بے پرواہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿**سُبۡحٰنَهٗ**﴾ ''وہ پاک ہے''یعنی جولوگ اللہ تعالیٰ کی اولاد بناتے ہیں یا نقص منسوب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔(2)رب العزت نے فرمایا:﴿**تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا**﴾ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اورزمین شق ہوجائے اور پہاڑٹکڑے ٹکڑے ہوکرگر پڑیں۔کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیاہے۔ حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔(مریم:92-90)(3)اللہ تعالیٰ ارشادفرماتاہے:ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتاہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ کرنے پرقادرنہیں ہوں اوراس کا مجھے گالی دینایہ ہے کہ میرے لیے اولاد بتاتاہے،میری ذات اس سے پاک ہے کہ میں اپنے لیے بیوی یااولاد بناؤں''(بخاری:4482)(4)﴿**هُوَ الۡغَنِىُّ**﴾ ''وہ بے پرواہے''اللہ تعالیٰ کے پاک ہونے کی پہلی دلیل ہے یعنی غنا(بے نیازی)اسی میں منحصر ہے اورغنا کی تمام اقسام کا وہی مالک ہے۔وہ غنی ہے جو ہر پہلو، ہراعتبار اورلحاظ سے غنائے کامل کا مالک ہے۔جب وہ ہرلحاظ سے غنی ہے تب وہ کس لئے بیٹا بنائے گا؟ کیااس وجہ سے کہ وہ بیٹے کا محتاج ہے؟ یہ تواس کے غنااور بے نیازی کے منافی ہے۔کوئی شخص صرف اپنے غنامیں نقص کی بناپر بیٹا بناتاہے۔(تفسیر سعدی:1154/2)(5)غنی وہ ہے جوکسی کا محتاج نہیں ہوتا۔

سوال3: یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے کن معاشروں میں پھیلا ہے؟

جواب: (1)یہ عقیدہ ان معاشروں میں پھیلا ہے جن میں سوچنے سمجھنے کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔(2)یہ عقیدہ ان لوگوں میں پھیلا ہے جو باقی رہنے والے اللہ تعالیٰ اورفانی مخلوق کی فطرت کونہیں سمجھتے۔(3)یہ عقیدہ ان لوگوں میں پھیلا ہے جواللہ تعالیٰ کی سنت کونہیں سمجھتے۔(4)یہ عقیدہ ان لوگوں میں پھیلا ہے جواللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ نقص وابستہ کرنے کی حقیقت کونہیں سمجھتے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے اولاد کیوں نہیں ہوسکتی؟

جواب: (1)اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے اس میں کوئی نقص نہیں جبکہ اولاد کا سلسلہ مختصرزندگی کی کمیوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔(2)اللہ تعالیٰ زندہ وجاوید ہے اس کوکوئی کمزوری لاحق نہیں ہوتی اسے جانشین کی ضرورت نہیں ہے جب کہ اولاد ان کی ضرورت ہوتی ہے جنہیں اپنے مرنے کے بعد جانشینوں کی ضرورت ہوتی ہے۔(3)اللہ تعالیٰ کوکسی سہارے کی ضرورت نہیں جب کہ اولاد ان کی ضرورت ہوتی ہے جو جہدوجہد کرتے ہیں مقابلہ کرتے ہیں اوراولاد ان کے لیے سہارا بنتی ہے۔(4)اللہ تعالیٰ غنی ہے وہ ضرورت مندنہیں ہے۔ضرورت

مندوں کی ضرویات کو پورا کرتا ہے۔ جب کہ مال کی ضرورت اولاد کا تقاضا کرتی ہے۔ان وجوہات کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

سوال5: انسان اللہ تعالیٰ کی اولاد کیوں بناتا ہے؟

جواب: انسان اپنے آپ کو اولاد کا محتاج سمجھتا ہے اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر ایک اولاد کا محتاج ہے اس لیے انسان اللہ تعالیٰ کی اولاد بناتا ہے۔

سوال6: ﴿ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یہ دوسری دلیل ہے یعنی زمین وآسمان کی ساری مخلوقات اس کی ملکیت ہیں۔ساری مخلوق اس کے بندے اور غلام ہیں۔بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے۔اس لیے اس کی مخلوق اور اس کے مملوک اس کی اولاد نہیں ہوسکتی۔آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے اس لیے اس کی اولاد نہیں ہوسکتی۔

سوال7: ﴿ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ﴾ ''تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) تیسری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔﴿ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ﴾ یعنی تمہارے پاس تمہارے اس دعوی پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے۔اگر ان کے پاس کوئی دلیل ہوتی تو وہ اسے ضرور پیش کرتے۔جب انہیں دلیل پیش کرنے کے لیے کہا گیا اور وہ دلیل قائم کرنے سے عاجز آ گئے تو ان کے دعوے کا بطلان ثابت ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان کا قول بلاعلم ہے۔(تفسیر سعدی:1155/2) (2) رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴾ یہ (بت) کچھ نہیں سوائے چند ناموں کے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی نہیں وہ پیچھے چلتے مگر وہم وگمان کے اور جو ان کے دل چاہتے ہیں۔حالانکہ بلاشبہ یقیناً ان کے رب کی جناب سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔(النجم:23)

سوال8: ﴿ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''کیا تم اللہ تعالیٰ پر وہ کہتے ہو جو تم جانتے ہی نہیں ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''کیا تم اللہ تعالیٰ پر وہ کہتے ہو جو تم جانتے ہی نہیں ہو؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب کر کے جو کچھ تم کہتے ہو تم اس کا علم نہیں رکھتے اور علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا سب سے بڑا جرم ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ(69) ﴾

''آپ کہہ دیں یقیناً جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔'' (69)

سوال 1: ﴿ قُلۡ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴾ ’’ آپ کہہ دیں یقیناً جواللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قُلۡ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کوحکم دیا ہے کہ کافروں کی رسوائی اور خسارے کے لیے کہہ دیں۔(2) ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴾ ’’یقیناً جواللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے‘‘یعنی وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کرسکیں گے۔اللہ تعالیٰ ان کے کفر کی سزا میں انہیں سخت عذاب دے گا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَا ظَلَمَہُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنۡ اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان پرظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پرخودظلم کرتے ہیں۔(آل عمران:117)(3)اللہ رب العزت نے بہتان باندھنے والوں کوڈرایا ہے کہ انہیں نہ دنیا میں کامیابی نصیب ہوگی نہ آخرت میں۔

سوال 2: ’’اللہ تعالیٰ پرجھوٹ گھڑنے والے نہ دنیا میں کامیاب ہوسکتے ہیں نہ آخرت میں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ پرجھوٹ باندھنے والے اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہیں۔جواب دہی کے وقت انسان کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی ناکامی ہوگی اس لیے آخرت میں ناکام ہیں۔اللہ تعالیٰ پرجھوٹ باندھنے والے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ گراتے ہیں۔انسان کواس مقام سے گراکرحیوان بناتے ہیں۔اخلاقی اورروحانی اقدارکوپامال کرتے ہیں جس کے نتیجے میں نہ انسانیت کوبلندی ملتی ہے نہ انسانی معاشروں کواس راستے سے انسان دنیا میں بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔

﴿ مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ثُمَّ نُذِیۡقُہُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ (70) ﴾

’’دنیامیں تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ہماری ہی جانب انہیں لوٹنا ہے پھر ہم انہیں سخت عذاب چکھائیں گے اس وجہ سے جووہ کفرکرتے تھے۔‘‘(70)

سوال 1: ﴿ مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ثُمَّ نُذِیۡقُہُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ﴾ ’’دنیامیں تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ہماری ہی جانب انہیں لوٹنا ہے پھر ہم انہیں سخت عذاب چکھائیں گے اس وجہ سے جووہ کفرکرتے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا ﴾ ’’دنیامیں تھوڑا سا فائدہ ہے‘‘ دنیا کاتھوڑا سا فائدہ ہے وہ اپنی پہنچ تک فائدہ اٹھالیں۔(2) اللہ تعالیٰ جب کسی کودنیا میں ناکام کرتے ہیں توانہیں ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ آرام کی زندگی گزاریں اور کثرت سے گناہ کریں۔(3) ﴿ ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ﴾ ’’پھر ہماری ہی جانب انہیں لوٹنا ہے‘‘یعنی دنیا کی زندگی گزارکرلوٹ کرتو ہمارے ہی پاس آنا ہے۔(4) ﴿ ثُمَّ نُذِیۡقُہُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ ﴾ ’’پھر ہم انہیں سخت عذاب چکھائیں گے‘‘یعنی دنیا کے گناہوں کی پاداش میں آخرت کے عذابوں کے سب سے زیادہ حق دار ہوں گے۔(5) ﴿ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ﴾ ’’اس وجہ سے جووہ کفرکرتے تھے‘‘ اللہ تعالیٰ نے شدید عذاب کی وجہ بتائی ہے کہ وہ دنیا میں کفرکرتے تھے،اللہ

تعالیٰ کے کمال اور اس کے غنا کا انکار کرتے تھے اور اس کی طرف اولاد اور شرکاء کو منسوب کرتے تھے۔ (ایسر التفاسیر :615) (6) اللہ تعالیٰ کافروں کو کفر، شرک اور افترا پردازی کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔

سوال 2: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اولاد بناتے ہیں ان کے لیے کیا وعید ہے؟

جواب: (1) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اولاد بناتے ہیں ان کے لیے وعید ہے کہ دنیا کی زندگی کے مزے تھوڑے ہیں۔ (2) یہاں کی کامیابی ہمیشہ کی نہیں۔ (3) پھر ہماری طرف پلٹنا ہے جہاں دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

رکوع نمبر: 13

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ (71) ﴾

''اور آپ ان پر نوح کی خبر پڑھ دیں جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ میرا کھڑا ہونا اور میرا نصیحت کرنا تم پر بھاری گزر رہا ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے، سو تم اپنے معاملے کا اپنے شریکوں سمیت کوئی متفقہ فیصلہ کرو پھر تمہارا معاملہ تم پر چھپا نہ رہے پھر مجھ پر کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔'' (71)

سوال 1: ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ ﴾ ''اور آپ ان پر نوح کی خبر پڑھ دیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے۔ ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اور آپ پڑھ دیں ان پر'' یعنی آپ ﷺ مکہ کے مشرکوں کو اور جو لوگ آپ ﷺ کی مخالفت کر رہے ہیں انھیں نوح علیہ السلام کا واقعہ سنا دیجیے۔ (2) ﴿ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ ﴾ ''نوح کی خبر'' یعنی نوح علیہ السلام کی دعوت کا معاملہ، انھوں نے اپنی قوم کو طویل مدت تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ 950 برس تک ان کے درمیان رہے مگر ان کی دعوت نے قوم کی سرکشی میں اضافہ کیا۔

سوال 2: ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ ''جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ میرا کھڑا ہونا اور میرا نصیحت کرنا تم پر بھاری گزر رہا ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے، سو تم اپنے معاملے کا اپنے شریکوں سمیت کوئی متفقہ فیصلہ کرو پھر تمہارا معاملہ تم پر چھپا نہ رہے پھر مجھ پر کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ ﴾ ''جب اس نے اپنی قوم سے کہا'' نوح علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے رہے۔ (2) ﴿ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ ﴾ ''اگر میرا کھڑا ہونا تم پر بھاری گزر رہا ہے'' یعنی اگر میرا رہنا سہنا تمہیں ناگوار گزرتا ہے۔ (3) ﴿ وَتَذْكِيْرِيْ ﴾ ''اور میرا نصیحت کرنا'' اور اللہ

تعالیٰ کی آیات سے نصیحت کرنا تمہیں بھاری محسوس ہوتا ہے۔(4)﴿ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾'' اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ''یعنی واضح دلائل کے ذریعے نصیحت کرنا تم پر گراں گزرتا ہے اور تم مجھے اور میری دعوت کو جھٹلانا چاہتے ہو۔(5)﴿ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ ﴾'' تو میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے''یعنی ہر اس شر کو دور کرنے کے لیے جو تم مجھے اور میری دعوت کو پہنچانا چاہتے ہو، میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے۔یہی توکل میرا کل اثاثہ ہے۔(6) سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس ایمان کی قوت تھی۔ان کی پشت پر اللہ تعالیٰ کی قوت تھی اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ایمان کی قوت اتنی عظیم ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا کے سارے منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور بھروسہ کرنے سے مومن کا رابطہ اس قوت سے ہو جاتا ہے جس کے اختیار میں زمین و آسمان ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو تنہا نہیں چھوڑتا۔یہ یقین انسان کو عظیم قوت عطا کرتا ہے۔(7)﴿ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ ﴾'' سو تم اپنے معاملے کا کوئی متفقہ فیصلہ کرو''تم اپنے دیوتاؤں کو اور سب لوگوں کو جمع کر لو اور میرے خلاف اکٹھے ہو جاؤ، جو کرنا چاہو، کرو۔(8)﴿ وَشُرَكَآءَكُمْ ﴾'' اپنے شریکوں سمیت''یعنی اللہ رب العالمین کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو ان تمام شریکوں کو بلا لو۔(9)﴿ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ﴾'' پھر تمہارا معاملہ تم پر چھپا نہ رہے''یعنی میری مخالفت چھپی ہوئی نہ ہو تمہارا معاملہ ظاہر ہو۔(10)﴿ ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ ﴾'' پھر مجھ پر کر گزرو''یعنی میرے بارے میں جو تمہارے اختیار میں ہے سزا کا فیصلہ سنا دو۔(11)﴿ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴾'' اور مجھے مہلت نہ دو''اور مجھے ذرا سی بھی مہلت نہ دو۔مجھ پر اچانک ٹوٹ پڑو۔(12) نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے ان کے گھڑے ہوئے معبودوں کو جب ساتھ ملانے اور کاروائی کرنے کا حکم دیا مگر وہ کچھ نہ کر سکے۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ نوح عَلَیْہِ السَّلَام سچے اور قوم کے لوگ اپنی دھمکیوں میں جھوٹے تھے۔

سوال3: سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کے چیلنج میں ہمارے لیے کیا سبق ہے؟

جواب:(1) سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کا چیلنج اس دور کا ہے جب قوم کے لیے ان کا وجود اور ان کا کام ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔(2) دعوت جب کبھی اس دور میں داخل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والوں کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر کے اسی طرح سے مخالفین کا مقابلہ کرنا ہوگا۔(3) ایک داعی کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اگر وہ سچائی کی سرزمین پر کھڑے ہو کر دعوت دے رہا ہے تو یہ دعوت ناکام نہیں ہوگی۔

سوال4: اس مقام پر قصہ نوح کو لانے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: اس مقام پر قصہ نوح کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ دعوت دے کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا جائے۔انجام کو سامنے لایا جائے کہ اہل ایمان کامیاب ہوں گے اور جھٹلانے والے ہلاک و برباد ہوں گے، اگرچہ قوت رکھتے ہوں، اگرچہ تعداد میں کثیر ہوں۔

سوال5: سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام قوم کی نظروں میں کب ناپسندیدہ شخصیت بن گئے؟

جواب: سیدنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی قوم اس وقت تک ان کی عزت کرتی رہی جب تک وہ خاموش رہے۔جب وہ قوم کو حق کی دعوت دینے کے لیے اٹھے اور انہیں بھلائی کا حکم دینے لگے اور برائی سے روکنے لگے تو قوم کی نظروں میں ناپسندیدہ شخصیت بن گئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنا فیصلہ بتا دیا

کہ اگر تم اپنی نصیحت سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے۔

سوال 6: ایک سچے داعی کی سچائی کو جانچنے کا معیار کیا ہے؟

جواب: (1) ایک سچے داعی کی سچائی کو جانچنے کا معیار یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے نہ وہ کسی سے ڈرتا ہے۔ نہ کام ادھورا چھوڑتا ہے۔ نہ دباؤ میں آ کر سمجھوتا کرتا ہے۔ (2) سچے داعی کو زیر کرنے میں کبھی کوئی کامیاب نہیں ہوتا۔

سوال 7: اپنے خلاف ساری مخالف قوتوں کو اٹھنے، اتحاد کرنے منصوبہ بندی کرنے اور پوری قوت کے ساتھ منصوبے پر عمل پیرا ہونے کا چیلنج کون دے سکتا ہے؟

جواب: (1) یہ چیلنج ایسا شخص دے سکتا ہے جو اپنی قوت کے بارے میں پر اعتماد ہو۔ (2) جس نے اپنی تیاریاں مکمل کر لی ہوں۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والوں کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ وہ قوت ہے جس کے مقابلے پر کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ (2) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والوں کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ طاغوت اہل ایمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا چھوٹی موٹی آزمائش آتی رہتی ہے تو وہ بھی اصلاح کے لیے اور دل و دماغ کی صفائی اور اخلاص کے لیے ہوتی ہے۔ (3) آخری فتح بہرحال اہل ایمان کی ہوتی ہے۔

﴿ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ‌ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ‌ ۙ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ(72) ﴾

''پھر اگر تم نے منہ موڑا تو میں نے تم سے کوئی اجرت نہیں مانگی، میری اجرت اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔'' (72)

سوال 1: ﴿ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ‌ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''پھر اگر تم نے منہ موڑا تو میں نے تم سے کوئی اجرت نہیں مانگی، میری اجرت اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ ﴾ ''پھر اگر تم نے منہ موڑا'' یعنی اگر تم نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا تو حق تم پر واضح ہو چکا اور تم جانتے ہو کہ تم حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جا رہے ہو جس کے فاسد ہونے کی دلیلیں ثابت ہو چکی ہیں۔ (2) یعنی اگر تم نے اس سے منہ موڑا جو میں تمہیں توحید کی دعوت دے رہا ہوں۔ (ایسر التفاسیر:615) (3) ﴿ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ ﴾ ''تو میں نے تم سے کوئی اجرت نہیں مانگی'' یعنی میں نے اس دعوت کو قبول کرنے کے لیے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا کہ تم یہ کہو کہ ہمیں ڈر ہے کہ ہمارا مال نہ لے لیا جائے، اس لیے ہم اس کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ (4) ﴿ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''میری اجرت اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے'' یعنی میں تو اللہ تعالیٰ ہی سے اجر کا، صلے کا، معاوضے کا طلب گار ہوں جس نے مجھے بھیجا ہے۔ (5) ایک سچا داعی رب کی طرف بلاتا ہے۔ مدعو سے اس کا یہی تعلق مطلوب ہے۔ جب معاشی اور مادی

مطالبات کیے جاتے ہیں یا توقعات رکھی جاتی ہیں یا مفادات حاصل کیے جاتے ہیں تو اللہ تعالی کی طرف بلانے کا عمل متاثر ہوتا ہے۔ مدعو کا ذہن دعوت سے ہٹ کر مادی رقابت کی طرف لگ جاتا ہے اور دعوت کا مقصد ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایک سچے داعی کو معاشی مفادات سے دست برداری سے خواہ کتنا ہی نقصان ہو، دعوت کے عمل کو جاری رکھنے کے لیے بے غرض ہونا ضروری ہے۔ انبیاء بے خوف اس لئے ہوتے ہیں کہ ان کی روزی لوگوں سے وابستہ نہیں ہوتی، وہ تبلیغ کے گراں قدر فرائض بھی ادا کرتے ہیں اور اپنا آزوقہ حیات بھی بہم پہنچاتے ہیں۔ جو لوگ قوم کے صدقات پر پلتے ہیں ان سے حق گوئی کی توقع نہیں کی جاسکتی، انبیاء کا اسوہ یہ ہے، کہ اس قسم کی مشیخیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ (تفسیر سراج البیان)

سوال2: ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) میں تمہیں کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیتا جس کی مخالفت کر کے اس کی متضاد بات پر عمل کروں، بلکہ ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ پس جن امور کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں سب سے پہلے میں خود ان میں داخل ہوتا ہوں اور سب سے پہلے میں خود اس پر عمل کرتا ہوں۔ (تفسیر سعدی: 1157/2) (2) ﴿ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ یعنی جو اللہ تعالی کے حکم پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ میں اس کی مخالفت نہیں کرتا اور نہ میں غیر اللہ سے امید رکھتا ہوں۔ (تفسیر منیر: 241/6)

سوال3: حق کی دعوت سے منہ پھیرنے والوں کے لیے داعی کو کیا پیغام دینا چاہیے؟

جواب: (1) اگر تم منہ پھیرتے ہو تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہے۔ (2) میں اگر تمہیں سیدھا راستہ دکھاتا ہوں تو اس سے میری کوئی غرض وابستہ نہیں ہے میرا اجر تو میرے رب کے ذمہ ہے۔ (3) مجھے سیدھے راستے پر چلنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ میں اپنے اوپر ضرور اسلام نافذ کروں گا۔ (4) میں اس بات کا پابند ہوں کہ اپنی زندگی کو اللہ تعالی کی فرماں برداری کا نمونہ بنا کر آپ کے سامنے رکھوں۔

﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ (73) ﴾

''پس انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو نجات دی جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے، اور ہم نے انہیں جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا، سو آپ دیکھو ان کا کیسا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا!'' (73)

سوال1: ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ ''پس انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو نجات دی جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے، اور ہم نے انہیں جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری آیات کو

جھٹلایاان لوگوں کوہم نے غرق کردیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَكَذَّبُوهُ ﴾''پس انہوں نے اسے جھٹلایا''یعنی انہوں نے اس کو جھٹلا دیا جونوح علیہ السلام لے کر آئے تھے۔سیدنا نوح علیہ السلام نے انہیں دن،رات،کھلے،چھپے دعوت دی لیکن ان کی دعوت نے انہیں مزید سرکش کردیا۔(2)﴿ فَنَجَّيْنَٰهُ وَمَن مَّعَهُۥ فِى ٱلْفُلْكِ ﴾''توہم نے اسے اوران لوگوں کونجات دی جوکشتی میں اس کے ساتھ تھے''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بچالیا جوکشتی میں نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے۔اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کوکشتی بنانے کاحکم دیا تھااورانہیں وحی کی تھی کہ تمام حیوانات میں سے ایک ایک جوڑا لے لیں۔اوراپنے گھر والوں اوراپنے ساتھی ایمان والوں کوکشتی میں سوار کرلیں۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کوکشتی کے ذریعے نجات دی۔رب العزت نے فرمایا:﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَفَارَ ٱلتَّنُّورُ قُلْنَا ٱحْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ ٱثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ ٱلْقَوْلُ وَمَنْ ءَامَنَ ۚ وَمَآ ءَامَنَ مَعَهُۥٓ إِلَّا قَلِيلٌ ﴾حتیٰ کہ جب ہماراحکم آ گیااورتنورابل پڑا،ہم نے کہااس کشتی میں ہر چیز کا جوڑا(نراور مادہ)دونوں کوسوارکرلواوراپنے گھر والوں کوبھی مگر جن کے متعلق پہلے بات ہوچکی اورانہیں بھی(سوارکرلو)جوایمان لائے ہیں اوراس پرتھوڑے لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔(ہود:40)(3)رب العزت نے کشتی بنانے کے لیےحکم دیا پھر جب کشتی بن گئی تو تنور سے پانی ابل پڑا۔اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو بچالیا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَحَمَلْنَٰهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَٰحٍ وَدُسُرٍ ﴾اورنوح کو ہم نے کیلوں اور تختوں والی (کشتی)پرسوار کر دیا۔(القمر:13)(4)﴿ وَجَعَلْنَٰهُمْ خَلَٰٓئِفَ ﴾''اورہم نے انہیں جانشین بنایا''یعنی اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کوجھٹلانے والوں کی ہلاکت کے بعد دوسرے لوگوں کوان کا جانشین بنایا۔اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی نسل کوزمین کے گوشے گوشے تک پھیلا دیا۔(5)﴿ وَأَغْرَقْنَا ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا ﴾''اورجنھوں نے ہماری آیات کوجھٹلایاان لوگوں کوہم نےغرق کردیا''یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کوغرق کردیا جنھوں نے دلائل واضح ہونے کے بعدبھی اس کی آیات کوجھٹلایا۔

سوال2:قوم نوح علیہ السلام کے جھٹلانے کا کیا نتیجہ نکلا؟

جواب:(1)قوم نوح نے سرکشی اختیار کی تو زمین ان سے خالی کروالی گئی۔جولوگ سیدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو بچالیا گیااور باقیوں کوغرق کردیا گیا۔(2)باقی بچنے والے مومنین نوح کوزمین کے وارث بننے کا موقع دیا گیا۔(3)اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کوغرق کردیا۔

سوال3:﴿ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُنذَرِينَ ﴾''سوآپ دیکھوان کا کیسا انجام ہواجنہیں ڈرایا گیا تھا!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)رب العزت نے اپنے پیغمبر کوحکم دیاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غورفرمائیں کہ جن لوگوں کوڈرایا گیا تھاان کا کتنا براانجام ہوا۔(2)ان کا انجام ہلاکت تھی،ہرزمانے میں ان پرلعنت کی گئی۔ہر دور کےلوگوں نے ان کی مذمت کی۔اللہ تعالیٰ کی آیات کوجھٹلانے والوں کواس عذاب سے ڈرنا چاہیئے جو انبیاء کو جھٹلانے والی قوموں پر نازل ہوئے۔(3)اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بچا لیا اور جھٹلانے والوں کوغرق کردیا۔(4)سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اللہ تعالیٰ ظالم کو چندروز دنیامیں مہلت دیتا رہتاہے لیکن جب

پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔ راوی نے بیان کیا پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ''اور تیرے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بے شک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دینے والی اور بڑی ہی سخت ہے۔'' (بخاری:4686)

سوال 4: سیدنا نوح علیہ السلام کے واقعات میں حق کی دعوت دینے والوں کے لیے کیا سبق ہے؟

جواب: سیدنا نوح علیہ السلام کے واقعات میں دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے بہت سے اسباق ہیں۔(1) دعوت کے راستے کی مشکلات اور طوالت سے نہ گھبرائیں۔(2) دعوت دینے والوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے پر مستقل چلتے رہنا چاہیے۔(3) دعوت دینے والوں کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ آخری انجام ایمان والوں کا ہے۔ ان کو فتح نصیب ہوتی ہے۔(4) دعوت دینے والوں کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ دھوکہ نہیں کرتے، نہ مدد کرنے سے عاجز ہیں، نہ انہیں اکیلا چھوڑتے ہیں لیکن آزماتے ضرور ہیں اور اس طرح ان کی تربیت کرتے ہیں۔

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ(74) ﴾

''پھر نوح کے بعد ہم نے کئی رسول ان کی قوم کی طرف بھیجے تو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے سو وہ ایسے نہیں تھے کہ اس پر ایمان لاتے اس وجہ سے جو وہ پہلے اسے جھٹلا چکے تھے۔ حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر ہم ایسے ہی مہر لگا دیتے ہیں۔'' (74)

سوال 1: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''پھر نوح کے بعد ہم نے کئی رسول ان کی قوم کی طرف بھیجے تو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے سو وہ ایسے نہیں تھے کہ اس پر ایمان لاتے اس وجہ سے جو وہ پہلے اسے جھٹلا چکے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ ''پھر نوح کے بعد ہم نے بھیجے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے بعد کثرت کے ساتھ رسول بھیجے۔ (2) ﴿ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ ﴾ ''کئی رسول ان کی قوم کی طرف'' یعنی ہر رسول اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجا گیا جو انہیں ہدایت کی طرف بلاتے تھے جو انہیں نیک اعمال کرنے پر جنت کی خوش خبریاں دیتے اور برے اعمال کرنے پر جہنم کی وعیدیں سناتے تھے اور دنیا میں انہیں ہلاکت کے اسباب سے ڈراتے تھے۔(3) ﴿ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ''تو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے'' تمام رسول اپنی رسالت کے ثبوت میں ایسے دلائل پیش کرتے رہے جو ان کی رسالت کے گواہ تھے۔ اس کے علاوہ رسول معجزات بھی لاتے رہے۔(4) ﴿ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''سو وہ ایسے نہیں تھے کہ اس پر ایمان لاتے اس وجہ سے جو وہ پہلے اسے

جھٹلا چکے تھے'' جن لوگوں کو رسولوں کی طرف سے حق کی دعوت دی جاتی رہی اور وہ جھٹلاتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں پکڑا تو اللہ تعالیٰ کا مہر لگانے کا فیصلہ ان کے اوران کے ایمان کے درمیان رکاوٹ بن گیا جب کہ وہ اس وقت ایمان لانے پر قدرت رکھتے تھے جب رسولوں نے انہیں دعوت دی۔ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ اور ہم ان کے دلوں کواوران کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں گے۔ (الانعام:110)

سوال 2: تمام رسول اپنی قوم کے پاس معجزات اور نشانیاں لے کر آئے اس پر ان کی قوموں کا رویہ کیسا تھا؟

جواب: (1) ہر قوم نے معجزات سے پہلے بھی جھٹلایا اور بعد میں بھی جھٹلایا۔ (2) معجزات کی وجہ سے ان کی دشمنی میں کوئی فرق نہ آیا۔

سوال 3: ہر قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ ساری قوموں کی روش ایک جیسی کیوں تھی؟

جواب: (1) جھٹلانے والوں کا مزاج، سوچ اور موقف ایک ہے۔ (2) وہ سب کلام اللہ کے دلائل کے لیے اپنے دل نہیں کھولتے تھے۔ (3) وہ عقل سے غور وفکر نہیں کرتے تھے۔ (4) ان کے دلوں تک حق پہنچنے کے تمام راستے بند ہو گئے تھے اس طرح ان سب نے ایک مزاج ہونے کی وجہ سے ایک جیسی روش اختیار کی۔

سوال 4: ﴿ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ '' حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر ہم ایسے ہی مہر لگا دیتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی سنت کا بیان ہے۔ ان کے دلوں پر اسی طرح مہر لگ گئی جیسے ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگتی ہے جنہیں عذاب چکھنے سے پہلے ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ (2) جب کسی کے دل پر مہر لگ جاتی ہے تو اس میں کوئی خیر اور بھلائی داخل نہیں ہوتی۔ (3) مہر لگا کر اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلا کر خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (4) اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ جھٹلانے والی قوموں کو ہلاک کر دیتا ہے اور ایمان والوں کو بچا لیتا ہے۔ (5) اس آیت میں عرب کے مشرکوں کے لیے جنہوں نے رحمت اللعالمین کو جھٹلایا سخت دھمکی ہے۔ جب نبیوں کو جھٹلانے کی وجہ سے پہلی قوموں کا عبرت ناک انجام ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں پکڑے گئے تو ان کا کیا حشر ہو گا جو سب سے بڑے پیغمبر کو جھٹلا رہے ہیں۔

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (75) ﴾

'' پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ

مجرم لوگ تھے۔'' (75)

سوال 1: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴾ '' پھران کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اوراس کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ ﴾ '' پھران کے بعد ہم نے بھیجا'' یعنی ان رسولوں اوران امتوں کے بعد۔(2) یعنی پہلی قوموں کی ہلاکت کے بعد۔(3) یعنی ان رسولوں کے بعد جن کوان کی قوموں نے جھٹلا دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔(4) ﴿ مُّوْسٰى ﴾ اللہ رب العزت کے اولوالعزم رسول جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ان پر شریعت کے بڑے بڑے احکامات نازل کیے گئے۔(5) ﴿ وَهٰرُوْنَ ﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کا وزیر بنایا۔(6) ﴿ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ﴾ '' فرعون اوراس کے سرداروں کی طرف'' یعنی فرعون اوراس کے بڑے بڑے سرداروں کی طرف۔اگرچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام تو اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے یہاں سرداروں کی طرف بھیجنے کی بات اس لئے کی گئی کہ عوام سرداروں کے پیچھے ہوتی ہے،انہیں follow کرتی ہے۔(7) ﴿ بِاٰيٰتِنَا ﴾ '' اپنی نشانیاں دے کر'' یعنی نو نشانیوں کے ساتھ۔(تفسیر منیر:251/6) (8) ان کو ایسی آیات کے ساتھ مبعوث کیا جو اس چیز کی صداقت پر دلالت کرتی تھیں جنہیں یہ دونوں رسول لے کر آئے تھے،یعنی توحید الٰہی اور غیر اللہ کی عبادت سے ممانعت۔(تفسیر سعدی:1161/2) (9) ﴿ فَاسْتَكْبَرُوْا ﴾ '' تو انہوں نے تکبر کیا'' یعنی فرعون اوراس کے سرداروں نے تکبر کیا۔انہوں نے دل سے آیات کو مان لیا تھا مگر ظلم کی وجہ سے انہوں نے آیات کو قبول نہیں کیا اور تکبر کیا۔(10) انہوں نے حق کی اتباع کرنے اوراس پر عمل پیرا ہونے سے تکبر کیا۔(تفسیر منیر:252/6) (11) ﴿ وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴾ '' اور وہ مجرم لوگ تھے'' جب ان کے دل اور عقلیں بگڑ گئیں انہوں نے خون بہائے اور کمزوروں کو عذاب دیے تو مجرم بن گئے۔(ایسر التفاسیر:617) (12) ان کا جرم شرک تھا۔

سوال 2: فرعون اوراس کے سرداروں نے حق کو کیوں نہ قبول کیا؟

جواب: (1) فرعون اوراس کی قوم کے سرداروں نے اپنی مجرمانہ ذہنیت کی وجہ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی وہ دعوت کو دلیل سے دیکھنے، پرکھنے کی بجائے جاہ واقتدار کے معیار سے دیکھتے تھے۔انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے مقابلے میں خود کو بڑا سمجھا۔ یہ تکبر قبول حق میں رکاوٹ بن گیا۔(2) شوکانی لکھتے ہیں کہ اسی دنیاوی بڑائی اور کرسی کی محبت نے ہر دور میں کتنوں کو قبول حق سے روک دیا،اوراپنے آپ کو باطل پر سمجھتے ہوئے،اس پر اصرار کیا۔اسی بیماری کی وجہ سے کتنے کفر پر،اور کتنے صحیح حدیث ہونے کے باوجود اپنی فاسد رائے پر جمے رہے!! (تیسیر الرحمٰن:623/1)

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ (76) ﴾

''چنانچہ جب ہمارے پاس سے حق ان کے پاس آ گیا تو انہوں نے کہا یقیناً یہ ضرور کھلا جادو ہے۔'' (76)

سوال 1: ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''چنانچہ جب ہمارے پاس سے حق ان کے پاس آ گیا تو انہوں نے کہا یقیناً یہ ضرور کھلا جادو ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا ﴾ ''چنانچہ جب ہمارے پاس سے حق ان کے پاس آ گیا'' جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام حق لے کر آئے تو ان کی قوم نے اسے ٹھکرا دیا اور قبول نہ کیا۔ (2) سب سے بڑا حق توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کا مربی ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام جو نو معجزات لے کر آئے تھے ان کی قوم نے انہیں جھٹلا دیا۔ (4) ﴿ قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''انہوں نے کہا یقیناً یہ ضرور کھلا جادو ہے'' قوم موسیٰ علیہ السلام نے جھوٹی قسمیں کھا کر صاف کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے طرز عمل کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾ اور انہوں نے ان کا ظلم اور تکبر سے انکار کیا حالانکہ ان کے دل اس کا یقین کر چکے تھے (النمل: 14) (5) ان کے دلوں میں یقین تھا مگر انہوں نے حق کو رد کر دیا اور اس حق کو سب سے بڑا باطل یعنی جادو قرار دیا۔

سوال 2: فرعون اور اس کے ساتھیوں نے معجزات کو جادو کیوں کہا؟

جواب: معجزات کا کوئی توڑ فرعون اور قوم فرعون کے پاس نہ تھا اس لیے انہوں نے کہا یہ جادو ہے۔

سوال 3: جادو قرار دے کر فرعون نے دعوت حق کے بارے میں کیا تاثر دیا؟

جواب: فرعون نے لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ معاملہ حق کا نہیں جادو کا ہے۔

سوال 4: فرعون نے دعوت حق کو جادو قرار دے کر کیا کوشش کی تھی؟

جواب: فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنی شکست کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔

سوال 5: معجزات کو جادو کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب: معجزے اور جادو میں کچھ ظاہری مشابہت ہوتی ہے مگر بہت جلد پتہ چل جاتا ہے کہ جادو محض شعبدہ ہے۔

سوال 6: حد سے گزرنے والے کیسے زیادتی کرتے ہیں؟

جواب: (1) ایک بار حق کا انکار کرنا حق کی حد سے گزر جانا ہے۔ (2) بار بار انکار کرنا زیادتی کرنا ہے۔

﴿ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ (77) ﴾

''موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کو یہ کہتے ہو جب کہ وہ تمہارے پاس آ چکا ہے؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پاتے۔''(77)

سوال1: ﴿ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴾ ''موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کو یہ کہتے ہو جب کہ وہ تمہارے پاس آ چکا ہے؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ﴾ ''موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کو یہ کہتے ہو جب کہ وہ تمہارے پاس آ چکا ہے؟'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ جب سچا دین تمہارے پاس آ گیا تو تم اسے جادو کہتے ہو۔(2)﴿ اَسِحْرٌ هٰذَا ﴾ ''کیا یہ جادو ہے؟'' یعنی غور تو کرو کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ سوچو تو سہی جو کچھ میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں وہ کس چیز پر مشتمل ہے؟(3)﴿ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴾ ''حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پاتے''، یعنی جادوگر بھی کبھی کامیاب ہوئے ہیں؟ جادو سے کبھی حقیقت نہیں بدلتی۔(4) یعنی جادوگر دنیا میں فلاح پاتے ہیں نہ آخرت میں۔ پس غور کرو کہ انجام کس کا اچھا ہے، کس کے لیے فلاح ہے اور کس کے ہاتھ پر کامیابی ہے۔ اس کے بعد انہیں معلوم ہو گیا اور ہر ایک پر عیاں ہو گیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام تھے جنہوں نے فلاح پائی اور دنیا و آخرت میں ظفریاب ہوئے۔ (تفسیر سعدی:1162/2)

سوال2: جادوگر کیوں کامیاب نہیں ہوتے؟

جواب:(1) جادوگروں کے دین کی بنیاد بے معنی کلام ہوتا ہے۔(2) جادوگر زندگی کی بنیادی حقیقتوں کا نہ فہم رکھتے ہیں نہ اس کا شعور دیتے ہیں۔(3) جادوگروں کے پاس انسانی زندگی کے مسائل کا حل نہیں ہوتا۔ اور نہ جادوگروں کا مقصد ہدایت دینا ہوتا ہے۔(4) جادوگر انسانی زندگیوں کو مصیبتوں میں مبتلا کرتے ہیں۔(5) جادوگر انسانی زندگی کے لیے کوئی پروگرام نہیں رکھتے اس لیے جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ(78) ﴾

''انہوں نے کہا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں اس راستے سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ اور زمین میں تم دونوں کی بڑائی قائم ہو؟ اور ہم تم دونوں کے لیے ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں۔''(78)

سوال1: ﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''انہوں نے کہا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں اس راستے سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ اور زمین میں تم دونوں کی بڑائی قائم ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ﴾ ''انہوں نے کہا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں اس راستے سے

پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا کیا تم ہمارے آباؤاجداد کے دین سے پھیرنے کے لیے آئے ہو۔(2) یعنی کیا تم ہمیں شرک اور غیر اللہ کی عبادت سے روک کر ہمارے بزرگوں کے دین سے ہمیں پھیرنا چاہتے ہو؟ اور ہمیں حکم دیتے ہو کہ ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔(3) موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اپنے آباؤاجداد کے طور طریقوں کو اپنے لیے حجت بنالیا اور حق کو ٹھکرا دیا۔(4) ﴿وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ﴾ ''اور زمین میں تم دونوں کی بڑائی قائم ہو؟'' یعنی تم یہ چاہتے ہو کہ تم سرزمین مصر پر اپنی بڑائی، اپنی سیادت، اپنی بادشاہت قائم کرلو۔اس طرح انہوں نے الزام تراشی کا سیاسی مسلک اپنالیا۔(5) اس بات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ عوام الناس کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر ابھارا جائے۔(6) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا مقصد زمین پر غلبہ حاصل کرنا نہیں تھا۔ان کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ہدایت اور ان کی ایسے معاملات کی طرف راہ نمائی کرنا تھا جو ان کے لیے نفع مند تھے۔

سوال2: فرعون نے حق کی دعوت کو آبائی اور غیر آبائی معیار سے کیوں پرکھا؟

جواب:(1) فرعون نے حق کی دعوت کو آبائی اور غیر آبائی معیار سے اس لیے پرکھا کہ اس تقسیم میں اپنے دین پر قائم رہنے کا جواز مل رہا تھا۔(2) دعوت کو حق اور ناحق کے معیار پر پرکھنے سے خود کو غلط ماننا پڑتا اس لیے اس نے آبائی اور غیر آبائی تقسیم کرکے انسانی ذہنوں کو الجھا دیا۔

سوال3: فرعون نے یہ کیوں کہا تھا کہ موسیٰ اور ہارون اس ملک میں اپنی بڑائی قائم کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے توجہ ہٹانے کے لیے اور عوام کو ان کے خلاف بھڑکانے کے لیے یہ بات کہی تھی تاکہ لوگ حق قبول نہ کرسکیں۔

سوال4: ﴿وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ﴾ ''اور ہم تم دونوں کے لیے ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ''اور ہم تم دونوں کے لیے ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں'' یعنی ہم تمہاری تصدیق کرنے والے، تمہاری پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔(ایسر التفاسیر:617)(2) انہوں نے تکبر اور عناد کی وجہ سے یہ کہا تھا ''ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے''۔اور اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے جو دعوت پیش کی تھی وہ باطل تھی اور اس کی وجہ یہ بھی نہ تھی کہ اس میں یا اس کے معانی وغیرہ میں کوئی اشتباہ تھا۔ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ ظلم و تعدی اور ارادہ تغلب کے سوا کچھ نہ تھا جس کا الزام وہ موسیٰ علیہ السلام پر لگا رہے تھے۔(تفسیر سعدی:1162/2)

سوال5: حق اور باطل کی کشمکش کے پیچھے اصل سبب کیا ہوتا ہے؟

جواب: حق اور باطل کی کشمکش کے پیچھے اپنی بڑائی اور اقتدار چھن جانے کا ڈر چھپا ہوا ہوتا ہے۔

سوال6: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ٹھکرانے کا سبب کیا تھا؟

جواب: اہل قریش کو یہ خطرہ تھا کہ ان کا موروثی مقام و مرتبہ ان سے چلا جائے گا۔

سوال 7: فرعون کے طرزِ عمل سے حق کی طرف دعوت دینے والوں کو کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: جب بھی کوئی رب العالمین کی طرف بلائے تو یہ کشمکش شروع ہو سکتی ہے اس لیے ایسے طرزِ عمل سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

﴿ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ (79) ﴾

''اور فرعون نے کہا کہ ہر ماہر جادوگر کو میرے پاس لاؤ۔'' (79)

سوال 1: ﴿ **وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ** ﴾ ''اور فرعون نے کہا کہ ہر ماہر جادوگر کو میرے پاس لاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَقَالَ فِرْعَوْنُ** ﴾ ''اور فرعون نے کہا'' فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو رد کرتے ہوئے اپنے سرداروں اور اپنی قوم کو کنٹرول کرنے کے لیے کہا۔ (2) ﴿ **ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ** ﴾ ''ہر ماہر جادوگر کو میرے پاس لاؤ'' فرعون نے مصر میں ہر کارے دوڑائے تا کہ وہ ماہر جادوگروں کو اس کے پاس لے آئیں۔ (3) فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کے مقابلے میں جادوگروں سے مقابلہ کروانے کی ٹھان لی تا کہ اپنی قوم کی سوچ کا رخ بدل دے۔ (4) فرعون نے حق کو جادو بنا کر پیش کرنے کے لیے جادوگروں کو بلوا کر مقابلہ کروایا۔ (5) فرعون کو یہ یقین تھا کہ جادو کے زور سے وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو شکست دے دے گا اس لیے اس نے جادوگروں کو بلانے کا فیصلہ کیا۔

سوال 2: منصوبے کی ناکامی کے شعور کے باوجود فرعون نے جادوگروں کو کیوں بلوایا؟

جواب: جب انسان کسی حقیقت کو تسلیم نہیں کرنا چاہتا تو بعض اوقات احمقانہ چالوں سے مقابلہ کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ خود بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تدبیر کی کوئی حقیقت نہیں۔

﴿ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ (80) ﴾

''تو جب تمام جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو تم پھینکنے والے ہو پھینکو۔'' (80)

سوال 1: ﴿ **فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ** ﴾ ''تو جب تمام جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو تم پھینکنے والے ہو پھینکو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ** ﴾ ''تو جب تمام جادوگر آ گئے'' یعنی جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے پہنچ گئے۔ (2) ﴿ **قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ** ﴾ ''موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو تم پھینکنے والے ہو پھینکو'' یعنی تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو میں تمہارے لیے کچھ نہیں کروں گا۔ (3) موسیٰ علیہ السلام کو یہ یقین تھا کہ ان کے کسی کرتب کی کوئی حیثیت نہیں اور حق ہی غالب آئے گا اس لیے انہوں نے

کہا ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔

﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (81) ﴾

’’پھر جب انہوں نے پھینکا، موسیٰ نے کہا کہ تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ جلد ہی اسے باطل کر دے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کے کام درست نہیں کرتا۔‘‘(81)

سوال 1: ﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ﴾ ’’پھر جب انہوں نے پھینکا، موسیٰ نے کہا کہ تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا ﴾ ’’پھر جب انہوں نے پھینکا‘‘ یعنی جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تو پورا میدان دوڑتے ہوئے سانپوں سے بھر گیا۔ (2) ﴿ قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ﴾ ’’موسیٰ نے کہا کہ تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے‘‘ موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر سنبھل کر فرمایا جو تم نے کمالات دکھائے ہیں وہ نظر بندی ہے، بہت بڑا جادو ہے۔ اس بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۞ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۞ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۞ ﴾ چنانچہ موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا۔ ہم نے کہا: ’’ڈرو مت! یقیناً تم ہی غالب ہو۔ اور پھینک دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، جو کچھ انہوں نے بنایا اسے ابھی وہ نگل جائے گا، یقیناً جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا جہاں سے بھی وہ آئے۔‘‘ (طٰہٰ: 69-67)

سوال 2: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ جلد ہی اسے باطل کر دے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کے کام درست نہیں کرتا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ جلد ہی اسے باطل کر دے گا‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے جادو کو تہ و بالا کر دے گا۔ (2) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کے کام درست نہیں کرتا‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ باطل کو نہ ثبات دیتا ہے نہ قوت۔ جادو فساد ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ (3) جادوگر جادو کے ذریعے سے حق کے خلاف باطل کی مدد کرنا چاہتے تھے اور اس سے بڑا اور کون سا فساد ہو سکتا ہے؟ اسی طرح ہر مفسد جب کوئی کام کرتا ہے یا کوئی چال چلتا ہے یا حق کے خلاف کوئی سازش کرتا ہے، تو اس کا عمل باطل ہو کر زائل ہو جاتا ہے ہر چند کہ کسی وقت مفسد کا عمل رائج ہو جاتا ہے مگر آل کار اسے مٹنا اور زائل ہونا ہے۔ رہے اصلاح کار، تو ان کے اعمال میں ان کا مقصد، اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ یہ اعمال و وسائل فائدہ مند ہیں اور ان اعمال کا ان کو حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی اصلاح کرتا ہے اور ان میں ترقی عطا کرتا ہے اور ان کو ہمیشہ نشو و نما دیتا رہتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1163/2) (4) اس میں ایک دعوت

دینے والے کے لیے سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کے عمل کو کبھی سدھرنے نہیں دیتا۔

سوال3: اللہ تعالیٰ مفسدوں کے عمل کو کیوں سدھرنے نہیں دیتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ مفسدوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے ان کے عمل کو سدھرنے نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں کی گمراہی کو واضح کرکے لوگوں کو گمراہی سے بچانا چاہتے ہیں اس لیے مفسدوں کو ہدایت نہیں دیتے۔

﴿ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ(82) ﴾

''اور اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے حق کو حق کر دیتا ہے خواہ مجرم برا سمجھیں۔''(82)

سوال1: ﴿ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے حق کو حق کر دیتا ہے خواہ مجرم برا سمجھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ حق کو حق کر دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ حق کو ظاہر کرتا ہے اور اسے ثبات دیتا ہے۔ (2) ﴿ بِكَلِمٰتِهٖ ﴾ ''اپنی باتوں سے'' یعنی اپنے احکامات اور اپنی قضا وقدر سے۔ (تفسیر منیر: 256/6) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ سو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے باطل ہو گیا۔ (الاعراف: 118) ﴿ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴾ اور پھینک دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، جو کچھ انہوں نے بنایا اسے ابھی وہ نگل جائے گا، یقیناً جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا جہاں سے بھی وہ آئے۔ (طٰہٰ: 69) (4) موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ ان کے جادو کو نگلتا چلا گیا۔ پس ان کا جادو باطل اور ان کا باطل زائل ہو کر رہ گیا۔ جب جادوگروں کے سامنے حق واضح ہو گیا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا۔ فرعون نے ان کو سولی پر لٹکانے اور ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کی دھمکی دی مگر انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور وہ اپنے ایمان میں ثابت قدم رہے۔ (تفسیر سعدی: 1163/2) (5) ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ ''خواہ مجرم برا سمجھیں'' یعنی آل فرعون اسے کتنا ہی برا جانیں اللہ تعالیٰ نے حق کو حق ثابت کر دیا۔ (6) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی دلیلوں سے سچی بات ثابت کر دے گا اگرچہ مجرم اس بات کو ناپسند کریں۔ (7) جادو دفع کرنے کا عمل۔ یہ آیات اللہ تعالیٰ کے حکم سے جادو کے لیے شفا ہیں۔ پانی پر انہیں پڑھ کر دم کیا جائے پھر اس پانی کو جادو کیے ہوئے شخص کے سر پر بہا دیا جائے۔ ﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ پھر جب انہوں نے پھینکا، موسیٰ نے کہا کہ تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ جلد ہی اسے باطل کر دے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کے کام درست نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے حق کو حق کر دیتا ہے خواہ مجرم برا سمجھیں۔ (یونس: 81,82) ﴿ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ

سٰحِرِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴾ حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے باطل ہو گیا۔ تو اس موقع پر جادوگر مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر واپس لوٹے۔ اور جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔ انہوں نے کہا: ''ہم جہانوں کے بادشاہ پر ایمان لاتے ہیں۔ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔'' (الاعراف:122-118) ﴿ وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴾ اور پھینک دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، جو کچھ انہوں نے بنایا اسے ابھی وہ نگل جائے گا، یقیناً جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا جہاں سے بھی وہ آئے۔'' (طٰہٰ:69) (مختصر ابن کثیر:810/1)

سوال 2: اللہ تعالیٰ اپنے کون سے کلمات سے حق کو حق کر دکھاتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اپنے تکوینی کلمات سے جو اس کائنات میں جاری ہیں، حق کو حق کر دکھاتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کے معجزات اور دلائل کا تعلق اس کے خصوصی کلمات سے ہے یعنی کن فیکون سے جس سے اللہ تعالیٰ حق کو حق کر دکھاتا ہے۔

سوال 3: ایک سچے داعی کے لیے اس میں کیا سبق ہے؟

جواب: باطل بالآخر باطل ہو کر رہے گا۔ اور حق کو اللہ تعالیٰ حق کر دکھائے گا لہٰذا دعوت کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہیں آنی چاہئے۔

رکوع نمبر: 14

﴿ فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤی اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ (83) ﴾

موسیٰ پر اس کی قوم کے چند لڑکوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا، فرعون کے اور اس کے سرداروں کے ڈر سے کہ وہ انہیں کسی فتنے میں ڈال دے گا، اور بلاشبہ فرعون زمین میں سرکش تھا اور یقیناً وہ بلاشبہ حد سے گزرنے والوں میں سے تھا۔'' (83)

سوال 1: ﴿ فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤی اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ ﴾ ''موسیٰ پر اس کی قوم کے چند لڑکوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا فرعون کے اور اس کے سرداروں کے ڈر سے کہ وہ انہیں کسی فتنے میں ڈال دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤی ﴾ ''موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا'' موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو واضح معجزات دکھائے مگر قوم فرعون کے چند لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ (2) ﴿ اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ﴾ ''اس کی قوم کے چند لڑکوں کے سوا'' بنی اسرائیل کی اولاد میں سے قلیل لوگ ایمان لائے۔ (3) ﴿ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ ﴾ ''فرعون کے اور اس کے سرداروں کے ڈر سے کہ وہ انہیں کسی فتنے میں ڈال دے گا'' یعنی فرعون اور اس کے حکام کے ڈر سے کہ کہیں انہیں ایذا نہ پہنچائیں۔ (4) ان میں سے چند

نوجوان تھے جو حق کے آگے جھک گئے۔انہوں نے فرعون کی سخت گیری کی پرواہ نہ کی۔

سوال2: موسیٰ علیہ السلام کے دور کے حالات اور آپ ﷺ کے حالات کی مماثلت کی وضاحت کریں؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے بھی چند نوجوان تھے۔ایسی ہی صورتحال رسول اللہ ﷺ کو بھی پیش آئی۔آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں اکثر نوجوان تھے۔مثلاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ،سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ،سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ،سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ،سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ان سب کی عمریں قبول اسلام کے وقت بیس سال سے کم تھیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ،سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ،سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ کی عمریں بیس سے تیس سال کے درمیان تھیں۔دو صحابہ ہی بڑے تھے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ سے دو برس چھوٹے تھے اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے ہم عمر تھے۔

سوال3: ﴿ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴾ ''اور بلاشبہ فرعون زمین میں سرکش تھا اور یقیناً وہ بلاشبہ حد سے گزرنے والوں میں سے تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ ﴾ ''اور بلاشبہ فرعون سرکش تھا'' فرعون متکبر اور قوی تھا۔(2) ﴿ فِي الْأَرْضِ ﴾ ''زمین میں'' سرزمین مصر میں۔(3) فرعون ظالم اور سخت گیر تھا۔اس کا رعایا پر اتنا رعب تھا کہ اس سے دور رہنے کے باوجود اس سے ڈرتے تھے۔(4) فرعون کو غلبہ اور اقتدار حاصل تھا اس لیے لوگ اس کی پکڑ سے ڈرتے تھے۔(5) ﴿ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴾ ''اور یقیناً وہ بلاشبہ حد سے گزرنے والوں میں سے تھا''،یعنی فرعون ظلم میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔وہ لوگوں کو قتل کرواتا،سولی چڑھاتا اور طرح طرح کی اذیتیں دے کر خوف زدہ کرتا تھا۔

سوال4: انبیاء پر نوجوانوں کے ایمان لانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: انبیاء پر نوجوانوں کے ایمان لانے میں حکمت یہ ہے۔واللہ اعلم۔کہ حق کو نوجوان زیادہ قبول کرتے ہیں اور اس کی اطاعت میں زیادہ سرعت سے آگے بڑھتے ہیں اس کے برعکس بوڑھے جنہوں نے کفر میں پرورش پائی ہوتی ہے،ان کے دلوں میں چونکہ عقائد فاسدہ راسخ ہوتے ہیں،اس وجہ سے وہ دوسروں کی نسبت حق سے زیادہ دور ہوتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1164/2) نوجوان لوگ عام طور پر مصلحتوں کو قبول نہیں کرتے۔نوجوان لوگ عام طور معاشرے سے زیادہ خوف نہیں کھاتے۔بڑی عمر کے لوگ مصلحت پسند ہوتے ہیں کیونکہ ان کے اپنے مفادات ہوتے ہیں۔بڑی عمر کے لوگ محتاط ہوتے ہیں۔بڑی عمر کے لوگ معاشرے کے بڑوں سے زیادہ خوف کھاتے ہیں۔بڑی عمر کے لوگ اگر نئی فکر قبول بھی کر لیں تو ساتھ نہیں دے پاتے۔

سوال5: نئی فکر قبول کرنے کے لیے کیا قیمت چکانی پڑتی ہے؟

جواب: نئی فکر قبول کرنے کے لیے انسان کو نئے نئے مسائل سے دوچار ہونے کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔

﴿ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ(84) ﴾

''اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ رکھو، اگر تم فرماں بردار ہو۔'' (84)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ رکھو، اگر تم فرماں بردار ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقَالَ مُوْسٰى ﴾ 'اور موسیٰ نے کہا' جب بنی اسرائیل کا خوف ظاہر ہو گیا تو موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی قوم کو وہ اعمال اختیار کرنے کی نصیحت کی جو صبر کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔ (2) موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی قوم کا خوف دور کرنے اور ان کے دلوں کے اطمینان کے لیے کہا۔ (3) ﴿ يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ ﴾ '' اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو' یعنی اگر تم مسلمان ہو اور تمہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ (4) اس آیت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ تمام اسرائیلی مسلمان تھے۔ (5) ﴿ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴾ '' تو اسی پر بھروسہ رکھو، اگر تم فرماں بردار ہو' تو ایمان کے تقاضے کو پورا کرو، اللہ تعالیٰ پر توکل کرو، اسی پر اعتماد کرو وہ تمہارے لیے کافی ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اس کو کافی ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہنے والا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔ (الطلاق:3) (6) اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ فرمایا: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ کیا اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ اور یہ لوگ اس کے سوا آپ کو دوسروں سے ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں۔ (الزمر:36) (7) ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴾ '' اگر تم فرماں بردار ہو' اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار مسلمان ہو، اس کے احکامات کو تسلیم کرتے ہو، اس کے روکے ہوئے سے رکتے ہو۔ (ایسر التفاسیر:619) ایک اور مقام پر سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی نصیحت ملتی ہے۔ ﴿ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڐ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: '' تم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو، یقیناً زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام متقیوں ہی کے لیے ہے' (الاعراف:128) (8) یعنی تم اس کے لیے خالص ہو۔ (تفسیر قاسمی:70/9) (9) قاشانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے توکل کو اسلام کے لوازم میں سے بنایا ہے اور اسلام اللہ تعالیٰ کی خوشی ہے یعنی تم اپنے ایمان اور یقین کو مکمل کرو یہی تمہارے نفسوں پر اثر انداز ہو گا اور اس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے خالص کر دے گا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنا لازم ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ﴾ سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔ (ہود:123) اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنی نماز میں اس کی تکرار کا حکم دیا ہے۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کے حکم سے ہم یہ الفاظ ادا کرتے ہیں۔ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ (الفاتحہ:5)

سوال 2: اللہ تعالیٰ پر توکل کون کرتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ پر وہ توکل کرتا ہے ج واس کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے، جو اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے کہ وہ ایمان والوں کی مدد کرتا ہے ،جو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے مطمئن ہوسکتا ہے ۔(2) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے سامنے گزشتہ امتیں پیش کی گئیں اور انبیاء گزرنے لگے ۔کسی کے ساتھ ایک آدمی، کسی کے ساتھ دو آدمی، کسی کے ساتھ ان کی امت کے کچھ لوگ تھے اور ایک نبی کے ساتھ کوئی بھی (امتی) نہ تھا۔ یہاں تک کہ ایک بہت بڑی جماعت میرے سامنے کی گئی ۔میں نے پوچھا یہ کس کی امت ہے؟ کیا یہ میری امت ہے؟ تو مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے ۔(پھر) کہا گیا کہ تم آسمان کو دیکھو (تو کیا دیکھتا ہوں) کہ ایک بڑی جماعت نے آسمان کے کناروں کو گھیر رکھا ہے ۔پھر مجھ سے کہا گیا کہ ادھر ادھر آسمان کے دوسرے کنارے بھی دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ واقعی بہت بڑی جماعت افق کو گھیرے ہوئے تھی ۔پھر مجھ سے کہا گیا کہ یہ تمہاری امت ہیاور ان میں سے ستر ہزار (صاحب توکل) بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے ۔اس قدر فرما کر رسول اللہ ﷺ (حجرہ میں) تشریف لے گئے اور ہم لوگوں سے یہ ظاہر نہ فرمایا: وہ کون لوگ ہوں گے ۔(اس پر) لوگوں نے جھگڑنا شروع کیا۔ کہنے لگے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ،اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کی ،اس لیے وہ لوگ ہم ہیں یا ہماری اولاد ہوگی جو کہ (اب دور) اسلام میں پیدا ہوئے ہیں کیونکہ ہم دور جاہلیت کی پیدائش ہیں ۔یہ خبر نبی ﷺ کو بھی پہنچ گئی ۔رسول اللہ ﷺ (یہ سن کر باہر) تشریف لائے اور فرمایا: وہ تو وہ لوگ ہیں جو نہ دم کریں (کروائیں) اور نہ کسی شے میں بدفالی سمجھیں اور نہ (علاج کے لیے آگ سے) داغیں بلکہ اپنے اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ۔سیدنا عکاشہ بن محصن نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ فرمایا: ہاں (تو ان میں سے ہے)۔ پھر کوئی دوسرا شخص کھڑا ہوااور کہنے لگا کہ کیا میں بھی انہی میں سے ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بس عکاشہ تم پر سبقت لے چکا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

سوال 3: ایمان کا تقاضا کیا ہے؟

جواب: (1) ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کرنا اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے دین کو سچا مان لینا ہے ۔(2) ایمان ظالموں اور جابروں کے مقابلے میں مومن کا ہتھیار ہے ۔(3) ایمان کا تقاضا ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے ۔

﴿ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (85) ﴾

’’تو انہوں نے کہا: ’’ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کیا اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا۔‘‘ (85)

سوال 1: ﴿ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ’’تو انہوں نے کہا: ’’ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کیا اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اسرائیلیوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے کہا ﴿ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ﴾ ’’ تو انہوں نے کہا: ’’ ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کیا‘‘ (2) یعنی ہم نے اپنے امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیے اور ہم اس کی قضا وقدر پر راضی ہو گئے اور ہم اس کے حکم کو پہنچ گئے۔ (تفسیر قرطبی: 222/4) (3) توکل کو دعا سے پہلے لانے میں تنبیہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں تا کہ تمہاری دعا قبول ہو۔ (تفسیر منیر: 261/6) (4) ﴿ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ’’ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا‘‘ یعنی ہمیں ظالموں کے لیے نشانہ ستم نہ بنانا، انہیں ہم پر غلبہ نہ دینا۔ اے اللہ! ہمیں فرعونیوں کے عذاب سے بچا۔ انہیں ہم پر مسلط نہ فرمانا کہ وہ ہمیں فتنے میں ڈال کر حق سے بہکا دیں۔

﴿ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (86) ﴾

’’ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر لوگوں سے نجات دے۔‘‘ (86)

سوال 1: ﴿ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ’’ اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر لوگوں سے نجات دے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ ﴾ ’’ اور اپنی رحمت سے ہمیں نجات دے‘‘ یعنی اے اللہ ہمیں اپنی رحمت سے، اپنے احسان سے بچا لے۔ (2) ﴿ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ’’ کافر لوگوں سے‘‘ ان لوگوں سے جو حق کا علم نہیں رکھتے، جو حق کو چھپاتے ہیں تا کہ ہم ان کے شر سے بچ سکیں۔ یا اللہ ہمارا تجھ پر ایمان ہے، ہم تجھ پر توکل کرتے ہیں ہماری حفاظت فرما تا کہ ہم اپنے دین پر عمل کریں اور شریعت کے احکامات کو قائم کر سکیں۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنا کہ ’’ ہمیں کافروں سے نجات دے دے‘‘ اللہ تعالیٰ پر توکل کے خلاف تو نہیں؟

جواب: (1) یہ دعا عین توکل اور بھروسے کا اظہار ہے۔ (2) مومن آزمائش کا مطالبہ نہیں کرتا لیکن اگر آزمائش آ جائے تو ثابت قدم رہتا ہے۔

﴿ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (87) ﴾

’’ اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی کی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں چند گھروں کو ٹھکانا مقرر کر لو اور اپنے انہی گھروں کو مسجد بناؤ اور نماز قائم کرو اور ایمان والوں کو خوش خبری دے دو۔‘‘ (87)

سوال 1: ﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ’’ اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی کی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں چند گھروں کو ٹھکانا مقرر کر لو اور اپنے انہی گھروں کو مسجد بناؤ اور نماز قائم

کرواورایمان والوں کوخوش خبری دے دو' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ** ﴾'' اور ہم نے موسیٰ اوراس کے بھائی کو وحی کی'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی دعا پر کیسے فرعون اور اس کے مظالم سے نجات دلائی۔(2) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو حکم دیا۔(3)﴿ **اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا** ﴾'' کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں چند گھروں کوٹھکانا مقرر کرلو'' کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور انہیں وہاں ٹھہراؤ یعنی وہ کچھ گھروں میں چھپ سکیں۔(4) ﴿ **وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً** ﴾'' اور اپنے انہی گھروں کومسجد بناؤ'' یعنی جب موسیٰ اوران کی قوم کے ساتھ معاملہ زیادہ سخت ہو گیا اور قوم نے انہیں آزمائش میں ڈالنا چاہا اور کنیسوں اور عام عبادت گاہوں میں عبادت ممکن نہ رہی تو حکم دیا کہ گھروں کونماز کی جگہ بنالو۔کچھ گھروں کوقبلہ بنانا بنی اسرائیل کی تربیت کے لیے تھا۔یہ روحانی اور انتظامی تیاری کے لیے ناگزیر تھا۔عملی اقدام سے پہلے افراد اور جماعت کی تیاری کی ضرورت تھی ۔(5)﴿ **قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ** ﴾'' اور نماز قائم کرو'' یعنی اس طرح نماز قائم کرو جیسے تمہیں سکھائی گئی ہے۔(6) نماز قائم کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ نماز تمام معاملات میں بندے کی مددگار ہوتی ہے۔اسی لیے فرمایا:﴿ **وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ** ﴾ اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگو۔(البقرۃ:45)(7)﴿ **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴾'' اور ایمان والوں کوخوش خبری دے دو'' یعنی ایمان والوں کو دنیا میں نصرت اور آخرت میں جنت کی بشارت دے دو۔(8) انہیں دین کے غالب آنے کی خوش خبری دے دو۔(9) ایمان لانے والوں کے لیے نظام صلوٰۃ کے توسط سے خوش خبری دی گئی کہ اس پروگرام کی تکمیل میں ان کی کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے۔

سوال2: اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا تجربہ کیوں بیان کیا ہے؟

جواب:(1) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے تجربے کونمونہ بنانے کے لیے۔(2) یہ ایک خالص ایمانی تجربہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں داعیوں کو ایسے طاغوت کا مقابلہ کرنا پڑسکتا ہے فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر پابندیاں لگا دی تھیں اس وقت ٹکراؤ کی بجائے چھوٹے دعوتی مراکز میں خاموشی کے ساتھ کام کروایا گیا۔(3) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسے حالات درپیش آئے تھے اور آج کل بھی طاغوت کا دور دورہ ہے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے تجربے میں ہمارا لیے نمونہ ہے۔

سوال3: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے تجربے کی خاص باتیں کیا ہیں؟

جواب:(1) پاکیزہ اور سچے مومنوں کوشر اور فساد سے الگ کیا جائے۔(2) جولوگ پاک معاشرے کے قیام کے لیے تیار ہوں ان کومنظم کرکے ان کی تربیت کی جائے۔

سوال4: زمین پر ہونے والی تبدیلیاں کیسے اثر انداز ہوئیں؟

جواب: سیدنا موسیٰ کی کوشش اور رب کا فیصلہ تھا اس لئے کوششیں اثر انداز ہوئیں۔

﴿ **وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ** ۚ

﴿ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤى اَمۡوَالِهِمۡ وَ اشۡدُدۡ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡا حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ(88) ﴾

''اور موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے رب! بلاشبہ آپ نے فرعون کواوراس کے سرداروں کودنیا کی زندگی میں زینت اوراموال دیے ہیں اے ہمارے رب! تاکہ وہ لوگوں کوآپ کی راہ سے بھٹکا دیں؟ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کومٹادے اوران کے دلوں پرسخت گرہ لگادے،سووہ ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔''(88)

سوال1: ﴿ وَقَالَ مُوۡسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَهٗ زِيۡنَةً وَّاَمۡوَالًا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِكَ ﴾ ''اور موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے رب! بلاشبہ آپ نے فرعون کواوراس کے سرداروں کودنیا کی زندگی میں زینت اوراموال دیے ہیں۔اے ہمارے رب! تاکہ وہ لوگوں کوآپ کی راہ سے بھٹکا دیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَقَالَ مُوۡسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَهٗ زِيۡنَةً وَّاَمۡوَالًا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ﴾ ''اور موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے رب! بلاشبہ آپ نے فرعون کواوراس کے سرداروں کودنیا کی زندگی میں زینت اوراموال دیے ہیں'' سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرعون اوراس کے سرداروں کے حق کو ٹھکرانے،کفراورشرک پر جمے رہنے اورظلم اورغرور وتکبر سے حق کا مقابلہ کرنے پران کے لیے جب بددعا کی تو کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کا سارا ساز وسامان دیا، بے شمار دولت، سجے،سجائے گھر،اعلیٰ سواریاں، زیورات،طرح طرح کے لباس،غلام اور دنیاوی آرائشیں۔(2) ﴿ رَبَّنَا لِيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِكَ ﴾ ''اے ہمارے رب! تاکہ وہ لوگوں کوآپ کی راہ سے بھٹکا دیں؟'' سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا کہ ان کے بے شمار مال سے لوگوں کو یہ خیال گزرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں ورنہ یہ مال ودولت انہیں کیسے ملتا؟ (3) اے ہمارے رب! تو جانتا ہے کہ یہ تجھ پر، تیرے رسولوں پرایمان لانے والے نہیں تو نے استدراج کے طور پرانہیں سب کچھ دے رکھا ہے مگرلوگ گمراہ ہوجائیں گے۔(4) اس مال سے وہ خود گمراہ ہوتے اوردوسروں کوگمراہ کرتے ہیں۔

سوال2: جولوگ آخرت کی فکرکرتے ہیں وہ کس میدان میں دوسروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں؟

جواب: جولوگ آخرت کی فکرکرتے ہیں وہ عام طور پردنیا کے مال واسباب کے حصول میں ان لوگوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں جوآخرت کوبھول کردنیا کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

سوال3: جن لوگوں کے پاس مادی وسائل ہوتے ہیں وہ ان کوحق کودبانے میں کیوں استعمال کرتے ہیں؟

جواب: جن لوگوں کے پاس مادی وسائل ہوتے ہیں وہ اپنی بڑائی کے احساس میں مبتلا ہوجاتے ہیں وہ حق کو پہچاننے کی صلاحیت کوکھودیتے ہیں اوراپنے وسائل کواللہ تعالیٰ کا انعام سمجھنے کے بجائے اپنا ذاتی کمال سمجھتے ہیں اس لیے وہ مال کوحق کودباکراپنی برتری قائم کرنے میں لگا دیتے ہیں۔

سوال4: مادی وسائل رکھنے والوں کے دباؤ کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

جواب:(1) دباؤ کے نتیجے میں لوگوں کا ایمان متزلزل ہوتا ہے۔(2) دباؤ کے نتیجے میں لوگ مادی وسائل، حیثیت اور مرتبے سے متاثر ہو جاتے ہیں اور وہی کام کرتے ہیں جو یہ وسائل والے کرتے ہیں۔

سوال5: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے کیا جھلک رہا ہے؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کی قوم کی ذہنیت اور قوم کے حالات جھلک رہے ہیں۔

سوال6: ﴿ **رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ** ﴾ ''اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے، سو وہ ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ دردناک عذاب دیکھ لیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ **رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ** ﴾ ''اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو مٹا دے''، یعنی ان کے مال و دولت کو پتھر بنا دے جس سے یہ فائدہ نہ اٹھا پائیں۔(2) سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی کھجوریں، پھل اور کھانے بھی پتھر کے کر دیے۔ یہ نو میں سے ایک نشانی تھی۔(زادالمسیر :49/4)(3) نبی کی بددعا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے سونے چاندی کے سکے پتھر کے بنا دیے اور ان پر نقوش بدستور باقی رہے اور اناج کی بالیوں میں بجائے دانوں کے سنگریزے پیدا ہو گئے۔(مختصر ابن کثیر: 812/1)(4)﴿ **وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** ﴾ ''اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے''، یعنی ان کے دلوں پر مہر لگا دیں۔(5)﴿ **فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ** ﴾ ''سو وہ ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ دردناک عذاب دیکھ لیں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے قانون کی توہین اور دین کی بے حرمتی کی وجہ سے ان پر بددعا کی تھی۔(6) انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک دیا تھا۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب کی کامل معرفت حاصل تھی کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایمان کا دروازہ بند کر کے ان کو ان کی بداعمالیوں کی سزا دے گا۔(تفسیر سعدی: 1165/2)

سوال7: ایک داعی کن حالات میں ان لوگوں کو چھوڑ سکتا ہے جن کی وہ دعوت دیتا ہے؟

جواب: ایک داعی تب تک لوگوں کو چھوڑ سکتا ہے جب اسے ان لوگوں سے ایمان لانے کی اور توبہ کرنے کی کوئی امید نہ رہے جن کو وہ دعوت دیتا ہے۔

﴿ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ(89) ﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی چنانچہ تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان کے راستے کی ہرگز اتباع نہ کرو جو نہیں جانتے۔''(89)

سوال1:﴿ **قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی

چنانچہ تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان کے راستے کی ہرگز اتباع نہ کرو جو نہیں جانتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا** ﴾ '' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی'' اس آیت میں دونوں کی دعا قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے جاتے تھے اور سیدنا ہارون علیہ السلام اس پر آمین کہتے جاتے تھے۔ جو شخص دعا کرنے والی کی دعا پر آمین کہتا ہے وہ دعا میں شریک ہوتا ہے۔ (2) ان دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، فیصلہ ہو گیا کہ اب فرعون اور اس کی قوم کو تباہ کر دیا جائے گا۔ (3) ﴿ **فَاسْتَقِیْمَا** ﴾ '' چنانچہ تم دونوں ثابت قدم رہو'' یعنی تم اپنے دین پر جمے رہو اور توحید کی دعوت پھیلاتے رہو۔ (4) ﴿ **وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ** ﴾ '' اور ان کے راستے کی ہرگز اتباع نہ کرو جو نہیں جانتے'' یعنی جاہلوں کے راستے پر نہ چلنا جنہوں نے جہنم کا راستہ اختیار کر لیا۔ اس دعا کے بعد فرعون چالیس دن تک زندہ رہا۔ (مختصر ابن کثیر: 812/1)

﴿ **وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** (90) ﴾

'' اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب اس نے غرق ہونے کو پالیا تو اس نے کہا کہ میں ایمان لایا اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔'' (90)

سوال 1: ﴿ **وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا** ﴾ '' اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ** ﴾ '' اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار گزار دیا'' یعنی انہوں نے جب سمندر پار کیا اور یہ اس طرح ہوا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر پر اپنا عصا مارا تو سمندر پھٹ گیا اور بارہ راستے بن گئے اور بنی اسرائیل پار چلے گئے۔ (2) ﴿ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ﴾ '' تو فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا'' فرعون نے ظلم اور زیادتی کے ساتھ لشکر جمع کیے۔ جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی سمندر کے درمیان میں پہنچے تو فرعون اور اس کے لشکر ان کا پیچھا کرتے ہوئے داخل ہو گئے۔

سوال 2: ﴿ **حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** ﴾ '' یہاں تک کہ جب اس نے غرق ہونے کو پالیا تو اس نے کہا کہ میں ایمان لایا اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَکَهُ الْغَرَقُ ﴾ '' یہاں تک کہ جب اس نے غرق ہونے کو پالیا'' جب موسیٰ علیہ السلام اوران کے ساتھی سمندر سے باہر نکل گئے اور فرعون اوراس کے ساتھی سمندر کے بیچوں بیچ پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اور فرعون اوراس کے لشکر سمندر کی گرفت میں آئے یوں وہ غرق ہوگئے۔(2) جب فرعون غرق ہونے لگا اوراسے علم ہوگیا کہ اس کی ہلاکت یقینی ہے تو وہ پکار اٹھا: ﴿ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ ﴾ '' تواس نے کہا کہ میں ایمان لایا اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی حقیقی معبود ہے۔،اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔(3) ﴿ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ '' اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کو،اس کے رسولوں اور اس دین کو مانتا ہوں جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے۔(4) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔انہوں نے بتایا کہ اسی دن موسی علیہ السلام کو فرعون پر فتح ملی تھی۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ موسی علیہ السلام کے ہم ان سے بھی زیادہ مستحق ہیں،اس لئے تم بھی روزہ رکھو۔(بخاری:4680) (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٤٠﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴾ تو ہم نے اسے اوراس کے لشکروں کو پکڑ لیا، پھران کو سمندر میں پھینک دیا سو آپ دیکھیں ظالموں کا کیسا انجام تھا۔اور ہم نے انہیں ایسے راہ نما بنادیا جو آگ کی طرف بلاتے تھے،اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی ہے اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔(القصص:42-40) (6) ﴿ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴾ چنانچہ ہم نے اسے اوراس کے لشکروں کو آ پکڑا، پھر ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا اس حال میں کہ وہ قابل ملامت کام کرنے والا تھا۔(الذاریات:40) (7) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو اس نے کہا: میں اس اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تو جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے محمد! کاش آپ اس وقت مجھے دیکھتے کہ میں اس کے منہ میں کیسے کیچڑ ٹھونس رہا تھا،اس خیال سے کہ کہیں اس کی بات پوری ہونے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی دست گیری نہ کرے۔'' (ترمذی:3107)

سوال3: سمندر کے دوحصوں میں بٹنے میں فرعون کے لیے کیا پیغام تھا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔(3) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

سوال4: فرعون نے اس واقعے سے سبق کیوں نہیں لیا؟

جواب: فرعون نے ظاہر میں سمندر کو دیکھا مگر رب العالمین کو نہ پہنچانا اس وجہ سے اس واقعے نے اس کی سرکشی میں اضافہ کردیا۔

﴿ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (91) ﴾

’’کیا اب؟ حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔‘‘(91)

سوال1: ﴿ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ’’کیا اب؟ حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ آٰلْـٰٔنَ ﴾ ’’کیا اب؟‘‘ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ واضح فرماتے ہوئے کہ موت کے وقت ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا یہ فرمایا کہ اب تم ایمان لاؤ گے اور اب موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا یقین کرو گے؟ (2) ﴿ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ ﴾ ’’حالانکہ بلاشبہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی‘‘ یعنی اس سے پہلے تو تم نے جی بھر کے نافرمانیاں کیں، ظلم کیے اور لوگوں کو گمراہ کیا۔ (3) ﴿ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ’’اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا‘‘ یعنی شہروں میں، انسانوں پر ظلم کرتا رہا اور شر اور فساد پھیلاتا رہا۔ (4) اب ایمان لانا کیسے نفع مند ہوسکتا ہے جب کہ تو نے موت کا مشاہدہ ہی کرلیا۔ ایمان تو وہی مفید ہے جو غیب پر ہو۔

﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (92) ﴾

’’سو آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی بن جائے اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے یقیناً غافل ہیں۔‘‘(92)

سوال1: ﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ﴾ ’’سو آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی بن جائے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ ﴾ ’’سو آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے‘‘ یعنی ہم تیری لاش کو نجوۃ (اونچی جگہ) پر ڈال دیں گے جس کو سب دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ (بخاری کتاب التفسیر) (2) یعنی تیرے بدن کو بچائیں گے، روح کو نہیں۔ (3) ﴿ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ﴾ ’’تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی بن جائے‘‘ یعنی تم بعد والی کافر قوموں کے لیے عبرت بن جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ (تفسیر قاسمی: 75/9) (4) مفسرین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے دلوں پر فرعون کا رعب اور دہشت چھائی ہوئی تھی۔ گویا انہیں فرعون کے ڈوبنے کا یقین نہیں آ رہا تھا اور اس بارے میں انہیں شک تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ فرعون کی لاش کو کسی بلند جگہ پر ڈال دے، تاکہ وہ لوگوں کے لیے نشان عبرت بن جائے۔ (تفسیر سعدی: 1166،1167/2) (5) آج تک جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر اس مقام کی نشاندہی کی جاتی ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس زمانے میں اس مقام کو جبل فرعون یا حمام فرعون کہا جاتا ہے اس کی جائے وقوع ابوزنیمہ (جہاں تانبے وغیرہ کی کانیں ہیں) سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے آج قاہرہ کے عجائب گھر میں جن فراعنہ کی لاشیں موجود ہیں۔ ان میں لاش کو اسی فرعون کی لاش بتایا جاتا ہے۔ 1907ء میں جب فراعنہ کی یہ

لاشیں دریافت ہوئی تھیں تواس فرعون کی لاش پرنمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جوسمندر کے کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی کھلی علامت تھی۔(اشرف الحواشی:263/1)

سوال2: ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾ ''اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے یقیناً غافل ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کی نشانیاں لوگوں کے سامنے آتی ہیں لیکن وہ بے پرواہ رہتے ہیں ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔(2)فرعون اپنی قوم کے ساتھ محرم کی دسویں تاریخ کو ہلاک ہوا۔(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ پوچھا: اس تاریخ کو روزہ کیوں رکھتے ہو؟ بولے اس تاریخ کو موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آگئے تھے۔آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم بہ نسبت یہودیوں کے موسیٰ علیہ السلام کی سنت کو زندہ رکھنے کے زیادہ حق دار ہو لہٰذا تم بھی اس تاریخ کا روزہ رکھا کرو۔(مختصر ابن کثیر:831/1)

سوال3: بدن کو بچانے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)اس سے مراد یہ ہے کہ اس بدن کو مچھلیاں نہیں کھائیں گی۔(2)اس کی پہچان ختم نہیں ہوگی سب لوگوں کے لے باعث عبرت رہے گی۔

سوال4: غافل لوگ کیا کرتے ہیں؟

جواب:(1)غافل لوگ اپنی قوت پر نازاں ہوتے اور تکبر مبتلا ہوتے ہیں۔(2)غافل اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے،غور وفکر نہیں کرتے ہیں۔

رکوع نمبر:15

﴿ وَ لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ(93) ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانا دیا تھا، باعزت ٹھکانا اور انہیں پاک چیزوں میں سے رزق دیا تھا تو انہوں نے باہم اختلاف نہیں کیا حتیٰ کہ ان کے پاس علم آ گیا، یقیناً آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے روز اس کا فیصلہ کردے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''(93)

سوال1: ﴿وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانا دیا تھا باعزت

ٹھکانا اور انہیں پاک چیزوں میں سے رزق دیا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانا دیا تھا باعزت ٹھکانا'' اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر جو انعامات کیے ان کو بیان فرمایا ہے کہ ہم نے انہیں شہروں میں اور بیت المقدس کے اردگرد جگہ دی۔ (2) اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو آل فرعون کے مسکنوں میں آباد کیا اور ان کو آل فرعون کی اراضی اور ان کے گھروں کا مالک بنادیا۔ (تفسیر سعدی: 1167/2) (3) بنی اسرائیل فرعون کی ساری سلطنت پر قابض ہو گئے۔ ﴿وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ﴾ اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے انہیں ہم نے اس زمین کے مشرقوں اور اس کے مغربوں کا وارث بنادیا، جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کی بہترین بات بنی اسرائیل پر پوری ہوگئی کیونکہ انہوں نے صبر کیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ تباہ کردیا جو (محلّات) وہ بناتے تھے اور جو عمارتیں وہ بلند کرتے تھے۔ (الاعراف: 137) (مختصر ابن کثیر: 814/1) (4) ﴿وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ الطَّيِّبَٰتِ﴾ ''اور انہیں پاک چیزوں میں سے رزق دیا تھا''یعنی پاکیزہ، دل پسند اور لذیذ چیزیں کھانے کو دیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثیر پھل، جانور، خشکی اور تری کا شکار دیا۔ (5) اللہ تعالیٰ نے انہیں حلال روزی دی جو طبیعت کو بھی بھائے اور جسے شریعت بھی سراہے۔

سوال 2: ﴿فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ ''تو انہوں نے باہم اختلاف نہیں کیا حتیٰ کہ ان کے پاس علم آ گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَا اخْتَلَفُوا﴾ ''تو انہوں نے باہم اختلاف نہیں کیا''یعنی انہوں نے حق کے بارے میں اختلافات کیے۔ (2) انہوں نے اپنے دینی امور کے بارے میں اختلافات کیے اور مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئے حالانکہ پہلے وہ ایک ہی طریقے پر تھے جس میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ (فتح القدیر: 519/2) (3) بنی اسرائیل اپنی خواہشات کے پیچھے لگ گئے جو حق کے مخالف تھیں۔ انہوں نے ایک دوسرے پر ظلم کیا تو ان کے درمیان بہت زیادہ اختلاف ہو گیا۔ (4) علم بنی اسرائیل کو متحد رکھے ہوئے تھا مگر جب انہوں نے علم پر خواہشات کو ترجیح دی تو ان میں اختلافات پیدا ہو گئے۔

سوال 3: بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے کب پرامن اور مضبوط اصولوں پر چلنے والے معاشرے میں خوش حال زندگی گزارنے کا موقع دیا؟

جواب: مصر میں فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد صحرائے سینا میں خصوصی تربیت کے ذریعے ایک طاقت ور نسل تیار کی گئی اس نسل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام وفات کے بعد عظیم فتوحات حاصل کیں پھر شام، اردن اور فلسطین میں بنی اسرائیل کی سلطنت قائم کی جس کو امن بھی ملا۔ سچائی کے اصولوں پر معاشرہ قائم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین معاشی سہولتیں عطا کیں۔ کئی سو سال تک یہ سلطنت قائم رہی۔

سوال 4: اس احسان کا نتیجہ کیا ہونا چاہیے تھا؟

جواب: اس احسان کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ بنی اسرئیل شکر گزار ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کو اپنا مقصد زندگی بناتے مگر علم ہونے

کے باوجود وہ صراط مستقیم سے ہٹ گئے۔

سوال5: اختلافات کیوں ہوتے ہیں؟

جواب: (1) لاعلمی کی بنیاد جس کا علاج علم ہے۔(2) جو علم آنے کے بعد اختلاف آتا ہے اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

سوال6: کسی قوم میں اتحاد اور اتفاق کب تک رہتا ہے؟

جواب: جب تک کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ''العلم'' دین پر قائم رہتی ہے۔ اتحاد قائم رہتا ہے۔

سوال7: اتحاد کے بعد اختلاف کیسے شروع ہوتا ہے؟

جواب: اختلاف ''العلم'' کی تشریح سے شروع ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایک رائے کو لے لیتے ہیں اور باقی لوگ دوسری رائے لے لیتے ہیں۔ پھر اپنی رائے کو درست ثابت کرنے کے لیے بحث مباحثہ ہوتے ہیں۔ مناظرے ہوتے ہیں حتیٰ کہ ''العلم'' کو ایک طرف کر دیا جاتا ہے۔ یوں لوگ بنیادی تعلیمات سے الگ ہو کر جزوی اختلافات کی تعلیم میں لگ جاتے ہیں اور اختلاف شدید ہو جاتا ہے۔

سوال8: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ ''یقیناً آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے روز اس کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ ''یقیناً آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے روز اس کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے'' آپ کا رب ان کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ کرے گا تو حق باطل سے جدا ہو جائے گا۔(2) اللہ تعالیٰ فیصلے کے دن اہل حق کو نجات دے کر اور اہل باطل کو ہلاک کر کے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرے گا۔(3) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی حکمت عدل سے جو علم کامل اور قدرت شاملہ سے جنم لیتی ہے، قیامت کے روز ان کے اختلاف کا فیصلہ کرے گا۔ یہی وہ بیماری ہے، جس سے دین صحیح کے پیروکاروں کو سابقہ پڑتا ہے۔ شیطان جب کلی طور پر بندوں کو اپنی اطاعت کروانے اور دین ترک کروانے سے عاجز آجاتا ہے، تب وہ ان کے درمیان اختلافات ابھارتا ہے اور ان کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیتا ہے اس طرح وہ ان میں اختلافات پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جو شیطان کا مقصد پورا کرنے کا موجب بنتے ہیں، پھر ایک دوسرے پر گمراہی کے فتوے لگانے سے ایک دوسرے کے خلاف عداوت پیدا ہوتی ہے اور یہ چیز اس لعین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ورنہ جب ان کا رب ایک ہے، ان کا رسول ایک ہے، ان کا دین ایک ہے اور ان کے مصالح عامہ بھی متفق علیہ ہیں، پھر کس لئے وہ ایسے اختلافات میں مبتلا ہوتے ہیں جو ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرتے ہیں، ان کے اتحاد کو پراگندہ کرتے ہیں، ان کے ظلم اور ربط کی رسی کو کھول دیتے ہیں اور یوں ان کے دینی اور دنیاوی مصالح فوت ہو جاتے ہیں اور اختلافات کے سبب سے دین کے بہت سے امور معدوم ہو جاتے ہیں۔ اے اللہ! ہم تیرے مومن بندوں کے لیے تیرے لطف وکرم کا سوال کرتے ہیں، جو ان کے بکھرے ہوئے امور کا مجتمع کر دے، جو ان کے درمیان حائل خلیج کو پر کر دے، جو ان کے

دوراورنزدیک کے لوگوں کو اکٹھا کردے۔یاذالجلال و الاکرام۔(تفسیر سعدی:1168،1167/2)

سوال9: کیا دنیا میں اختلافات ختم نہیں ہو سکتے ؟

جواب: دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ڈر سے لوگ ایک رائے تک پہنچ سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے بے خوف رہنے کی وجہ سے اختلافات ختم نہیں ہوتے۔

﴿ فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ(94) ﴾

’’پھر اگر آپ اس بارے میں کسی شک میں ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بلاشبہ یقیناً آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق ہی آیا ہے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔‘‘(94)

سوال1: ﴿ فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾’’ پھر اگر آپ اس بارے میں کسی شک میں ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ ﴾’’ پھر اگر آپ اس بارے میں کسی شک میں ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے‘‘یعنی اگر آپ کو شک ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل کیا ہے وہ درست ہے یا نہیں۔(2)﴿ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾’’ تو آپ ان لوگوں سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں‘‘یعنی آپ ﷺ اہل کتاب اور انصاف کرنے والے لوگوں اور پختہ علم والوں سے اللہ تعالیٰ کی وحی کے بارے میں پوچھیں جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی تو وہ کتاب کے نازل ہونے کی گواہی دیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر دور میں آنے والی ہدایت کے سلسلے کی کڑی ہے اور اسی ہدایت کے مطابق ہے جو پہلے اہل کتاب کے پاس موجود ہے۔(3) جب یہ آیت اتری تو محمد ﷺ نے فرمایا: نہ مجھے شک ہے نہ میں کسی سے پوچھوں گا، آیت سے غرض یہ ہے کہ امت کے ایمان مضبوط ہو جائیں اور انہیں بتا دیا جائے کہ ان کے پیارے نبی کی صفتیں آسمانی کتابوں میں جو اہل کتاب کے ہاتھوں میں موجود ہیں جیسے اس آیت میں فرمایا: **﴿ اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ ۫ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِهٖ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾** لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امی نبی ہے، جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور اُن پر سے ان کے وہ بوجھ اور طوق اتارتا ہے جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انہوں نے اس

کوقوت دی اوراس کی مدد کی اوراس نور کی اتباع کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔(الاعراف:157)

سوال 2: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اہل کتاب، یعنی یہود ونصاریٰ میں سے بہت سے لوگوں نے، بلکہ ان میں سے اکثر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی، آپ سے عناد رکھا اور آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اہل کتاب سے اپنی صداقت پر گواہی لیں اور ان کی گواہی کو اپنی دعوت پر حجت اور اپنی صداقت پر دلیل بنائیں، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: اس کا جواب متعدد پہلوؤں سے دیا جاتا ہے۔(1) جب شہادت کی اضافت کسی گروہ، کسی مذہب کے ماننے والوں یا کسی شہر کے لوگوں کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا اطلاق صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو ان میں عادل اور سچے ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر لوگ خواہ اکثریت ہی میں کیوں نہ ہوں، ان کی شہادت معتبر نہیں، کیونکہ شہادت، عدالت اور صدق پر مبنی ہوتی ہے اور یہ مقصد بہت سے ربانی احبار کے ایمان سے حاصل ہو گیا تھا، مثلاً عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب اور بہت سے دیگر اہل کتاب جو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء کے عہد میں اور بعد کے زمانوں میں ایمان لاتے رہے۔(2) رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر اہل کتاب کی شہادت دراصل ان کی کتاب تورات، جس کی طرف یہ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں، کے بیان پر مبنی ہے جب تورات میں ایسا مواد موجود ہو جو قرآن کی موافقت اور اس کی تصدیق کرتا ہو اور اس کی صحت کی شہادت دیتا ہو، تب اگر اولین وآخرین تمام اہل کتاب اس کے انکار پر متفق ہو جائیں، تو ان کا یہ انکار رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن میں قادح نہیں۔(3) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ اپنے لائے ہوئے قرآن کی صداقت پر اہل کتاب سے استشہاد کریں اور ظاہر ہے کہ یہ حکم علی الاعلان دیا گیا تھا اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اہل کتاب میں بہت سے لوگ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے ابطال کے بڑے حریص تھے۔ اگر ان کے پاس کوئی ایسا مواد موجود ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو رد کرسکتا، تو وہ ضرور اسے پیش کرتے، چونکہ ان کے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی اس لئے دشمنوں کا عدم جواب اور مستجیب کا اقرار اس قرآن اور صداقت پر سب سے بڑی دلیل ہے۔(4) اکثر اہل کتاب ایسے نہ تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو رد کر دیا، بلکہ ان میں سے اکثر ایسے لوگ تھے جنھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا تھا اور انہوں نے اپنے اختیار سے آپ کی اطاعت کی، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو روئے زمین پر اکثر لوگ اہل کتاب تھے۔ اسلام پر زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ شام، مصر، عراق اور ان کے آس پاس کے علاقوں کے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے، یہ ممالک اہل کتاب کے مذہب کا گڑھ تھے۔ اسلام قبول کرنے سے صرف وہی لوگ باقی رہ گئے تھے جن کے پاس سرداریاں تھیں اور جنھوں نے اپنی سرداریوں کو حق پر ترجیح دی تھی، نیز وہ لوگ باقی رہ گئے جنھوں نے ان سرداروں کی پیروی کی جو حقیقی طور پر نہیں، بلکہ برائے نام اس دین کی طرف منسوب تھے، مثلاً فرنگی، جن کے دین کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دہریے ہیں اور تمام انبیاء ومرسلین کے مذاہب کے دائرے سے خارج ہیں وہ صرف ملکی رواج کے طور پر اور اپنے باطل پر ملمع کی خاطر دین مسیح کی طرف منسوب ہیں۔ جیسا کہ ان کے حالات کی معرفت رکھنے والے جانتے ہیں۔(تفسیر سعدی:2/1168،1169)

سوال3: اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات کیوں کہی گئی اگر تمہیں شک ہے اس چیز کے بارے میں جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے؟

جواب: واقعہ معراج کے بعد کفار نے پروپیگنڈے کا طوفان کھڑا کردیا تھا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب انتقال کر چکے تھے اور اہل ایمان پر سختیاں شدید ہو چکی تھی اور اسلام کی دعوت سخت دشمنی کی وجہ سے ٹھٹھر کر رہ گئی تھی ان حالات کا رسول اللہ ﷺ پر اثر تھا اس لیے آپ کو تسلی دی گئی کہ آپ ﷺ کے پاس حق ہی آیا ہے۔

سوال4: کیا حق کی طرف دعوت دینے والوں پر یہ شبہ گزرتا ہے کہ کہیں وہ غلطی پر تو نہیں؟

جواب: دعوت دینے والا جب حق کی بے وقعتی دیکھتا ہے تو کبھی کبھی اس پر یہ شبہ گزرتا ہے کہ میں غلطی پر تو نہیں۔ ایک سچے داعی کو اس نفسیانی کمزوری سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سوال5: ﴿ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴾ ''بلاشبہ یقیناً آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق ہی آیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ ''بلاشبہ یقیناً آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق ہی آیا ہے'' رب العزت نے فرمایا: آپ ﷺ کے پاس حق آیا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ایک کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے چنانچہ آپ کے دل میں اس سے کوئی تنگی نہ ہو، تاکہ آپ اس کے ذریعے سے خبردار کریں اور مؤمنوں کے لئے نصیحت ہے۔ (الاعراف:2) (2) قرآن حق ہے، نبی ﷺ کی نبوت حق ہے۔ قرآن وسنت کے دلائل یہ ثابت کرتے ہیں۔ (3) ﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴾ ''سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں'' لہٰذا آپ اسلام کی صحت پر شک نہ کریں۔ وہ دین حق جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے: ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔ (ایسر التفاسیر:623) (4) ''ممترین میں سے نہ ہو جاؤ'' سے مراد ہے کہ مسلسل حالت شک میں نہ رہو شک دور کرنے کی کوشش کرو۔ جو کوشش کرتا ہے وہ ممترین میں سے نہیں رہتا۔

﴿ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (95) ﴾

''اور آپ ہرگز ان لوگوں میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلا دیا ورنہ آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' (95)

سوال1: ﴿ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''اور آپ ہرگز ان لوگوں میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلا دیا ورنہ آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا ﴾ ''اور آپ ہرگز ان لوگوں میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلا دیا'' اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کو روکا ہے کہ اے نبی! آپ ﷺ ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کہ اس نے انسانیت کی ہدایت کے لیے رسول بھیجے۔ اگر آپ ﷺ ان لوگوں میں سے ہوئے تو ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جنہوں نے دنیا اور آخرت کا خسارہ پایا۔ (تفسیر منیر: 283/6) (2) ﴿ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی آیات کو'' اللہ تعالیٰ کی آیات واضح ہیں جن کو کسی بھی اعتبار سے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ (3) ﴿ فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴾ ''ورنہ آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے''، یعنی قیامت کے دن آپ ﷺ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (4) اور تکذیب کا نتیجہ خسارہ ہے اور وہ ہے منافع کا بالکل معدوم ہونا اور یہ خسارہ دنیا و آخرت کے ثواب کے فوت ہونے اور دنیا و آخرت کے عذاب سے لاحق ہوتا ہے۔ کسی چیز سے روکنا دراصل اس کی ضد کا حکم دینا ہے۔ تب قرآن کی تکذیب سے منع کرنا درحقیقت قرآن کی تصدیق کامل، اس پر طمانیت قلب اور علم وعمل کے اعتبار سے اس کی طرف توجہ دینے کا نام ہے اور یوں بندہ مومن نفع کمانے والوں میں شامل ہو جاتا ہے جو جلیل ترین مقاصد، بہترین خواہشات اور کامل ترین مناقب کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اس خسارے کی نفی ہو جاتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1170/2)

سوال 2: اللہ رب العزت نے قرآن مجید کے بارے میں کن چیزوں سے منع کیا ہے؟

جواب: ان دونوں آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن کریم کے بارے میں) دو چیزوں سے منع کیا ہے: (1) قرآن مجید میں شک کرنا اور اس کے بارے میں جھگڑنا۔ (2) اور اس سے بھی شدید تر چیز اس کی تکذیب کرنا ہے، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی واضح آیات ہیں جن کو کسی لحاظ سے بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ (تفسیر سعدی: 1170/2)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: انسان کی عقل اگر اللہ تعالیٰ کی آیات کی سچائی پر گواہی دے مگر لوگوں کی بے توجہی اور مخالفت کی وجہ سے انسان آیات کو چھوڑ دے تو یہی آیات کو جھٹلانا ہے۔

سوال 4: رسول اللہ ﷺ پر جو کلام اترا برحق ہے اس میں کوئی شک نہیں پھر لوگ اس کو کیوں جھٹلاتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جو ہدایت حاصل کرنا چاہے اور اس کے لیے کوشش کرے اسے ہدایت دی جائے گی۔ جو شخص ہدایت کو حاصل کرنے کے لیے کوئی ذریعہ اختیار نہیں کرے گا اسے ہدایت نہیں دی جائے گی۔ ایسے لوگ سن کر نہیں سنتے، دیکھ کر نہیں دیکھتے اگرچہ ان کے سامنے بے شمار دلائل پیش کیے جائیں وہ ایمان نہیں لاتے۔

سوال 5: کون سا شخص خسارے میں جا پڑتا ہے؟

جواب: جو انسان سچائی کی دلیل کا حق ادا نہ کرے اسے جھٹلا دے تو وہ نقصان میں پڑ جاتا ہے۔

سوال6: سچائی کی دلیل کا حق کیا ہے؟

جواب: سچائی کی دلیل کا حق یہ ہے کہ اسے مانا جائے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡہِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ (96) ﴾

''یقیناً جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' (96)

سوال1: ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡہِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ ''یقیناً جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡہِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ ﴾ ''یقیناً جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی'' یعنی جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ واجب ہوگئی۔ یہی بات لوح محفوظ میں ہے۔ (ایسر التفاسیر:623) (2) ﴿ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ ''وہ ایمان نہیں لائیں گے'' مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ان پر ثابت ہوگئی۔ (فتح القدیر:594/2) (3) یعنی وہ لوگ جن پر یہ بات صادق آئی کہ وہ گمراہ، بھٹکے ہوئے اور جہنمی ہیں، تو یہ لابدی ہے کہ وہ وہی کچھ کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر میں مقدر ہو چکا ہے اگر ان کے پاس ہر قسم کی نشانی اور معجزہ بھی آجائے، تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ آیات ومعجزات ان کی سرکشی اور گمراہی میں اضافہ ہی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلا کر، جب حق ان کے پاس پہلی مرتبہ آیا خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ ان کے دلوں پر، کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی۔ (تفسیر سعدی:1170/2)

سوال2: ایک انسان سچائی کے دلائل مل جانے پر بھی اس پر یقین کیوں نہیں کرتا؟

جواب: انسانی نفسیات ہے ایک بار انسان کا ذہن جس رخ پر چل پڑے اس سے کم ہی ہٹتا ہے اسی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا کہ انسان دوبارہ حق کی طرف لوٹے کیونکہ جوں جوں وقت گزرتا ہے اس کی سوچ آگے کا سفر طے کرتی ہے حتیٰ کہ وہ اس قابل ہی نہیں رہتا کہ حق کی طرف لوٹ جائے۔

﴿ وَ لَوۡ جَآءَتۡہُمۡ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ (97) ﴾

''اگرچہ ان کے پاس ہر نشانی آجائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔'' (97)

سوال1: ﴿ وَلَوۡ جَآءَتۡہُمۡ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴾ ''اگرچہ ان کے پاس ہر نشانی آجائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَلَوْجَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ ﴾''اگر چہ ان کے پاس ہر نشانی آجائے''، پچھلے حکم کی تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگ میں داخلے کا حکم دے رکھا ہے اس لیے وہ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ کفر کی حالت میں ہی مریں گے تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قضا وقدر میں فیصلہ کیا اور جو حکم جو وعدے کیے وہ پورے ہو جائیں۔(ایسر التفاسیر:623,624)(2) ﴿ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾''یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں''، یعنی وہ آپ ﷺ کے اور جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں، اس کے انکار پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کا مشاہدہ کر لیں۔اس وقت وہ ایمان لائیں گے جیسے فرعون غرق ہوتے ہوئے ایمان لایا تھا لیکن اس وقت انہیں ان کا ایمان نفع نہیں دے گا۔(ایسر التفاسیر)اس روز ظالموں کی معذرت انہیں فائدہ نہیں دے گی۔(3) کل انہیں یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے گا کہ وہ گمراہی کے راستے پر چلتے رہے اور رسول جو کچھ لے کر آیا وہ حق ہے مگر اس دن معذرت قبول نہیں ہوگی۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات ان ہی کو نفع دیتی ہیں جو قلب سلیم رکھتے ہیں اور وہ توجہ سے سنتے ہیں۔

سوال2: ہولناک عذاب آنے سے ہی سرکش انسان کیوں ایمان لاتا ہے؟

جواب:(1) ہولناک عذاب دیکھ کر انسان کو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ملتا۔(2) ہولناک عذاب انسان کو خوف میں مبتلا کر دیتا ہے۔اور انسان کی فطرت کے اوپر پڑے ہوئے پردے ہٹ جاتے ہیں اور انسان سچائی کا اعتراف کر لیتا۔

﴿ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ(98) ﴾

''سو کیوں نہ کوئی بستی ایسی ہوئی کہ ایمان لائی ہو، پھر اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو یونس کی قوم کے سوا کہ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے اس دنیا کی زندگی میں ان سے رسوائی کا عذاب ہٹا دیا اور انہیں ایک وقت تک کے لیے سامان زندگی دے دیا۔''(98)

سوال1:﴿ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ ﴾''سو کیوں نہ کوئی بستی ایسی ہوئی کہ ایمان لائی ہو، پھر اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ ﴾''سو کیوں نہ کوئی بستی ایسی ہوئی''، یعنی جتنی بستیوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور آخرت کو جھٹلایا۔(2)﴿ اٰمَنَتْ ﴾''کہ ایمان لائی ہو''، یعنی عذاب دیکھ کر وہ ایمان لائے۔(3)﴿ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ ﴾''پھر اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو''، یعنی کسی بستی کو عذاب دیکھ کر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ۝۸۴ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ۝۸۵ ﴾ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور ہم نے ان کا انکار کیا جسے ہم اس کے ساتھ شریک

بناتے تھے۔ پھر ان کا ایمان نہ تھا کہ انہیں کوئی فائدہ دیتا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا،اللہ تعالیٰ کا طریقہ جو یقیناً اس کے بندوں میں پہلے گزر چکا ہے ،اور اس وقت کافرلوگ خسارے میں رہے۔(المومن:84,85)(4)﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴾ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب! مجھے لوٹا دے۔ تاکہ میں اس (دنیا) میں نیک کام کروں جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگزنہیں ،بس ایک بات ہے جووہ کہنے والا ہے اور اس دن تک ان سب کے آگے ایک برزخ ہے جب وہ اٹھائے جائیں گے۔(المومنون:99,100)(5)اللہ تعالیٰ مجبوری میں ایمان قبول کرنے والوں کے ایمان کوقبول نہیں کرتے کیونکہ ایسےلوگوں سے عذاب دور کردیاجائےتووہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائیں گے۔

سوال2: ﴿ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ﴾ ''یونس کی قوم کےسوا کہ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے اس دنیا کی زندگی میں ان سے رسوائی کا عذاب ہٹا دیااورانہیں ایک وقت تک کے لیے سامان زندگی دے دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ﴾ ''یونس کی قوم کے سوا'' وہ یونس بن متی اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے رسول تھے۔(ایسرالتفاسیر:624) (2)یعنی یونس علیہ السلام کی قوم نے جب عذاب دیکھااور وہ ایمان لے آئی تو یہ عذاب دیکھ کرایمان لانا نفع نہیں دیتا۔ یہ عمومی اصول سے مستثنیٰ ہے۔یقیناً اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جہاں تک ہماری عقل اورفہم کی رسائی نہیں۔(3) ﴿ وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ؕ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ۝ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِیْمٌ ۝ وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ۝ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ﴾ اور یقیناً یونس پیغمبروں میں سے تھا۔ جب وہ ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ گیا۔ پھرانہوں نے قرعہ ڈالاتو وہ مات کھانے والوں میں سے تھا۔ چنانچہ اس کومچھلی نے نگل لیااوراس حال میں کہ وہ ملامت زدہ تھا۔ یقیناً پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتا۔ یقیناً وہ اس دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا جب وہ لوگ اٹھائے جائیں گے۔ پھرہم نے اسے ایک چٹیل زمین میں پھینک دیااس حال میں کہ وہ بیمار تھا۔اورہم نے اسے ایک بیل دار پودااس پراگا دیا۔ اورہم نے اسے ایک لاکھ لوگوں کی طرف بھیجایااس سے زائد ہوں گے۔ سووہ ایمان لائےتو ہم نے انہیں ایک خاص مدت تک فائدہ دیا۔(الصافات:148-139)(4)﴿ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ﴾ ''کہ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے اس دنیا کی زندگی میں ان سے رسوائی کا عذاب ہٹادیااورانہیں ایک وقت تک کے لیے سامان زندگی دے دیا'' اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے بعدقوم یونس کوعذاب سے ہلاک نہیں کیا۔ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عذاب ہٹالیااور انہیں دنیاوآخرت کی رسوائی سے بچالیااورایک مدت تک انہیں دنیا سے نفع اٹھانے کا موقع دیا۔(5)یونس علیہ السلام کی قوم عذاب کے بعد جب

ایمان لائی تو اپنے ایمان پر قائم رہی جب کہ عمومی طور پر عذاب کے بعد ایمان لانے والے حالات درست ہونے پر ایمان پر قائم نہیں رہتے۔یقیناً قوم یونس کے معاملے کی حقیقت کو رب خوب جانتا ہے۔

سوال3: لوگ حق کو قبول نہ کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟

جواب: (1) بعض اوقات صاف انکار کر دیتے ہیں۔(2) بعض لوگ اپنی خدا پرستی کے لیے اپنے طرز عمل سے دلیلیں دیتے ہیں تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ خدا پرستوں کی مجبوریاں ہیں حالانکہ ایسے لوگ تعصب میں مبتلا ہوتے ہیں اور دنیا کی مصلحتوں کی خاطر خدا گریز رویہ اختیار کرتے ہیں۔

سوال4: سیدنا یونس عَلَیْہِ السَّلَام کس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے؟

جواب: سیدنا یونس عَلَیْہِ السَّلَام عراق کے قدیم شہر نینویٰ کی طرف بھیجے گئے تھے۔

سوال5: سیدنا یونس عَلَیْہِ السَّلَام کی دعوت پر قوم کا ردعمل کیا تھا؟

جواب: سیدنا یونس عَلَیْہِ السَّلَام کی دعوت پر قوم ایمان نہ لائی۔

سوال6: سیدنا یونس عَلَیْہِ السَّلَام نے قوم کے ایمان نہ لانے پر کیا کہا؟

جواب: سیدنا یونس عَلَیْہِ السَّلَام نے ہجرت کی اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ اب اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا۔

سوال7: سیدنا یونس عَلَیْہِ السَّلَام کے جانے کے بعد کیا ہوا؟

جواب: عذاب کی ابتدائی علامات شروع ہوگئیں۔

سوال8: عذاب کی علامتیں دیکھ کر قوم یونس عَلَیْہِ السَّلَام نے کیا کہا؟

جواب: عذاب کی علامتیں دیکھ کر قوم یونس عَلَیْہِ السَّلَام اللہ تعالیٰ کے آگے جھکی وہ اپنے مویشوں،عورتوں اور بچوں کو لے کر میدان میں جمع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی اختیار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے عذاب ان پر سے اٹھا دیا۔

سوال9: قوم یونس عَلَیْہِ السَّلَام کے واقعے سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: جس طرح عذاب ظاہر ہونے سے پہلے کا ایمان قابل قبول ہے۔اسی طرح عذاب واقع ہونے کے قریب کا ایمان بھی قابل قبول ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایمان کامل ہو۔

سوال10: اس قصے کو اس مقام پر لانے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: (1) اس قصے کو اس مقام پر لانے کا مقصد انکار کرنے والوں کو ڈرانا اور متوجہ کرنا ہے کہ اگر اب بھی مان جاؤ تو قوم یونس عَلَیْہِ السَّلَام کی طرح عذاب سے بچ سکتے ہو۔(2) لوگوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر لوگ اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کر لیں تو اللہ تعالیٰ بھی اسی کے مطابق تبدیلی کر

دیتے ہیں۔

﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ(99)﴾

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو زمین میں ہیں سب اکٹھے ضرور ایمان لاتے، تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ سب مومن ہو جائیں۔'' (99)

سوال 1: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ ''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو زمین میں ہیں سب اکٹھے ضرور ایمان لاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ رب العزت نے اپنے نبی محمد ﷺ فرمایا: ''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو زمین میں ہیں سب اکٹھے ضرور ایمان لاتے''، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ایمان الہام کر دیتا اور ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے درست کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لائیں اور بعض لوگ کافر رہیں۔ (تفسیر سعدی: 1172/2)

سوال 2: ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ ''تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ سب مومن ہو جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) یعنی اے محمد ﷺ! کیا آپ ﷺ لوگوں پر لازم کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ ایمان کے لیے تو مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایمان اختیاری معاملہ ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ (البقرۃ: 256) (2) فرمایا: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ ہم اس کو زیادہ جاننے والے ہیں لوگ جو باتیں بناتے ہیں اور آپ ان پر کوئی جبر کرنے والے نہیں ہو آپ اس قرآن سے اس شخص کو نصیحت کر دو جو میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے۔ (ق: 45) (3) فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ ۟ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ پس آپ نصیحت کریں، یقیناً آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں۔ آپ ان پر ہرگز کوئی مسلط کیے ہوئے نہیں ہیں۔ (الغاشیہ: 21,22) (4) ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ یقیناً آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔ (القصص: 56) (5) نبی کا کام تو خوش خبریاں دینا اور ڈراوے دینا ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ آپ پر پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔ (الشوریٰ: 48) (6) نبی ہدایت دینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے اختیار میں نہیں۔ (7) کسی نبی کی یہ ذمہ داری بھی نہیں کہ وہ لوگوں کو ہدایت دے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ان کو ہدایت دینا آپ کا ذمہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: 272) (8) رب العزت

نے نبی ﷺ کی لوگوں کے ایمان پر حرص پر انہیں تسلی دی۔ ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ شاید آپ خود کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ مومن کیوں نہیں ہوتے ؟(الشعراء:3)(9) ﴿ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴾ تو کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل خوش نما بنا دیا گیا ہو پھر وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو؟ پس یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، چنانچہ آپ کی جان ان پر افسوس کر کے نہ جاتی رہے، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں۔(فاطر:8)

سوال3: ''تیرا رب چاہتا تو سارے مومن بن جاتے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن تھا کہ انسان کو بھی دوسری مخلوقات کی طرح مجبور پیدا کر دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا مجبوراً پابند ہوتا اس طرح سب لوگ مومن بن جاتے یعنی وہ ایمان کے سوا کسی اور عقیدے کو اپنا ہی نہ سکتے جیسے فرشتے یعنی کفر کا ارادہ کرنے کی قوت ہی انسان کو نہ ملتی یوں سب ایمان والے ہوتے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ تھی۔

سوال4: انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سکیم کیا ہے؟

جواب: انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سکیم ہے کہ اس نے انسان کے اندر ہدایت اور گمراہی کی استعداد رکھ دی اسے آزادانہ ماحول میں رکھ کر یہ اختیار دیا کہ وہ ہدایت یا گمراہی کا راستہ اختیار کرنے کا خود فیصلہ کرلے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا کی۔ اچھائی برائی کی تمیز دی یہ دونوں اندورنی مددگار کے طور پر کام کرتے ہیں اور دوسری طرح پیغمبر بھیجے، کتابیں بھیجیں تاکہ پیغمبروں کی دعوت سے نیکی کا شعور ابھرے اس طرح انسان کے لیے ہدایت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے اور دوسری طرف شیطان کی call سے ایک انسان کے اندر گمراہی کی استعداد ابھر کر سامنے آتی ہے اور انسان گمراہی کے راستے پر چل پڑتا ہے اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ انسان اپنی freewill سے اپنے راستہ منتخب کرے یہی انسان کا امتحان ہے۔

﴿ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ(100) ﴾

''اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور وہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے جو لوگ نہیں سمجھتے۔''(100)

سوال1: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ ﴾ ''اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ایمان لائے'' اللہ تعالیٰ کے اذن، اس کے الہام کے بغیر کوئی ایمان نہیں لاسکتا۔(2) ﴿ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی قضاو قدر کے مطابق ہی

کوئی ایمان لاسکتا ہے۔(ایسر التفاسیر:624)(3)یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت اوراس کے قدری وشرعی حکم سے۔پس مخلوق میں سے جواس کے قبول کرنے کے قابل ہوتا ہے،تو ایمان اس کے پاس پھلتا پھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توفیق سے نوازتا اوراس کی راہ نمائی کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:2/1172)(4)رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۚ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾ اوراگرآپ کا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو یقیناً ایک ہی امت بنا دیتا اوروہ ہمیشہ اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے۔مگر جن پرآپ کا رب رحم کرے اوراسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا اور تیرے رب کی وہ بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سبھی سے ضرور بھر دوں گا۔(ہود:118,119)

سوال2: کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب:(1)اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کواس دنیا میں ایمان کی نعمت اس وقت نصیب ہوسکتی ہے جب وہ اس طریقے پر چلے گا جواللہ تعالیٰ نے مقرر کیا اور جس پر اللہ تعالیٰ کے رسول محمد ﷺ چلے۔(2)اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان کی چاہت ہو وہ اس راستے پر چلنا بھی چاہتا ہو مگر اللہ تعالیٰ اس کے اور ایمان کے درمیان رکارٹ بن جائے۔(3)اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایمان لانا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان کا راستہ استوار کر دیتا ہے یہی اللہ تعالیٰ کا اذن ہے۔

سوال3: ﴿ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ ''اوروہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے جولوگ نہیں سمجھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ ﴾ ''اورگندگی ڈال دیتا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ جس پر چاہیں گمراہی اور شر ڈال دیں۔(2)﴿ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ ''ان پر جولوگ نہیں سمجھتے''اللہ تعالیٰ انہی پر گمراہی ڈالتا ہے جواس کے دلائل پر غور نہیں کرتے، جو عقل سے کام نہیں لیتے۔جواللہ تعالیٰ کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرتے۔

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ(101) ﴾

''کہہ دو کہ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے؟اورنشانیاں اورڈرانے والی چیزیں ان کے کام نہیں آتیں جولوگ ایمان نہیں لاتے۔''(101)

سوال1: ﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''کہہ دو کہ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ قُلِ ﴾ ''کہہ دو''اے محمد ﷺ آپ کفار مکہ سے کہہ دیں۔(2)﴿ انْظُرُوْا ﴾ ''کہ دیکھو''یعنی غوروفکر کرو۔(3)﴿ مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے؟''یعنی زمین وآسمان میں کیسی عجیب مخلوقات ہیں ان پر غور کرو۔(4)اللہ تبارک

وتعالیٰ اپنے بندوں کودعوت دیتا ہے کہ وہ آسمانوں اورزمین میں غورکریں اوراس سے مراد یہ ہے کہ تفکراورعبرت کی نظر سے آسمان کودیکھیں، ان میں جوکچھ موجود ہے اس میں تدبرکریں اوربصیرت حاصل کریں۔ان میں اہل ایمان کے لئے نشانیاں اوراہل ایقان کے لیے عبرت ہے جواس پردلالت کرتی ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبودمحمود ہے،وہی صاحب جلال واکرام اورعظیم اسماء وصفات کا مالک ہے۔(تفسیرسعدی: 1173/2)(5)رب العزت نے فرمایا:﴿ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴾اوریقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔اورخودتمہاری ذات میں بھی تو کیاتم دیکھتے نہیں ہو؟(الذاریات:20,21)(6)﴿ قُلِ انظُرُوا ﴾یعنی تفکرکرو۔اللہ تعالیٰ کی توحیداوراس کے کمال قدرت پردلالت کرنے والی نشانیوں میں۔سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا یہ آیت دلیل ہے کہ تفکراوراجتہادواجب ہے اور عقیدے میں تقلیدکوترک کرناہے۔(تفسیرقاسمی:85/9)(7)خالق کی معرفت کے لیے زمین وآسمان کے دلائل پرغورکرناواجب ہے۔اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دلائل میں تدبر کے سوا کوئی راستہ نہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:مخلوق میں غوروفکرکرواورخالق میں غوروفکرنہ کرو۔تولوگوں پر اعتباراورایسی چیزوں پرغوروفکرکرنالازم ہے جوصانع اورقادرکے کمال پردلیل ہوں۔(تفسیرمنیر:298/6)

سوال2:﴿ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَن قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴾''اورنشانیاں اورڈرانے والی چیزیں ان کے کام نہیں آتیں جولوگ ایمان نہیں لاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اورنشانیاں اورڈرانے والی چیزیں ان کے کام نہیں آتیں جولوگ ایمان نہیں لاتے''یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات ان لوگوں کو فائدہ نہیں دیتیں جوحق سے دشمنی رکھتے ہیں اوراس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔(2)ایمان نہ لانے والوں کو نہ آسمان کی نشانیاں کام دے سکتی ہیں، نہ زمین کی اور نہ ہی وہ رسولوں کے معجزات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔یقینی بات ہے:﴿ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ یقیناً جن لوگوں پرآپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(یونس:96)(3)اللہ تعالیٰ کے علم اوراس کی حکمت کے مطابق ایمان نہ لانے والے اللہ تعالیٰ کی آیات اورنشانیوں سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔

سوال3:انسان کے تصوارات کی تشکیل کے لیے قرآن حکیم کیاطریقہ اختیارکرتاہے؟

جواب:انسان کے تصوارات کی تشکیل کے لیے قرآن حکیم انسان کودعوت دیتا ہے کہ وہ زندگی کی بنیادی حقیقتوں پرغوروفکرکرے اس کے لیے قرآن حکیم انسان کی نظر،اس کی عقل اوراس کے دل کوکائنات کی طرف متوجہ کرتاہے۔

سوال4:جب انسان زمین وآسمان پرتدبروتفکرکرتاہےتو کیانتیجہ نکلتاہے؟

جواب:(1)انسان کے دل پرگہرااثرمرتب ہوتاہے۔(2)انسان کوبنیادی سوالات کا جواب ملتاہے۔(3)انسان کےغوروفکرکی وجہ سے اس کے شعورکووسعت ملتی ہے۔(4)انسان کوکائنات پرغوروفکرکرنے سے اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا،اس کی قدرتوں کا،اس کی بڑائی کا احساس ہوتا ہے۔

﴿ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ(102) ﴾

''تو نہیں وہ انتظار کرتے سوائے ان لوگوں جیسے دنوں کا جوان لوگوں سے پہلے گزر چکے ہیں آپ کہہ دیں پس تم انتظار کرو بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔''(102)

سوال 1: ﴿ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''تو نہیں وہ انتظار کرتے سوائے ان لوگوں جیسے دنوں کا جوان لوگوں سے پہلے گزر چکے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ ﴾ ''تو نہیں وہ انتظار کرتے''یعنی اے نبی ﷺ جولوگ آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں وہ اسی عذاب کے انتظار میں ہیں؟(2) ﴿ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''سوائے ان لوگوں جیسے دنوں کا جوان لوگوں سے پہلے گزر چکے ہیں''یعنی جیسا پہلی جھٹلانے والی قوموں میں عذاب آیا تھا۔(3) یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کے واضح ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کو بھی پہلے لوگوں کی طرح عذاب بھیج کر ہلاک کر دیا جائے۔ان لوگوں کے اعمال بھی پہلے لوگوں والے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی سنت پہلے لوگوں قوم نوح،قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ اور بعد میں آنے والوں میں جاری ہے۔

سوال 2: ﴿ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ ''آپ کہہ دیں پس تم انتظار کرو بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا ﴾ ''آپ کہہ دیں پس تم انتظار کرو''یعنی آپ کہہ دو کہ عذاب کا انتظار کرو۔اس مین اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید وعید ہے۔(2) ﴿ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ ''بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی انتظار کرنے والوں میں سے ہوں''یعنی تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔عنقریب تمہیں بھی علم ہو جائے گا کہ دنیا و آخرت میں نجات کس کے لیے اور عذاب کس کے لیے؟ کس کا انجام اچھا ہے اور کس کا برا؟ یقیناً نجات انبیاء اور ان کی پیروی کرنے والوں کے لیے ہے۔

﴿ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ(103) ﴾

''پھر ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے،نجات دیتے ہیں اسی طرح ہم پر حق ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں۔''(103)

سوال 1: ﴿ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''پھر ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جب عذاب آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو بچا لیتے ہیں اور جھٹلانے والوں کو تباہ و

برباد کر دیتے ہیں۔

سوال 2: ﴿ كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اسی طرح ہم پر حق ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا ﴾ '''اسی طرح ہم پر حق ہے''یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے۔ (2) ﴿ نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''ہم مؤمنوں کو نجات دیں'' کیونکہ اللہ تعالیٰ، مومن بندوں میں جذبہء ایمان کی مقدار کے مطابق، ان کا دفاع کرتا ہے اس سے انہیں تکلیف دہ امور سے نجات ملتی ہے۔ (تفسیر سعدی:1173،1174/2) (3) یہ وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ اس نے رحمت کرنا اپنے اوپر لکھ دیا ہے۔ (الانعام:12) (4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب میں یہ لکھ دیا ہے اور اسے عرش پر رکھا ہے۔ **ان رحمتی سبقت غضبی** بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (مسلم، بخاری)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو اپنے اوپر فرض کرلیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بیج کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے کہ اسے تمام خطرات، سختیوں کے باوجود کامیابی نصیب ہوگی۔

رکوع نمبر:16

﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ(104) ﴾

''کہہ دو کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو لیکن میں اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں۔'' (104)

سوال 1: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ ﴾ ''کہہ دو کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ ''کہہ دو کہ اے لوگو!'' اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ سے یہ فرمایا ہے کہ آپ مکہ اور اس کے اردگرد عرب کے مشرکوں کو کہہ دیں۔ (ایسر التفاسیر:626) (2) ﴿ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ ﴾ ''اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں ہو''یعنی جس دین کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں اگر تم اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہو۔ (قرطبی:234/4) (3) یعنی اس شک میں کہ یہ درست دین ہے یا نہیں۔ (4) یعنی اگر تم شک میں مبتلا ہو تو میں نہیں۔ میں تو یقین رکھتا ہوں کہ دین اسلام ہی حق ہے۔

سوال 2: ﴿ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ﴾ ''تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم

عبادت کرتے ہولیکن میں اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ فَلَآ اَعۡبُدُ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ﴾'' تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو''یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ان باطل معبودوں کی عبادت نہیں کرتا۔(2)تمہارے معبود نہ کسی چیز کو تخلیق کر سکتے ہیں، نہ رزق دے سکتے ہیں، نہ کائنات کے معاملات چلانے میں ان کا کوئی اختیار ہے۔(3)تمہارے معبود تو خود مخلوق ہیں، بے بس ہیں، ان میں ایسی صفات نہیں ہیں جو ان کو عبادت کا مستحق بنائیں۔(4)﴿ وَلٰـكِنۡ اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ ﴾'' لیکن میں اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے''یعنی جو تمہیں موت دے گا، تمہاری روحیں قبض کرے گا، تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا، تمہیں تمہارے اعمال کی جزا سزا دے گا، وہی حق رکھتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔(5)میں تو اسی کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری موت پر اختیار رکھتا ہے۔

سوال3: موت کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، اس یقین سے مومن کے اندر کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب:(1)''موت'' کا نام انسان پر خوف طاری کرتا ہے۔ یہ خوف اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا میں بے اختیار ہے۔(2)موت کی وجہ سے انسان سے وہ سہارے چھوٹ جاتے ہیں جس کی وجہ سے انسان سرکشی اختیار کرتا ہے۔(3)موت ایک طرف انسان کو بے بسی کا یقین دلاتی ہے تو دوسری طرف یہ یقین بھی دلاتی ہے کہ موت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔(4)موت کا تصور انسان کو سب سے کاٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے۔(5)موت کا تصور انسان کو اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کرنے والا بنا دیتا ہے۔(6)موت کے تصور کے ساتھ ہی سارے معبود گم ہونے لگتے ہیں انسان کو یقین آجاتا ہے کہ نہ کوئی زندگی عطا کر سکتا ہے نہ موت۔(7)موت کا تصور یہ بتاتا ہے کہ انسان بے اختیار ہے کوئی اور ہے جو اس پر حکمرانی کر رہا ہے۔(8)انسان اگر نصیحت حاصل کرنا چاہے تو موت کا تصور اس کی اصلاح کے لیے کافی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ موت کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

سوال4:﴿ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾'' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)'' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں''یعنی میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ میں ایمان والوں میں سے ہو جاؤں لہٰذا میں ایمان لے آیا اور اب میں مومنوں میں سے ہوں۔(ایسرالتفاسیر:626)(2)میں اپنے رب کی آیات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔

سوال5: جب لوگوں کو رب کی طرف بلایا جاتا ہے اور وہ دلیل سے بھی شک میں پڑے رہتے ہیں تو ایک داعی کو کس طرح اپنا پیغام پہنچانا چاہیے؟

جواب: جب لوگ دلیل نہ سنیں، شک میں پڑے رہیں تو داعی کو اپنے پیغام کی سچائی کا پورے عزم کے ساتھ اظہار کرنا چاہیے۔

سوال6: دعوت دینے والے کا یہ بات کہنا کہ'' میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی عبادت تم کرتے ہو'' کس سوچ کو ابھارتا ہے؟

جواب: داعی کی جانب سے یہ بات کہہ کر: (1) ''میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو'' سے یہ سوچ ابھاری جاتی ہے کہ میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں میرے پاس بھی ویسی ہی عقل ہے پھر جو بات مجھے سمجھ آ رہی ہے وہ تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتی۔ (2) سچ اگر ایک کو سمجھ میں آ رہا ہے اور دوسرے کو نہیں تو یہ نہ سمجھنے والے کا نقص ہے، نہ کہ دعوت کا۔

﴿ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (105) ﴾

''اور یہ کہ اپنے چہرے کو یک سو ہو کر اسی دین کے لیے سیدھا رکھو اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا۔'' (105)

سوال 1: ﴿ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴾ ''اور یہ کہ اپنے چہرے کو یک سو ہو کر اسی دین کے لیے سیدھا رکھو اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ﴾ ''اور یہ کہ اپنے چہرے کو یک سو ہو کر اسی دین کے لیے سیدھا رکھو'' یعنی میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یک سو ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کروں۔ (2) یعنی میں فرائض کی ادائیگی سے اور قبیح کاموں سے اجتناب کر کے دین پر قائم رہوں۔ (تفسیر منیر: 6/304) (3) یعنی اپنے ظاہری اور باطنی اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کیجیے اور یک سو ہو کر تمام شرائع کو قائم کیجیے، یعنی ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کو مبذول رکھیے۔ (تفسیر سعدی: 2/1174،1175) (4) ﴿ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴾ ''اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا'' یعنی میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں شرک کرنے سے بچتا رہوں یعنی کہ ان کا ساتھ دوں نہ ان جیسا حال اختیار کروں۔ (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴾ ''یقیناً میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف متوجہ کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، یک سو ہو کر، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' (الانعام: 79)

سوال 2: یک سو ہو کر ٹھیک ٹھیک اپنے دین پر قائم رہنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے کہ اپنے دین میں ملاوٹ نہ کرو، مصلحتیں اختیار نہ کرو۔ (2) یک سو رہو یعنی اپنی سوچ یا عمل کا رخ کسی اور کی طرف نہ کرو کسی اور سے راہ نمائی مت لو۔ (3) دین وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے بھیجا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے جس کی طرف بلایا اس لیے اپنی یا غیروں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔

﴿ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ (106) ﴾

''اور آپ اللہ تعالیٰ کے ماسوا نہ کسی کو پکاریں جو نہ آپ کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ آپ کو نقصان دے سکتے ہیں، پھر اگر آپ نے ایسا کیا

تو یقیناً آپ تب ظالموں میں سے ہوں گے۔'' (106)

سوال 1: ﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ﴾ '' اور آپ اللہ تعالیٰ کے ما سوا نہ کسی کو پکاریں جو نہ آپ کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ آپ کو نقصان دے سکتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ ﴾ '' اور آپ اللہ تعالیٰ کے ما سوا نہ کسی کو پکاریں جو نہ آپ کو نفع دے سکتے ہیں'' یعنی نہ دنیا میں کوئی ایسا ہے جو نفع پہنچا سکے اور نہ آخرت میں کوئی ایسا ہے کہ میں اس کی عبادت کروں۔ (2) ﴿ وَلَا يَضُرُّكَ ﴾ '' اور نہ آپ کو نقصان دے سکتے ہیں'' یعنی باطل معبود کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (3) نفع اور نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جب کہ باطل معبود تو اپنے ذاتی نفع ونقصان پر بھی قدرت نہیں رکھتے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نفع ونقصان کا مالک ہے پھر انسان دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیوں ٹھہراتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو پکارنے کی وجہ انسان کے شعور کی خرابی ہے۔ ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسری ہستیاں بھی نفع پہنچا سکتی ہیں یا نقصان سے بچا سکتی ہیں۔

سوال 2: ﴿ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ '' پھر اگر آپ نے ایسا کیا تو یقیناً آپ تب ظالموں میں سے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ فَإِنْ فَعَلْتَ ﴾ '' پھر اگر آپ نے ایسا کیا'' اگر آپ نے غیر اللہ کو نفع یا نقصان کے لیے پکارا جب کہ وہ کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ (2) ﴿ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ '' یقیناً آپ تب ظالموں میں سے ہوں گے'' اللہ تعالیٰ نے کائنات کی بہترین مخلوق سے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو پکارو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اگر بہترین کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہے تو باقیوں کا کیا حال ہوگا؟ (3) ظالم وہ ہے جو ظلم کرتا ہے اور یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ بلاشبہ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان:13)

﴿ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (107) ﴾

'' اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ آپ سے کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو ہٹانے والا کوئی نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فضل پہنچا دیتا ہے اور وہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (107)

سوال1: ﴿ **وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ** ﴾ ''اوراگراللہ تعالیٰ آپ کوکوئی نقصان پہنچائے تواس کے سوااسے دورکرنے والاکوئی نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کومخاطب کرکے فرمایاہے: ﴿ **وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ** ﴾ ''اوراگراللہ تعالیٰ آپ کوکوئی نقصان پہنچائے''اگراللہ تعالیٰ آپ کوکسی بیماری یا تنگ دستی میں مبتلا کردے۔(2) ﴿ **فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ** ﴾ ''تواس کے سوااسے دورکرنے والاکوئی نہیں''تواللہ تعالیٰ کے سواساری مخلوق بھی اکٹھی ہوجائے توتکلیف دورنہیں کرسکتی سوائے اس کے جواللہ تعالیٰ نے لکھ دیاہے کیونکہ نفع اورنقصان اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔وہی عطاکرتاہےاوروہی محروم کرتاہے۔(3)اللہ تعالیٰ کے ارادے کے بغیرکوئی کسی کونقصان نہیں پہنچاسکتا،کسی کی تکلیف دورنہیں کرسکتا۔

سوال2: ﴿ **وَاِنۡ يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ** ﴾ ''اوراگروہ آپ سے کسی بھلائی کاارادہ کرے تواس کےفضل کوہٹانے والاکوئی نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿ **وَاِنۡ يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ** ﴾ ''اوراگروہ آپ سے کسی بھلائی کاارادہ کرے''یعنی اگروہ آپ کے ساتھ خیرکایعنی عافیت،صحت،خوش حالی اورمددکاارادہ کرلے۔(2) ﴿ **فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ** ﴾ ''تواس کےفضل کوہٹانے والاکوئی نہیں''توکوئی ایسانہیں ہے جواس کےفضل اوراحسان کوروک سکے جیساکہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ **مَا يَفۡتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَةٍ فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمۡسِكۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ** ﴾ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں سے جوکچھ کھول دیتاہےتواسے کوئی بندکرنے والانہیں اورجسے وہ بندکردیتاہےتواس کے بعداسے کوئی بھیجنے والانہیں اوروہ سب پرغالب،کمال حکمت والاہے۔(فاطر:2)

سوال3: اس کائنات میں نفع ونقصان کاسلسلہ کیسے جاری ہے؟

جواب:(1)اس کائنات میں نفع ونقصان کاسلسلہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق جاری ہے۔(2)انسان اگرخیراورنفع کےاسباب اختیارکرے تواسے نفع مل سکتاہے۔(3)انسان اگرشراورنقصان کےاسباب اختیارکرےتواسےنقصان ملے گا۔(4)اگراللہ تعالیٰ نقصان پہنچاناچاہےتو انسان بچ نہیں سکتا۔(5)اگراللہ تعالیٰ نفع پہنچاناچاہےتواس کےفضل کوکوئی روکنے والانہیں۔

سوال4: ﴿ **يُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ** ﴾ ''وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتاہےفضل پہنچادیتاہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتاہےفضل پہنچادیتاہے''یعنی وہ اپنے بندوں میں سے جس کوچاہتاہےاپنے انعامات ،فضل اوررحمت کےساتھ خاص کرلیتاہے۔(2)وہ جوچاہتاہےکرتاہےاورجوارادہ کرتاہےاس کاحکم دیتاہے۔(ایسرالتفاسیر:627)

سوال5: انسان نقصان سے کیسے بچ سکتاہے؟

جواب: (1) انسان سنت الٰہی کے مطابق چل کر نقصان سے بچ سکتا ہے۔(2) انسان نقصان کے اسباب سے بچ کر نقصان سے بچ سکتا ہے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان کو نقصان کے اسباب کا علم ہو۔(3) اگر انسان کو نقصان کے اسباب کا علم نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا اور آہ وفریاد کے ذریعے بچا جا سکتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں اس راستے پر چلا کہ ہم نقصان سے بچ سکیں۔

سوال 6: انسان کو اللہ تعالیٰ کا فضل کیسے ملتا ہے؟

جواب: (1) انسان کو اللہ تعالیٰ کا فضل تب ملتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق خیر اور نفع کے اسباب اختیار کرے۔(2) اگر انسان کو خیر اور نفع کے اسباب کا علم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے ان کا علم حاصل کرے۔(3) انسان خیر اور نفع مند علم کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرے تو انسان اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل کر سکتا ہے۔

سوال 7: ﴿**وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ**﴾ ''اور وہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿**وَهُوَ الْغَفُوْرُ**﴾ ''اور وہ بے حد بخشنے والا ہے'' سعید بن جبیر کا قول ہے غفور کہ وہ گناہوں کو بخشنے والا ہے۔(2) ﴿**الرَّحِيْمُ**﴾ ''نہایت رحم والا ہے'' یعنی مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم:6/1992)(3) ﴿**وَهُوَ الْغَفُوْرُ**﴾ اللہ تعالیٰ تمام لغزشوں کو بخش دیتا ہے۔ وہ اپنے بندے کو مغفرت کے اسباب کی توفیق سے نوازتا ہے۔ بندہ جب ان اسباب پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو بخش دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:2/1175,1176)(4) انسان غلطیاں کرتا ہے پھر جب توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔(5) اللہ تعالیٰ تب معاف فرماتا ہے جب بندے اپنے رویے کو بدل لیں اور سیدھے راستے پر چل پڑیں۔(6) سیدنا عامر رضی اللہ عنہ بن قیس کہتے ہیں کہ قرآن کی تین آیتوں نے مجھے سارے جہان سے بے نیاز کر دیا۔ ﴿**وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ**﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ آپ سے کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو ہٹانے والا کوئی نہیں۔(یونس:107) ﴿**مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ**﴾ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں سے جو کچھ کھول دیتا ہے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دیتا ہے تو اس کے بعد اسے کوئی بھیجنے والا نہیں۔(فاطر:2) ﴿**وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا**﴾ زمین میں چلنے والا کوئی جان دار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔(ہود:6)(تفسیر سمرقندی:2/139)

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ(108)﴾

''آپ کہہ دیں اے لوگو! بلاشبہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے تو جس نے ہدایت کو اپنایا وہ بلاشبہ اپنے ہی لیے

ہدایت کو اپنا تا ہے اور جو گمراہ ہوا تو یقیناً وہ اپنے ہی نفس کے خلاف گمراہ ہوتا ہے اور میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔'' (108)

سوال 1: ﴿ **قُلۡ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكُمۡ** ﴾ '' آپ کہہ دیں اے لوگو! بلاشبہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **قُلۡ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ** ﴾ '' آپ کہہ دیں اے لوگو!'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کہہ دیں۔ (2) یہ ساری انسانیت کے لیے ندا ہے جس کی ابتدا مکہ سے ہوئی۔ (ایسر التفاسیر:627,628) (3) ﴿ **قَدۡ جَآءَكُمُ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكُمۡ** ﴾ '' بلاشبہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے'' یعنی تمہارے پاس سچا دین آ گیا ہے جو قطعی حق ہے۔ جس کی تائید دلائل سے ہوتی ہے۔ جس کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ رب العالمین کی جانب سے آپ ﷺ کے پاس آیا ہے۔ اس نے اپنی رحمت سے یہ قرآن نازل کیا ہے جس میں تمہاری تربیت کے لیے ہدایات ہیں۔ اس قرآن کی وجہ سے ہدایت اور گمراہی کا فرق واضح ہو گیا ہے۔

سوال 2: ﴿ **فَمَنِ ٱهۡتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهۡتَدِي لِنَفۡسِهِۦ** ﴾ '' تو جس نے ہدایت کو اپنایا وہ بلاشبہ اپنے ہی لیے ہدایت کو اپنا تا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **فَمَنِ ٱهۡتَدَىٰ** ﴾ '' تو جس نے ہدایت کو اپنایا'' جس نے ایمان اور اتباع کے ذریعے ہدایت پالی تو اس کی ہدایت کا ثواب اس کی اپنی ذات کے لیے ہے۔ جب وہ اس کے ذریعے پاکیزگی حاصل کرے گا تو دونوں جہانوں کی سعادت ملے گی۔ (ایسر التفاسیر) (2) جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ذریعے سیدھا راستہ پالیا یعنی اس نے حق کو جان کر، سمجھ کر اسے ہر چیز پر ترجیح دی۔ (3) ﴿ **فَإِنَّمَا يَهۡتَدِي لِنَفۡسِهِۦ** ﴾ '' وہ بلاشبہ اپنے ہی لیے ہدایت کو اپنا تا ہے'' یعنی جس نے ہدایت کو اپنا لیا اس پر عمل کیا اس کا فائدہ اس کی اپنی ذات کو ہوگا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ **إِنۡ أَحۡسَنتُمۡ أَحۡسَنتُمۡ لِأَنفُسِكُمۡۖ وَإِنۡ أَسَأۡتُمۡ فَلَهَا** ﴾ اگر تم نے بھلائی کی، تو تم نے اپنے آپ کے لیے بھلائی کی اور اگر تم نے برائی کی تو (وہ بھی) ان کے لیے ہے۔ (بنی اسرائیل:7) (4) بندوں کے اعمال کا ثواب ان ہی کو ملتا ہے، اللہ تعالیٰ بندوں سے بے نیاز ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ **وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهِۦ** ﴾ اور جو کوئی شکر کرے تو یقیناً وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے۔ (النمل:40)

سوال 3: ﴿ **وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا** ﴾ '' اور جو گمراہ ہوا تو یقیناً وہ اپنے ہی نفس کے خلاف گمراہ ہوتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ **وَمَن ضَلَّ** ﴾ '' اور جو گمراہ ہوا'' جس نے قرآن اور رسول کے ساتھ کفر کیا۔ (تفسیر منیر:305/6) (2) جس نے شرک، کفر اور تکذیب پر اصرار کیا تو اس کی گمراہی کا بدلہ اسی کی طرف لوٹے گا۔ (3) ﴿ **فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا** ﴾ '' اور جو گمراہ ہوا تو یقیناً وہ اپنے ہی نفس کے خلاف گمراہ ہوتا ہے'' یعنی جو حق کے علم یا اس پر عمل سے روگردانی کر کے ہدایت کی راہ سے بھٹک جائے۔ وہ اپنے لئے گمراہی اختیار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، وہ صرف اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچا تا ہے۔ (تفسیر سعدی:1177,1176)

سوال 4: ﴿ **وَمَآ أَنَا۠ عَلَيۡكُم بِوَكِيلٖ** ﴾ '' اور میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) '' اور میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں'' یعنی میں تم پر کوئی حاکم نہیں کہ تمہارے اعمال کی نگرانی کروں اور ان کا حساب کتاب

رکھوں۔(2)میں تم کو جبری مومن نہیں بنا سکتا۔اللہ تعالیٰ تمہارا نگران ہے،وہ تمہارا وکیل ہے۔(3)میں تو محض تمہیں جگانے والا ہوں۔ہدایت اور ایمان تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔(4)تمہیں جب تک مہلت ملی ہوئی ہے اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرو۔

سوال5: دعوت اسلامی کا اصل کام کیا ہے؟

جواب: (1)دعوت اسلامی کا اصل کام اعلان حق کا کام ہے۔(2)حق کو زوردار اور دوٹوک انداز میں پیش کرنا ہے۔

سوال6: کسی گروہ پر دعوت حق کا پیغام پہنچانے کا حق کب ادا ہو جاتا ہے؟

جواب: (1)کسی گروہ پر دعوت حق کا پیغام پہنچانے کا کام تب ادا ہو جاتا ہے جب داعی حق کو دلیل کے ذریعے واضح کر دے۔(2)جب داعی اس بات کا ثبوت دے دے۔جب وہ حق پہنچانے کے معاملے میں پوری طرح سنجیدہ ہو۔

سوال7: دعوت کے مخاطبین پر کب حجت تمام ہو جاتی ہے؟

جواب: (1)دعوت کے مخاطبین پر تب حجت تمام ہو جاتی ہے جب داعی نفع ونقصان سے بالاتر ہو کر حق کی مکمل شہادت دے۔(2)جب داعی ہر تکلیف،مصیبت اور ناگوار حالات میں اپنے دعوتی کام کو جاری رکھے۔(3)جب داعی حق کو دلائل کے ساتھ پوری طرح واضح کر دے تو مخاطبین پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔

سوال8: اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے معاملے میں لوگوں کو کیا اختیار دیا ہوا ہے؟

جواب: (1)جو ہدایت اختیار کرنا چاہے اختیار کر سکتا ہے اس کے لیے مفید ہے۔(2)جو گمراہ ہونا چاہے اس کا بھی اختیار ہے اگرچہ اس کے لیے گمراہی تباہ کن ہے۔

﴿ وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ(109) ﴾

''اور آپ اس کی پیروی کریں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور آپ صبر کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے اور وہی سب فیصلہ کرنے والوں میں سے بہترین ہے۔''(109)

سوال1: ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ ''اور آپ اس کی پیروی کریں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور آپ صبر کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے اور وہی سب فیصلہ کرنے والوں میں سے بہترین ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ﴾ ''اور آپ اس کی پیروی کریں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے''یعنی اے رسول! آپ ﷺ اس حق کی اتباع کرتے رہیں جو آپ ﷺ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔(2)یعنی اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا اس کی اتباع کریں،جو عمل کرنے کے لیے کہا اس کی پابندی کریں۔جس چیز کی دعوت دینے کا حکم دیا ہے اس کی دعوت دیں۔(3)﴿وَاصْبِرْ﴾ ''اور آپ صبر کریں''یعنی اپنی دعوت

اورلوگوں کی اذیتوں پر صبر کریں۔(تفسیر منیر:305/6)(4)دعوت میں لوگوں کی ایذا کو برداشت کریں۔(قاسمی:90/9)(5)یہ صبر کی بلندترین نوع ہے اوراس کاانجام بھی قابل ستائش ہے۔سستی اورکسل مندی کا شکارہوں نہ تنگ دل ہوں، بلکہ اس پرقائم ودائم اورثابت قدم رہیں۔(تفسیر سعدی:1177/2)(6)﴿ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ﴾''حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اورآپ ﷺ کے مخالفوں کے درمیان فیصلہ کردے۔(7)﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴾''اوروہی سب فیصلہ کرنے والوں میں سے بہترین ہے''یقیناً وہ حکمت اورعدل کے ساتھ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔(8)نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اورصراط مستقیم پرقائم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کوتمام ادیان پرغالب کردیا۔آپ کوآپ کے دشمنوں کے مقابلے میں دلائل وبراہین کے ذریعے سے نصرت عطاکرنے کے بعدشمشیروسناں کے ذریعے سے فتح ونصرت سے نوازا۔پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ہرقسم کی حمدوستائش اورثنائے حسن جیسا کہ اس کی عظمت وجلال،اس کے کمال اوراس کے بے پایاں احسان کے لائق ہے۔(تفسیر سعدی:1177/2)

سوال2: داعی کااصل کام کیاہے؟

جواب: داعی کااصل کام وحی کی پیروی کرناہے۔

سوال3: وحی کی پیروی کرنے سے کیامرادہے؟

جواب: اس سے مرادہے کہ اپنی ذات پراپنے رب کی مرضی کوقائم کرنااوردوسروں کورب کی رضا کی طرف بلاتے رہنا۔

سوال4: وحی کی پیروی کے لیے کن خصوصیات کا ہوناضروری ہے؟

جواب: وحی کی پیروی کے لیےصبر،خیرخواہی اورحکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سوال5: داعی کب تک اپنے موجوہ حالات پرصبر کرے گا؟

جواب: یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ کردیاجائے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ کافیصلہ کیسے ظاہرہوتاہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی نظرمیں جب دعوتی کام اپنے مطلوبہ مقام تک پہنچ جاتاہےتواللہ تعالیٰ ایسی تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں کہ دعوت کاکام اگلے مرحلے میں داخل ہوجاتاہے یہی اللہ تعالیٰ کافیصلہ ہوتاہے۔

ایاتھا ۱۲۳ ۱۱ سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ ۵۲ رکوعاتھا ۱۰

سوال1: سورہ ہودکب اورکہاں نازل ہوئی؟

جواب: سورہ ہودمکہ میں نازل ہوئی۔یہ سورت ایک ہی بارسورۃ یونس کے بعدنازل ہوئی۔

سوال 2: اس سورت میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس سورت میں 10 رکوع اور 123 آیات ہیں۔

سوال 3: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ سورت کس نمبر پر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ سورت گیارہویں نمبر پر ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 52 ہے۔

سوال 4: سورہ ہود کا نام ''ہودؑ'' کیوں ہے؟

جواب: اس سورت میں دوسرے انبیاء کے واقعات کے ساتھ ہود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بیان کیا گیا اسی مناسبت سے اس کا نام ''ہودؑ'' رکھا گیا۔

سوال 5: یہ سورت کن حالات میں نازل ہوئی؟

جواب: یہ سورت جب نازل ہوئی حالات انتہائی پریشان کن اور ہمت توڑنے والے تھے۔ مکہ کے دور دعوت میں اتنی مشکلات کبھی پیش نہیں آئی تھیں جتنی اس سورۃ کے نزول سے فوراً پہلے پیش آئیں۔ خصوصاً معراج کے واقعے کے بعد جب کہ کچھ لوگ مرتدّ ہو گئے تھے اور باقی لوگوں نے طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا۔ قریش نے آپ ﷺ کی دعوت کے مقابلے میں زیادتیوں کی انتہا کر دی تھی۔ اس وجہ سے دعوت پر جمود کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ابن سحاق کہتے ہیں ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سر پر مٹی ڈالی گئی آپ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوئے آپ ﷺ کی بیٹیوں میں سے ایک اٹھی، وہ مٹی دھوتی جاتی تھی اور رسول اللہ ﷺ کہتے جاتے تھے: بیٹی مت رو! اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کا محافظ ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھ قریش اس قسم کا مکروہ سلوک تب ہی کر سکے جب ابو طالب فوت ہو گئے۔'' مقریزی امتاع الاسماع میں کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی موت کی وجہ سے مشکلات بڑھ گئیں۔ آپ ﷺ نے اس سال کو عام الحزن قرار دیا۔ ابو طالب کی وفات کی وجہ سے آپ ایک مضبوط اور طاقت ور حامی سے محروم رہ گئے۔ ان حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اس دور کے حالات سورت کے ماحول سے اچھی طرح واضح ہو جاتے ہیں۔

سوال 6: اس سورت کا موضوع کیا ہے؟

جواب: (1) یہ سورت اصول اسلام کے بارے میں ہے اور وہ توحید، نبوت، بعث، حساب اور جزا ہیں۔ (تفسیر مراغی) (2) اس سورت میں گذشتہ قوموں کے واقعات، ان کی سرکشی اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے۔ مکہ کے مشرکوں کو اس سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

سوال 7: سورہ ہود کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ جب اس سورت کی تلاوت فرماتے تھے تو آپ ﷺ کے دل و دماغ پر اس کا گہرا اثر ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کو مکہ

والوں کی سرکشی اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی وجہ سے خوف آتا تھا کہ کہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ نازل ہوجائے۔(2)سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو کس چیز نے بوڑھا کردیا؟ فرمایا: ہود، واقعہ، النبا، تکویر نے۔(ابو یعلیٰ)(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ بوڑھے ہوگئے ہیں۔فرمایا: مجھے ہود، واقعہ، مرسلات، نبا اور تکویر نے بوڑھا کردیا۔(ترمذی)

آخری آیات

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ(1)﴾

"الر۔ایک کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئی ہیں پھر کمال حکمت والے، پوری خبر رکھنے والے کی طرف سے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔"(1)

سوال1: ﴿الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ "الر۔ایک کتاب ہے جس کی آیات پختہ کی گئی ہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿الٓرٰ﴾ ان حروف مقطعات کے بارے میں مفسرین کی بہترین رائے یہی ہے کہ ان کا مقصود حقیقی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔(تیسیر الرحمٰن:631)(2)﴿كِتٰبٌ﴾ یہ عظیم کتاب اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔(3)﴿اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ "جس کی آیات پختہ کی گئی ہیں" (الف) حسن نے کہا کہ یہ کتاب اوامر ونواہی میں پختہ ہے۔(ب) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے باطل کے مقابلے میں مضبوط کیا ہے۔(جامع البیان)(ج) یعنی اس کی آیات کو محکم طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔اس کے الفاظ اور معنی محکم ہیں اور اس کی خبریں سچی ہیں۔(4)﴿ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ "پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں" یعنی اس کے معانی کو بہترین طریقے سے کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔(5) یعنی اس کے احکامات، قصص، نصیحتیں اور قسم قسم کی ہدایات۔(ایسر التفاسیر:628)(6)﴿مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ﴾ "کمال حکمت والے کی طرف سے" یعنی یہ اس حکیم کا کلام ہے جس کا ہر کام حکمت کا سرچشمہ ہے۔(7) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔"(مسلم:1897)(8) وہ تمام اشیاء کو ان کے مناسب مقام پر رکھتا ہے اور ان کے لائق جگہ پر ان کو نازل کرتا ہے۔صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے اور اسی چیز سے روکتا ہے جس کا تقاضا اس کی حکمت کرتی ہے۔(تفسیر سعدی:1178/2)(9)﴿خَبِيْرٍ﴾ "پوری خبر رکھنے والے" جو ظاہر وباطن کی خبر رکھتا ہے۔(10) کتاب کو اس ہستی نے نازل کیا ہے جو ہر چیز کی حکمت کو جاننے والا ہے اس کے مناسب وقت پر، انسان کی ضروریات کے عین مطابق کتاب نازل کی ہے۔کتاب کو

اس ہستی نے نازل کیا ہے جو خبیر ہے یعنی ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے اس خبردار نے انسانوں کو ان کے انجام سے خبردار کرنے کے لیے کتاب بھیجی ہے۔(11) قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر سورت اپنے اندر بنی نوع انسان کے لیے کوئی نہ کوئی خیر لیے ہوئے ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو، یہ کتاب اس ذات واحد کی نازل کردہ ہے جس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے اور جو ہر بات کی خبر رکھتا ہے۔(تیسیر الرحمٰن:631,632)

سوال 2: کتاب کی آیات محکم کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1) اس سے مراد ہے کہ کتاب کی آیات مضبوط کی گئی ہیں اگرچہ وہ ایسے الفاظ سے بنی ہیں جو لوگوں کی دسترس میں ہیں لیکن لوگ ایسی آیات بنانے سے عاجز ہیں۔(2) کتاب کی آیات مربوط ہیں۔(3) کتاب کا ہر حکم بامقصد ہے۔(4) کتاب کی ہر ہدایت انسانوں کی ضرورت ہے۔

﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ (2) ﴾

''یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بلاشبہ میں اس کی طرف سے ایک ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔''(2)

سوال 1: ﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ''یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کی اور پختہ احکامات نازل کیے۔ احکامات کو تفصیل سے بیان کیا تاکہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور اس کے سوا کسی کی عبادت نفع نہیں دے سکتی۔(ایسر التفاسیر:629)(2) ہر رسول کی وہی دعوت تھی جو نبی ﷺ نے دی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں چنانچہ تم میری ہی عبادت کرو۔(الانبیاء:25)

سوال 2: ﴿ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴾ ''بلاشبہ میں اس کی طرف سے ایک ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! لوگوں سے کہہ دو کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر ہوں جو تمہیں نافرمانیوں اور بتوں کی بندگی سے ڈراتا ہوں۔(جامع البیان)(2) میں دین کی مخالفت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈرانے والا ہوں۔(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب آیت ''اور آپ اپنے خاندانی قرابت داروں کو ڈراتے رہئے۔'' نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ ''صفا'' پہاڑی پر چڑھ گئے اور پکارنے لگے: اے بنی فہر! اور اے بنی عدی! اور قریش کے دوسرے خاندان والو! اس آواز پر سب جمع ہو گئے اگر کوئی کسی وجہ سے نہ آسکا تو اس نے اپنا کوئی چودھری بھیج دیا تاکہ معلوم ہو کہ کیا بات ہے۔ ابولہب قریش کے دوسرے لوگوں کے ساتھ مجمع میں تھا رسول ﷺ نے انہیں خطاب کر کے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تم سے کہوں کہ وادی میں (پہاڑی کے پیچھے) ایک لشکر ہے اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات سچ مانو گے؟ سب نے کہا کہ ہاں ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا ہی

پایا ہے۔رسول ﷺ نے فرمایا کہ پھر سنو کہ میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو بالکل سامنے ہے۔ اس پر ابولہب بولا: تجھ پر سارے دن تباہی نازل ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے اکٹھا کیا تھا؟ اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی ہی اس کے آڑے آئی۔'' (بخاری:4770) (4) ﴿وَّبَشِيْرٌ﴾ ''اور خوش خبری دینے والا ہوں'' میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں اور عبادت اور اس پر یقین رکھنے والوں کو کہ وہی الہ ہے ثواب کی خوش خبری دیتا ہوں۔

سوال 3: قرآن کی دعوت کیا ہے؟

جواب: (1) قرآن کی دعوت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔(2) انسان اللہ تعالیٰ کی غلامی کرے اسی سے امید رکھے ،اسی سے ڈرے۔(3) انسان کے ذہن اور دل اور معاملات میں اللہ تعالیٰ کا غلبہ ہو۔(4) انسان اپنی زندگی کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کو پیش نظر رکھے۔

﴿ وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ (3) ﴾

''اور یہ کہ اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ تمہیں ایک مقرر وقت تک بہترین سامان زندگی دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا زیادہ ثواب دے گا اور اگر تم پھر گئے تو یقیناً میں تم پر ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔'' (3)

سوال 1: ﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ﴾ ''اور یہ کہ اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف پلٹ آؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ﴾ ''اور یہ کہ اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف پلٹ آؤ'' یعنی اپنے پچھلے گناہوں کو ترک کر دو، رب سے ان کی بخشش مانگو اور سچے دل سے توبہ کرلو۔(2) توبہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ عمل کی طرف رجوع کرنا ہے اور استغفار شرک سے جس پر وہ قائم تھے۔کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوسکتا جب تک شرک کو ترک نہ کیا جائے۔ایسا ہر عمل شیطان کے لیے ہوتا ہے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شرک سے استغفار کے بعد توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔اہل شرک کثیر اعمال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اپنے شرک پر قائم رہتے ہیں۔(جامع البیان) (3) سیدنا اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے دل پر (کبھی کبھی) کچھ غفلت آجاتی ہے، اسی وجہ سے میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔'' (مسلم:6858)

سوال 2: ﴿يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ''وہ تمہیں ایک مقرر وقت تک بہترین سامان زندگی دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا﴾ ''وہ تمہیں بہترین سامان زندگی دے گا'' یعنی جب تم اپنے رب سے استغفار کر کے توبہ کرو گے تو وہ تمہارے دنیا کے رزق میں وسعت دے گا۔(جامع البیان) (2) وہ تمہیں ایسا رزق دے گا جس سے تم فائدہ اٹھاؤ گے۔(3) ﴿اِلٰۤى اَجَلٍ

﴿مُّسَمًّى﴾ ''ایک مقرر وقت تک''یعنی وفات تک۔(4)اللہ رب العزت نے اس وعدے کو یوں ذکر فرمایا ہے:﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ جو شخص نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہوتو اسے ہم ضرور زندگی دیں گے، پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور بدلے میں ان کا اجر زیادہ اچھا دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے۔(النحل: 97)(5) رب العزت کی جانب سے شریعت پرعمل کرنے سے دنیا اور آخرت میں انعامات عطا کیے جاتے ہیں۔

سوال3:﴿وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾ ''اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا زیادہ ثواب دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)''اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا زیادہ ثواب دے گا'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد آخرت کا اجر ہے۔(جامع البیان) (2)یعنی وہ نیکی کرنے والوں کو اپنے فضل وکرم سے نوازے گا۔انہیں ان کی پسندیدہ چیزیں عطا کی جائیں گی اور ناپسندیدہ کو ان سے دور کردیا جائے گا۔(3)اللہ تعالیٰ ان کے حسن اعمال کی وجہ سے بہترین بدلہ عطا فرمائیں گے۔

سوال4:﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ﴾ ''اور اگر تم پھر گئے تو یقیناً میں تم پر ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''اور اگر تم پھر گئے'' رب العزت نے توبہ واستغفار اور عبادت میں اخلاص سے منہ موڑنے والوں کو دھمکی دی ہے۔(2)اگر تم نے دعوت سے منہ موڑا۔(3) ﴿فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ﴾ ''تو یقیناً میں تم پر ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں'' اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات سے منہ موڑنے والوں کے لیے شدید وعید ہے جو رسولوں کو جھٹلاتے ہیں انہیں قیامت کے دن لامحالہ عذاب پہنچے گا۔(الاساس فی التفسیر)

سوال5:اپنے رب سے معافی چاہنے اور پلٹ آنے کی دعوت کیوں دی گئی ہے؟

جواب:انسان خطا کار ہے اور خطاؤں کے چکر میں پھنس جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے برائی کے چکر سے نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ آؤ۔

سوال6:انسان کہاں سے اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ سکتا ہے؟

جواب:انسان شرک،کفر،ظلم اور نافرمانی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ سکتا ہے۔

سوال7:اللہ تعالیٰ صالح زندگی بسر کرنے والوں کو متاع حسن کا وعدہ دیتے ہیں انسان کو یہ متاع حسن کیسے نصیب ہوتا ہے؟

جواب:جب کسی معاشرے میں صالح نظام زندگی نافذ کیا جائے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے تعلق پر ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہو جس میں اللہ تعالیٰ کا قانون چلتا ہو جس میں انسان اچھے کردار کے مالک ہوں ایسا معاشرہ ترقی یافتہ ہو جاتا ہے ایسے معاشرے میں ہر فرد کو اس کی محنت کی مطابق اجرت ملتی ہے۔ایسے معاشرے کو معاشی خوش حالی نصیب ہوتی ہے۔زندگی کی وافر سہولیات ملتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا متاع حسن کا وعدہ ان کے حق میں پورا ہو جاتا ہے۔

سوال8: کسی معاشرے میں نیک ،توبہ واستغفار کرنے والے افراد اگر تنگی ترشی سے زندگی بسر کررہے ہوں تب انہیں متاع حسن کیسے نصیب ہوتا ہے؟

جواب: جس معاشرے میں نیک اورتوبہ واستغفار کرنے والےلوگ تنگی ترشی سے زندگی بس رکررہے ہیں تولازمی طورہم کہہ سکتے ہیں کہ اس معاشرے کی بنیاداللہ تعالیٰ کےایمان پرتعمیرنہ ہوئی ہوگی اوراس کانظام غیرعادلانہ ہوگا۔ایسے معاشرے میں اگرنیک لوگوں پرظلم ڈھایاجارہاہو،ناانصافیاں کی جارہی ہوں تب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اچھی زندگی بسر کررہے ہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق،دل کااطمینان،اللہ تعالیٰ کے فضل کرم کی امیدبہترین سازوسامان ہے یہ روحانی دولت زیادہ بڑامتاع حسن ہے۔

سوال9: لوگ دعوت سے کیوں منہ موڑتے ہیں؟

جواب: (1) جوانسان اپنی ذات کی بڑائی میں جیتے ہیں۔(2) اللہ تعالیٰ کےسوادوسروں کی یادوں کودل میں بساتے ہیں۔(3) سرکشی کارویہ اختیارکرتے ہیں۔(4) حسد،مصلحت پرستی،گروہ پرستی اورتکبرمیں جیتے ہیں۔

سوال10: دعوت قبول نہ کرنے والاخودپرکیاظلم کرتاہے؟

جواب: دعوت قبول نہ کرنے والااپنی روح کووحی الٰہی کی تربیت سےمحروم کردیتاہےاس طرح اس کی روح بیمارہوجاتی ہےاورآخرت میں اس بیمارروح کوجہنم میں پھینک دیاجائے گا۔

سوال11: دعوت قبول کرنے والےاورقبول نہ کرنے والوں کاموازنہ کریں؟

جواب:

دعوت قبول کرنے والے	دعوت قبول نہ کرنے والے
(1)دعوت قبول کرنے والااپنی روح کے لیے اللہ تعالیٰ کے رزق وحی کوقبول کرتاہے،	(1)اپنی روح کواللہ تعالیٰ کےرزق وحی سےمحروم کردیتاہے۔
(2)وحی الٰہی قبول کرنے والے کی روح کی تربیت کرتی ہے،	(2)وحی الٰہی کی تربیت سےخودکومحروم کردیتاہے۔
(3)دعوت قبول کرنے والے کےاندرتواضع ہوتی ہے،	(3)دعوت قبول نہ کرنے والاتکبرمیں جیتاہے۔
(4)اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی یادوں میں بسرہوتی ہے،	(4)اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے ماسوادوسروں کی یادوں میں بسرہوتی ہے۔

(5)زندگی کے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرتا ہے،	(5)ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کرتا ہے۔
(6)دعوت قبول کرنے والے کی روح صحت منداور صالح ہوتی ہے ،	(6)دعوت قبول نہ کرنے والے کی روح بیماراور شکست خوردہ ہوتی ہے۔
(7)دعوت قبول کرنے والے کی ترقی یافتہ روح کو جنت کے باغوں میں بسادیا جائے گا،	(7)دعوت قبول نہ کرنے والے کی بیمارروح کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

سوال 12: انسان دعوت پاکر کیسا رویہ اختیار کرے کہ اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے؟

جواب: (1)انسان اپنے آپ تکبر، حسد، مصلحت پرستی اور گروہ پرستی سے بچائے۔(2)دعوت ملنے پر سیدھی طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے۔(3)اپنی غلطیوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے۔(4) سچے راستے پر مستقل مزاجی سے چلنے کے لیے اللہ سے مدد کی درخواست کرے۔

﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (4) ﴾

"اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔"(4)

سوال 1: ﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ "اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ﴾ "اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے" یعنی ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے اور اسے اپنی زندگی کے اعمال کا حساب دینا ہے۔(2)وہ سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔نیک اعمال پر اچھا بدلہ اور برے اعمال پر برا بدلہ۔(3)﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ "اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے" یعنی وہ اپنے اولیاء پر احسان کرنے کی اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کی اور قیامت کے دن مخلوقات کو لوٹانے کی پوری قدرت رکھتا ہے اور یہ سخت ڈراوے کا مقام ہے جیسے ہر ذی فضل کو اس کا فضل دے گا ترغیب کا مقام ہے۔(الاساس فی التفسیر)(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴾ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے گمان کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے آپ کہہ دیجیے کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم نے کیا تمہیں ضرور بتایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ پر یہ بہت آسان ہے۔ (التغابن:7)

(5)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عاص بن وائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا۔اسے ریزہ ریزہ کر کے کہنے لگا: اے محمد! کیا اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو اس کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!

اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تمہیں جہنم کی آگ میں ڈالے گا۔ (مستدرک حاکم: 3606)
(6) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (5) ﴾

”سن لو! وہ اپنے سینوں کو بلاشبہ موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپ جائیں، سن لو! جب وہ اپنے کپڑوں کو اچھی طرح اوڑھتے ہیں، وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔“ (5)

سوال 1: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ﴾ ”سن لو! وہ اپنے سینوں کو بلاشبہ موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپ جائیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”سن لو! وہ اپنے سینوں کو بلاشبہ موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپ جائیں“ اللہ رب العزت نے مشرکوں کی گمراہی کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے۔ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ جب ہم اپنے دروازے بند کرلیں گے، اور کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانک لیں گے، اور اپنے سینوں میں محمد کی عداوت کو چھپائے رکھیں گے تو کسے خبر ہوگی؟ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کفار مکہ حقیقی معنوں میں ایسا کرتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرتے تو اپنا منہ پھیر لیتے اور آپ ﷺ کی طرف پیٹھ کرلیتے اور کپڑے سے اپنا منہ ڈھانک لیتے تاکہ آپ کی کوئی بات ان کے کان میں نہ پڑ جائے۔ (تیسیر الرحمٰن: 633) (2) یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ سے چھپائیں۔ پس ان کے سینے اللہ تعالیٰ کے علم کے لئے رکاوٹ بن جائیں، تاکہ وہ ان کے احوال کو جان نہ سکے اور اس کی نگاہ کے لئے بھی، تاکہ وہ ان کے حالات کو دیکھ نہ سکے۔ (تفسیر سعدی: 2/1179,1180) (3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ آپ آیت کی قرأت اس طرح کرتے تھے۔ ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ ﴾ میں نے ان سے آیت کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ کچھ لوگ اس میں حیا کرتے تھے کہ کھلی ہوئی جگہ میں حاجت کے لئے بیٹھنے میں، آسمان کی طرف ستر کھولنے میں، اس طرح صحبت کرتے وقت آسمان کی طرف کھولنے میں پروردگار سے شرماتے۔ (صحیح بخاری: 4681)

سوال 2: ﴿ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴾ ”سن لو! جب وہ اپنے کپڑوں کو اچھی طرح اوڑھتے ہیں، وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ﴾ ”سن لو! جب وہ اپنے کپڑوں کو اچھی طرح اوڑھتے ہیں“ اللہ رب العزت نے وضاحت فرمائی

کہ رات کو جب آپ کپڑوں میں اپنے آپ کو لپیٹ لیتے ہوا سے بھی اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔(2)﴿ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴾ ’’جب وہ اپنے کپڑوں کو اچھی طرح اوڑھتے ہیں، وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں‘‘،یعنی اللہ تعالیٰ ہر کھلے قول اور فعل چھپے کا علم رکھتا ہے۔

سوال3: ﴿ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ ’’بے شک وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)’’بے شک وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے‘‘،یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کے وسوسوں، خیالوں اور سوچوں کو بھی جانتا ہے پھر سینے کو موڑ کر اس سے کیسے کچھ چھپا سکتے ہو؟(2)اس آیت کا مقصد اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کو بیان کرنا ہے۔(دعوۃ القرآن:10/3)(3)ذات الصدور سے مراد دل کے بھید، راز جو دل کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہو جیسے دوست دوست کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔(4)انتہائی راز داری کی وجہ سے بِذَاتِ الصُّدُوْرِ کہا گیا۔انسان کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخفی رازوں تک سے واقف ہے پھر اس سے اور کیا چھپا رہ سکتا ہے۔انسان کی کوئی حرکت اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ انسان کے شعور کو جھنجھوڑتا ہے کہ ایک آنکھ ہر وقت اسے دیکھتی ہے۔(5)رب العزت نے فرمایا:﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ آپ کہہ دو جو تمہارے سینوں میں ہے، تم اسے چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔(آل عمران:29)(6)﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ اور جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم وہ ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا۔(البقرہ:284)

سوال4: رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے والے اپنے سینوں کو کیوں موڑتے تھے؟

جواب: رسول اللہ کو جھٹلانے والے شدت اعراض کی وجہ سے اپنے سینوں کو موڑتے تھے تاکہ نہ آپ ان کی طرف دیکھیں نہ اپنی دعوت سنائیں نہ ہی نصیحت کر پائیں۔

سوال5: رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر بعض سرداروں کا ردعمل اس آیت میں بیان کیا گیا وضاحت کریں؟

جواب:(1)رسول اللہ ﷺ نے جب اللہ تعالیٰ کا کلام سنانا چاہا تو لوگوں نے اس سے منہ موڑنے کے لیے چھپنا چاہا اپنے اوپر چادر ڈال لی کوشش کی کہ چھپ جائیں اور سمجھ لیا کہ چھپ گئے۔(2)انسان جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کمزور ہے دعوت قبول نہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے چھپنا چاہتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کو گھیرے ہوئے ہے وہ کہاں چھپ سکتے ہیں۔

سوال6: انسان دعوت کو اس طرح کب نظر انداز کرتا ہے؟

جواب: جب وہ اپنی ذات کو بڑا اور دعوت دینے والا کو چھوٹا خیال کرتا ہے۔

سوال7: دعوت کو نظر انداز کرنا کیسا عمل ہے؟

جواب: دعوت کونظر انداز کرنا دراصل داعی کونظر انداز کرنانہیں اللہ تعالیٰ کونظر انداز کرنا ہے جو کھلے اور چھپے سب کو جانتا ہے۔

سوال8: اللہ تعالیٰ نے دعوت کونظر انداز کرنے والوں کو کیسے ان کی بری حرکت کا شعور دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نظر انداز کرنے والوں کی حرکت کو سامنے لاکر غلطی کو واضح کرتا ہے کہ جب وہ رات کو اپنے گھروں میں بستر پر لیٹے ہوتے ہیں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے تب بھی وہ چھپ نہیں سکتے وہ تو ہر کھلی اور چھپی بات کو جانتا ہے۔ (3) ان کے پردے اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے کیا رکاوٹ بنیں گے۔

○○○○○○○○○○○